نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے

(فقہی سمینار: ۱-۲۸)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے (فقہی سمینار: ۱-۲۸)
صفحات	:	۳۸۰
سن طباعت	:	جون ۲۰۲۰ء

ناشر

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

161-F جوگا بائی، پوسٹ باکس نمبر: 9746، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025

ای میل: fiqhacademy@gmail.com

fiqhacademy@yahoo.com

www.ifa-india.org

فون: 26983728 ,26981779 - 011

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست مضامین

(ترتیب سمینار کے اعتبار سے)

پیش لفظ	۱۵
ابتدائیہ	۱۷
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں منہج:	۱۹
پہلا فقہی سمینار	۵۷-۶۰
ضبط ولادت	۵۹
دوسرا فقہی سمینار	۶۱-۷۲
پگڑی	۶۴
اعضاء کی پیوند کاری	۶۵
کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت	۶۷
مہر کا شرعی حکم	۶۸
سود سے متعلق مسائل	۶۸
بنک انٹرسٹ	۶۹
تجارتی سود اور اسلامی شریعت	۷۰
بین الاقوامی تجارت پر سود	۷۱

غیرسودی بنکاری کے لئے پروجیکٹ کی تیاری ۷۱
دارالاسلام، دارالحرب اور مختلف ممالک کی حیثیت کا تعین ۷۲

تیسرا فقہی سمینار ۷۳-۸۴

اسلامی بنکاری-ضرورت ورہنما خطوط ۷۵
مرابحہ ۷۹
غیرسودی امدادی سوسائٹیاں ۸۰
حقوق کی بیع ۸۲
تجویز: دینی وعصری اداروں کے طلبہ ۸۳

چوتھا فقہی سمینار ۸۵-۹۲

انشورنس ۸۷
غیرسودی بینکنگ کا مسئلہ ۸۹
ڈاکٹر انس زرقاء کی تجویز ۹۱
دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ ۹۲

پانچواں فقہی سمینار ۹۳-۱۱۰

ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم ۹۵
حاجت اصلیہ (زکوۃ میں بنیادی حاجت) ۱۰۱
دَین (قرض) کی زکوٰۃ ۱۰۲
تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دوکان ومکان میں دی گئی ڈپوزٹ کی رقم پر زکوٰۃ ۱۰۳

ہیرے وجواہرات پر زکوٰۃ	۱۰۴
پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ	۱۰۷
وظیفہ طلبہ	۱۰۷
مدرسہ کے سفرا، محصلین اور مہتمم کی حیثیت	۱۰۷
اموال مدرسہ پر زکوۃ	۱۰۸
کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی	۱۰۸
مال حرام کی زکوٰۃ	۱۰۸
فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟	۱۰۹
چھٹا فقہی سمینار	۱۱۱-۱۲۲
عشری وخراجی اراضی	۱۱۳
ادائیگی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی	۱۱۵
زمینی پیداوار، درخت وسبزیوں پر عشر	۱۱۶
مزارعت (بٹائی) والی کاشت پر عشر	۱۱۸
اخراجات زراعت کی منہائی کا نصاب	۱۱۸
مکھانہ، مچھلی وریشم پر عشر	۱۲۰
مکان، چھت، گردو پیش کی افتادہ اراضی اور اراضی اوقاف پر عشر	۱۲۰
اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز	۱۲۱
ساتواں فقہی سمینار	۱۲۳-۱۳۶
ضرورت وحاجت	۱۲۵

مشینی ذبیحہ ۱۳۲

آٹھواں فقہی سمینار ۱۴۸-۱۳۷

طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض ۱۳۹

ایڈز ۱۴۳

عرف و عادت ۱۴۴

عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حقیقت ۱۴۷

یو پی زمینداری ایکٹ میں ترمیم کی بابت تجویز (خواتین کی میراث) ۱۴۸

نواں فقہی سمینار ۱۵۸-۱۴۹

شیئرز کی شرعی حیثیت ۱۵۱

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید و فروخت ۱۵۴

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ۱۵۵

مشینی ذبیحہ ۱۵۷

دسواں فقہی سمینار ۱۷۸-۱۵۹

اوقاف سے متعلق مسائل ۱۶۱

حج و عمرہ کے مسائل ۱۶۸

قسط پر خرید و فروخت ۱۷۲

کلوننگ ۱۷۵

اعلامیہ برائے اتحاد امت ۱۷۶

گیارھواں فقہی سمینار	۱۸۸-۱۷۹
نکاح میں ولایت کے مسائل	۱۸۲
نکاح میں کفاءت کے مسائل	۱۸۴
ضعیف احادیث کے احکام	۱۸۶
بارھواں فقہی سمینار	۱۹۸-۱۸۹
اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت	۱۹۱
طلاق سکران (حالت نشہ کی طلاق)	۱۹۳
انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال	۱۹۶
تیرھواں فقہی سمینار	۲۰۸-۱۹۹
انقلاب ماہیت (طہارت ونجاست وحلت وحرمت پر اس کا اثر	۲۰۱
اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری	۲۰۲
جبری شادی	۲۰۴
جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود ومعاملات کا شرعی حکم	۲۰۵
جہیز کی حرمت	۲۰۶
مسجد کی شرعی حیثیت	۲۰۷
چودھواں فقہی سمینار	۲۱۶-۲۰۹
مسلم وغیر مسلم تعلقات	۲۱۱
اسلام اور امن عالم	۲۱۳

جلاٹین ۲۱۴

الکحل ۲۱۵

نئے وقف کا قیام ۲۱۶

پندرھواں فقہی سمینار ۲۲۲-۲۱۷

بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ ۲۱۹

میڈیکل انشورنس ۲۲۰

جنیٹک ٹسٹ ۲۲۱

ڈی این اے ٹسٹ ۲۲۱

سولھواں فقہی سمینار ۲۲۸-۲۲۳

رمی جمار کا مسئلہ ۲۲۵

قیام منیٰ کا حکم ۲۲۷

موت کی حقیقت اور مصنوعی آلۂ تنفس ۲۲۷

یوتھنیزیا کا حکم ۲۲۸

نیٹ ورک مارکٹنگ ۲۲۸

سترھواں فقہی سمینار ۲۳۶-۲۲۹

ماحولیات کا تحفظ ۲۳۱

تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم ۲۳۳

روزہ میں جدید طریقۂ علاج کا استعمال ۲۳۴

مسافت سفر کا آغاز	۲۳۵
جائے ملازمت کا حکم	۲۳۶
اٹھارھواں فقہی سمینار	۲۵۰-۲۳۷
قیدیوں کے حقوق	۲۳۹
تعلیمی قرض	۲۴۴
پلاسٹک سرجری	۲۴۶
خواتین کی ملازمت	۲۴۷
انیسواں فقہی سمینار	۲۵۸-۲۵۱
غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	۲۵۳
موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت	۲۵۴
تورّق کا مسئلہ	۲۵۵
ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟	۲۵۶
کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت	۲۵۷
بیسواں فقہی سمینار	۲۷۲-۲۵۹
مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام	۲۶۱
مختلف النوع ملازمتیں	۲۶۳
تفریح وسیاحت-اس کے احکام وشرعی ضوابط	۲۶۶
آبی وسائل اوران کے شرعی احکام	۲۷۰

اکیسواں فقہی سمینار	۲۷۳-۲۸۲
شقاق بین الزوجین	۲۷۵
نشہ آور اشیاء	۲۷۶
اسلامی تکافل	۲۸۰
بائیسواں فقہی سمینار	۲۸۳-۲۹۴
الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	۲۸۶
بیع الوفا	۲۸۷
صکوک	۲۸۸
تجویز بہ سلسلہ تحفظ خواتین	۲۸۹
تئیسواں فقہی سمینار	۲۹۵-۳۰۸
ہبہ سے متعلق مسائل	۲۹۷
میراث ووصیت سے متعلق مسائل	۲۹۸
عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل	۳۰۰
شہریت سے متعلق مسائل	۳۰۱
رِحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا	۳۰۳
چوبیسواں فقہی سمینار	۳۰۹-۳۲۲
قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت	۳۱۲
برصغیر میں مطبوعہ قرآن مجید کے نسخے	۳۱۴

اسلام میں بچوں کے حقوق	۳۱۵
غذائی مصنوعات میں حلال وحرام	۳۱۸
حلال سرٹیفکٹ	۳۱۹
اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ	۳۲۰
اعلامیہ: تعلیم اور تعلیمی اداروں کی فرقہ واریت سے حفاظت	۳۲۱
پچیسواں فقہی سمینار	۳۳۴-۳۲۳
اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام	۳۲۵
اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق	۳۲۷
وحدت امت-اصول وآداب	۳۲۹
بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب	۳۳۲
طلاق غضبان (غصہ کی طلاق)	۳۳۴
چھبیسواں فقہی سمینار	۳۴۶-۳۳۵
سرکاری اسکیموں سے استفادہ	۳۳۷
زمین کی خرید وفروخت سے متعلق مسائل	۳۳۹
سونے چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل	۳۴۲
فضائی آلودگی	۳۴۴
صوتی آلودگی	۳۴۵
ستائیسواں فقہی سمینار	۳۵۸-۳۴۷
طلاق اوراس سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل	۳۴۹

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل	۳۵۱
مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل	۳۵۵
حیوانات کے حقوق اوران کے احکام	۳۵۷
اٹھائیسواں فقہی سمینار	۳۶۸-۳۵۹
احکام شرعیہ پر جہل (ناواقفیت) کا اثر	۳۶۱
انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط مسائل	۳۶۲
ہیرے جواہرات کی خرید وفروخت	۳۶۴
تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	۳۶۷
فقہی سمینار - ایک نظر میں	۳۶۹
فہرست مضامین (فقہی ترتیب کے اعتبار سے)	۳۷۳

✧✧✧

پیش لفظ

کوئی بھی فقہ یا قانون اپنی حرکیت سے ہی زندہ رہتا ہے۔ زندگی کی حرارت اور حرکت کسی بھی زندہ قانون میں نمایاں ہوتی ہے، بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ قانون کی تطبیق بہت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے۔ قانون میں حرکت اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ہم آہنگی اصول اور قواعد کلیہ اور تعبیر قانون کے مسلمہ ضوابط کی بنیاد پر ہی برقرار رہ سکتی ہے، فقہ اسلامی کی پائداری اور حالات اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود انسانی زندگی میں انضباط پیدا کرنے اور صحیح رہنمائی دینے کی بھرپور صلاحیت دراصل ان اصولی احکام کی رہین منت ہے جنہیں فقہاء نے کتاب وسنت سے مستنبط کیا ہے اور ہر عہد میں اس عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر احکام فقہیہ کی تطبیق کا نازک فریضہ انجام دیا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب ایسی جامع شخصیتیں موجود تھیں جو کتاب وسنت، فقہاء کے اجتماعی اقوال، قیاس کے اصولوں اور استنباط کے طریقوں پر حاوی تھیں، شرع کے عمومی مصالح اور تشریع کے اغراض ومقاصد پر ان کی نگاہ تھی اور وہ زمانہ شناس بھی تھے، لہذا انہوں نے اپنے عہد میں اپنی صلاحیتوں کا استعمال اور ورع وتقویٰ کے ساتھ مقاصد شرع اور قوانین دین پر مضبوط گرفت رکھتے ہوئے اپنے وقت کی مشکلات کا حل نکالا۔ ان اصحاب افتاء بزرگوں کا فتویٰ رائج سکّے کی طرح مسلم معاشرے میں قبول عام اختیار کرتا رہا۔

موجودہ حالات یہ ہیں کہ معاشرے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں، سائنس وٹکنالوجی کی ترقی نے نئے افق پیدا کئے، دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن گئی، معاشی اور اقتصادی امور

میں نئی ترقیات نے نئے مسائل کھڑے کئے۔ جو لوگ اسلام پر چلنا چاہتے ہیں اور شریعت کو اپنی معاشرت، تجارت اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں معیار ہدایت قرار دے کر زندگی گذارنا چاہتے ہیں ان کے سامنے ایسے سیکڑوں سوالات پیدا ہو رہے ہیں جن کے بارے میں وہ علماء واصحاب افتاء کی طرف رجوع کرتے ہیں اور رہنمائی کے طالب ہیں۔ دوسری طرف ایسی جامع شخصیتوں کا فقدان ہو گیا جو علم وتحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کر سکیں اور جن کا تنہا فتویٰ بھی مسلم معاشرے میں قابل قبول ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور علماء واصحاب دانش باہمی تبادلۂ خیال کے ذریعہ ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ ہو اور فکری شذوذ سے پاک ہو۔

یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے "**مجمع الفقه الإسلامی الهند**" کی تشکیل عمل میں آئی جس میں علماء وفقہاء کے علاوہ ارباب علم ودانش، میڈیکل سائنس، معاشیات، سماجیات، سائنس اور بینکنگ کے ماہرین کو بھی شریک کیا گیا، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اس علمی وتحقیقی عمل کی آواز بازگشت ہندوستان سے باہر بھی سنی جانے لگی ہے۔

(قاضی) مجاہد الاسلام قاسمیؒ

(مؤسس مجمع الفقہ الاسلامی الہند)

✦ ✦ ✦

ابتدائیہ

ہرعہد میں جو نئے مسائل پیدا ہوں، ان کو حل کرنا علماء کی ذمہ داری اور ان کا فریضہ منصبی ہے، سلف صالحین نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے انفرادی کوششیں بھی کی ہیں، اور اجتماعی طریقۂ کار بھی اختیار کیا ہے، یہ اجتماعی طریقۂ استنباط زیادہ محفوظ اور مامون صورت ہے، کیونکہ اجتماعی صلاحیت اور کوششوں کے ذریعہ انفرادی کوتاہیوں کی تلافی ہوجاتی ہے، چنانچہ عہد صحابہ میں حضرت عمر فاروق ؓ نے اور صحابہ کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا۔

موجودہ عہد تیز رفتار تبدیلیوں کا عہد ہے، اسی لئے دنیا کے مختلف ملکوں میں ان اہل علم نے جن کو اللہ تعالی نے دل دردمند اور فکر ارجمند سے نوازا ہے، فقہی مجامع قائم کئے ہیں، اور یہ اکیڈمیاں اجتماعی کاوشوں کے ذریعہ ان مسائل کو حل کرنے میں بہت ہی اہم کردار ادا کررہی ہیں، ہندوستان کے اکابر علماء بھی اس سلسلہ میں محدود سطح پر اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ ایسے مسائل کا حل کرنے پر توجہ دیتے رہے ہیں۔

اس مقصد کے لئے مستقل طور پر اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی بنیاد رکھی گئی اور وسیع سطح پر نئے پیدا ہونے والے فقہی مسائل پر غور وفکر کے لئے ایک عظیم الشان پلیٹ فارم مہیا کیا گیا، جس نے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے اہم فقہاء اور ارباب افتاء کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

چنانچہ اس اکیڈمی کے تحت اب تک ۲۸ فقہی سمینار منعقد ہوچکے ہیں، جن میں بحیثیت مجموعی ۲۰۰ مسائل پر غور کیا گیا ہے، ان سمیناروں کی تجاویز ''اہم فقہی فیصلے'' کے نام سے طبع ہوچکی ہیں، اس کے بعد استفادہ میں سہولت کی خاطر ان تجاویز کو فقہی ترتیب کے مطابق ''فقہ اکیڈمی کے فیصلے'' کے نام سے شائع کیا گیا، لیکن اب پھر بعض حضرات کے مطالبہ پر اور سمیناروں کی تاریخی

ترتیب کی اہمیت کے پیش نظر ان تجاویز کو فقہی سمیناروں کی ترتیب کے مطابق شائع کیا جارہا ہے، جس کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ فیصلوں میں ترتیب قائم رہے، اور دوسرا یہ کہ اگر کسی سمینار میں کسی موضوع پر معلومات کی کمی یا اتفاق رائے نہ بن پانے کی وجہ سے اس کے فیصلوں کو ملتوی کردیا گیا ہو تو پھر اس موضوع پر آئندہ کسی سمینار میں بحث کرنے اور اس سلسلہ میں تجاویز پاس کرنے میں آسانی ہو۔

فقہی سمیناروں کی تعداد میں اضافے اور ان میں پیش کیے گئے موضوعات کی کثرت کی وجہ سے ''اہم فقہی فیصلے'' کتاب کی ضخامت بڑھتی ہی جارہی تھی، اور پھر یہ کہ ایک سمینار کے فیصلوں کے اضافے کے ساتھ پرانے فیصلوں کو بھی بار بار طباعت کے مرحلے سے گزارنا ہوتا تھا، اس لئے اس مرتبہ اکیڈمی نے یہ طے کیا کہ ایک سمینار سے پچیس سمینار کے فیصلوں کو ایک الگ کتابی شکل کر دی جائے اور اسے ضرورت کے مطابق ہی شائع کیا جائے، اس لئے کہ ان سمیناروں کے فیصلے یقین ہے کہ علماء تک پہنچ چکے ہیں۔ اور ۲۶ ویں سمینار سے لے کر بعد کے سمیناروں کے فیصلوں کو الگ سے ''نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے'' کے نام سے شائع کیا جائے، تاکہ نئے فیصلوں کے اضافوں کے ساتھ شرکاء کے درمیان اس کو پیش کرنے میں سہولت ہو۔

یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اس کتاب میں درج فیصلوں کی دو فہرستیں تیار کی گئی ہیں، ایک سمیناروں کی ترتیب سے فہرست تیار کی گئی ہے جسے کتاب کے شروع میں رکھا گیا ہے، اور دوسری فہرست موضوعات کی ترتیب سے تیار کی گئی ہے جسے کتاب کے اخیر میں شامل کردیا گیا ہے، اسی طرح کتاب کے اخیر حصے میں اب تک ہونے والے سمیناروں کا تاریخ، مقام اور موضوعات پر مشتمل ایک چارٹ بھی شامل کردیا گیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ استفادہ آسان سے آسان ہوسکے۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم لوگوں کو اس لائق بنائے کہ اکیڈمی کی اس دینی وعلمی امانت کی نہ صرف یہ کہ حفاظت کریں، بلکہ اس کے مزید دوام واستحکام کا ذریعہ بنیں، وباللہ التوفیق۔

۴؍ربیع الاول ۱۴۴۱ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۲؍نومبر ۲۰۱۹ء — (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں منہج

خالد سیف اللہ رحمانی

''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں کیا نقطۂ نظر رکھتی ہے؟ اس کا طریقۂ کار کیا ہے؟ اور اس کی کاوشوں کے کیا نتائج وثمرات سامنے آئے ہیں؟ — یہ اس کم سواد تحریر کا اصل موضوع ہے، اور اس کی وضاحت کے لئے ان اُمور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے :

- کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا؟
- عصر حاضر میں پیش آنے والے مسائل کے حل کے لئے کس قسم کا اجتہاد مطلوب ہے؟
  اجتہاد واستنباط اور نئے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی، علمی وتحقیقی کوشش کی کیا اہمیت ہے؟
- ہندوستان میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے قیام سے پہلے اجتماعی اجتہاد واستنباط کی کیا مساعی ہوئی ہیں؟
- اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا طریقہ کار اور منہج کیا ہے؟
- اکیڈمی کی قراردادوں کا تجزیہ۔
- اکیڈمی کی کاوشوں کے نتائج واثرات۔

تحقیق دین اور حفاظتِ دین کی ذمہ داری

یہ بات کتاب وسنت کی صراحتوں سے ثابت ہے اور اس پر اُمت کا اجماع ہے کہ خاتم

النبیین جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ تمام ہو چکا ہے اور اب قیامت تک کے لئے وحی کا سلسلہ بند ہے، لیکن چوں کہ نئے واقعات پیش آتے رہیں گے اور اسی نسبت سے ہر عہد میں نئے مسائل بھی پیدا ہوں گے، نیز دنیا دارالامتحان ہے، اس لئے انسانوں کی اس بستی میں گمراہی کے اسباب بھی باقی رہیں گے، پھر چوں کہ قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، اس لئے اہل باطل کے لئے اس میں لفظی تحریف تو ممکن نہ ہوگی، لیکن معنوی تحریف کی ناکام و نامراد کوششیں ہوتی رہیں گی اور نصوص کی غلط اور ناقابل قبول تاویلات کرنے والے لوگ بھی پیدا ہوتے رہیں گے، اس لئے نئے مسائل کے حل اور اہل باطل کی دسیسہ کاریوں سے حفاظت کی ضرورت ہمیشہ پڑے گی۔

یہ دونوں ذمہ داریاں رسول اللہ ﷺ سے پہلے انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام انجام دیا کرتے تھے، اسی لئے انبیاء کی بعثت میں تسلسل پایا جاتا تھا، اور ایک نبی کے بعد بلا وقفہ دوسرا نبی آیا کرتا تھا، بلکہ بعض اوقات ایک ہی عہد میں دو پیغمبر بھی مبعوث رہا کئے ہیں، رسول اقدس ﷺ کے بعد اب یہ ذمہ داری اُمت محمدیہ کے حوالہ کر دی گئی ہے، اور اُمت کے اب وہ علماء اس فریضہ کو انجام دیں گے جو علم اور تقویٰ سے بہرہ ور ہوں۔

دین کی باطل سے حفاظت اور اصلاح و تجدید کی ذمہ داری اور اس میں تسلسل کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا ہے :

إن الله عزوجل يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، حدیث نمبر ۱۹۲۴)

مجدد کو کیا فریضہ انجام دینا ہے؟ اس کی وضاحت ایک اور روایت سے ہوتی ہے، جو رسول اللہ ﷺ سے مرسلاً نقل کی گئی ہے:

يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه تحريف

الغالين وإنتحال المبطلين وتأويل الجاهلين۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب العلم، بحوالہ بیہقی فی کتاب المدخل)

نئے مسائل کے حل یا اجتہاد کی ذمہ داری حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اس معروف روایت سے معلوم ہوتی ہے:

عن عمرو بن العاص أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إذا حكم الحاكم فاجتهد، ثم أصاب، فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ، ثم أخطأ ، فله أجر۔ (بخاری ، حدیث نمبر ۲۵۳۷)

پھر اس اجتہاد کے منہج اور اُسلوب کی توضیح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن بھیجا تو اس موقع پر قضا کے طریقۂ کار کے سلسلہ میں ان کا مختصر سا امتحان بھی لیا، جس کا حدیث میں ان الفاظ میں تذکرہ آیا ہے:

إن رسول الله صلى الله عليه وسلم: لما أراد أن يبعث معاذاً إلى اليمن قال: كيف تقضى إذا عرض لک قضاء؟ قال: أقضى بكتاب الله، قال: فإن لم تجد فى كتاب الله؟ قال: فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: فإن لم تجد فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا فى كتاب الله؟ قال: أجتهد برأيى ولا الو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره، وقال: الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله۔ (ابوداؤد ، حدیث نمبر ۲۹۵۳)

قاضی شریح کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طریقۂ قضا کے سلسلہ میں جو مکتوب تحریر فرمایا ہے، اس میں ہدایت کی گئی ہے:

...... **فإن لم يكن فى كتاب الله ولا فى سنة رسول الله صلى الله**

علیه وسلم فاقض بما قضی به الصالحون ، فإن لم یکن فی کتاب الله ولا فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یقض به الصالحون، فإن شئت فتقدم وإن شئت فتأخر، ولا أری التأخر إلا خیراً لک۔ (نسائی، حدیث نمبر ۹۹۳۵)

معلوم ہوا کہ اب حفاظت دین اور تحقیق دین دونوں ذمہ داریاں علماء کے کاندھوں پر آگئی ہیں، حفاظت دین کو تجدید سے اور تحقیق دین کو اجتہاد سے تعبیر کیا گیا ہے،-- اجتہاد اس لئے ضروری ہے کہ نصوص محدود ہیں، اور واقعات بے شمار، **النصوص معدودة والحوادث ممدودة**، پس سوال یہ ہے کہ کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟ اس کا فیصلہ کتاب اللہ، سنت رسول اور اجماع ہی سے ہوسکتا ہے۔

جہاں تک کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی بات ہے تو ظاہر ہے کہ ان میں سلسلۂ اجتہاد بند ہو جانے پر صراحت تو کیا اشارہ بھی موجود نہیں ہے، بلکہ بعض روایات جو اوپر ذکر کی گئی ہیں، وہ اہل علم کی خدمات کے سلسلہ میں تسلسل اور دوام کو بتاتی ہیں، اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ فی الجملہ اجتہاد کا سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا، قیاس و مصلحت کا تقاضا بھی یہی ہے کیونکہ جب نئے مسائل ہر دور میں پیدا ہوتے رہیں گے، تو ان کا حل بھی ہر دور میں ضروری ہوگا، اور ''حل'' کے لئے بہت سی دفعہ اجتہاد کی ضرورت پڑے گی۔ جہاں تک اجماع کی بات ہے تو اجماع مجتہدین کا معتبر ہے اور مجتہدین اُمت سے باب اجتہاد بند ہونے پر اتفاق تو الگ بات ہے، انفرادی طور پر بھی شاید ہی کسی فقیہ سے باب اجتہاد مسدود ہونے کی بات صراحۃً منقول ہو۔

عباسی خلفاء کے دل میں یہ بات آئی تھی کہ پورے عالم اسلام کو فقہ مالکی کا پابند بنایا جائے، یہ ایک درجہ میں باب اجتہاد کو بند کرنے کی کوشش بھی کہی جاسکتی ہے، لیکن خود امام مالکؒ نے اس کو قبول نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے خلیفہ منصور سے فرمایا:

یا أمیر المؤمنین! لا تفعل، فإن الناس قد سبقت إلیهم أقاویل

وسمعوا أحاديث ورووا روايات، وأخذ كل قوم بماسبق إليهم وعملوا به ودانوا به ...... فدع الناس وماهم عليه وما اختار أهل كل بلد لأنفسهم. (سير أعلام النبلاء ٧/٨٧)

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دوسری صدی ہجری پر اجتہاد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے، لیکن یہ بات تو کہی جاسکتی ہے کہ دوسری یا چوتھی صدی کے بعد اُمت کے سوادِ اعظم نے تقلید و اتباع کی راہ اختیار کی، مگر یہ کہنا کہ اس کے بعد مجتہدین پیدا ہی نہیں ہوئے یا اجتہاد کو بالکل ہی ترک کر دیا گیا، درست نظر نہیں آتا، اس ضمن میں چند شخصیتوں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مختلف ادوار میں کارِ اجتہاد کا تسلسل

○ امام احمد بن محمد طحاوی حنفی (متوفی: ۳۲۱ھ) ممتاز محدثین میں ہیں، ابن کمال پاشا نے ان کو مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے، یعنی جن مسائل میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو، وہ ان ہی مسائل میں اجتہاد کر سکتے ہیں اور اُصول یا فروع میں صاحب مذہب سے اختلاف نہیں کر سکتے — مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنویؒ اس پر نقد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

...... **فالحق أنه من المجتهدين المنتسبين إلى إمام معين عن المجتهدين لكن لا يقلدونه، لا في الفروع ولا في الاصول، لكونهم متصفين بالإجتهاد.** (التعليقات السنية على الفوائد البهية ١٣)

چنانچہ امام طحاوی نے ۶۴۳ / مسائل میں امام ابوحنیفہؒ سے اختلاف کیا ہے، اس کے علاوہ متعدد مسائل میں امام ابوحنیفہ وصاحبین اور تمام ائمہ حنفیہ سے ان کی رائے مختلف ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: ڈاکٹر عبداللہ نذیر احمد کی ''ابو جعفر الطحاوی ، الامام المحدث الفقیہ'')۔

○ امام احمد بن میسر قرطبی (م: ۳۲۸ھ) — یہ مالکی شمار کئے جاتے ہیں، لیکن خود ابن

فرحون نے ان کے بارے میں نقل کیا ہے:

كـان إذا اُستـفتـی، ربما يقول: أما مذهب بلدنا فكذا، وأما الذی أراه فكذا۔ (الديباج المذهب ۴۳)

○ امام عبدالعزیز دارکی (م:۳۷۵ھ) ـــ یہ شافعی فقیہ ہیں، لیکن ان کے بہت سے فتاویٰ فقہ شافعی اور فقہ حنفی دونوں سے مختلف ہوا کرتے تھے، خطیب بغدادی نے احمد بن عثمان ہمدانی سے نقل کیا ہے:

كان عبد العزيز الداركی: إذا جاء ته مسألة يستفتی فيها تفكر طويلا ثم أفتی فيها، وربما كانت فتواه خلاف مذهب الشافعی وأبی حنيفة ، فيقال له فی ذلک، يقول: ويحكم، حدث فلان عن فلان عن رسول الله صلی الله عليه وسلم بكذا وكذا، والأخذ بالحديث عن رسول الله صلی الله عليه وسلم أولی من الأخذ بقول الشافعی وأبی حنيفة رضی الله عنهما، إذا خالفاه۔

(تاريخ بغداد ۱۰/۴۶۴، نیز دیکھئے: ، سير أعلام النبلاء ۱۶/۴۰۵)

○ فقہاءِ حنفیہ میں امام کرخی (م:۳۴۰ھ) ـــ شمس الائمہ حلوانی (م:۴۴۸ھ)، فخر الاسلام بزدوی (م:۴۸۲ھ)، فخر الدین قاضی خان (م:۵۹۲ھ)، ابن کمال پاشا نے ان سبھوں کو ''مجتہدین فی المسائل'' میں شمار کیا ہے، جو ان کے بقول اُصول وفروع میں صاحب مذہب سے کوئی اختلاف نہیں کرسکتا، لیکن یہ بات کسی بھی صاحب نظر کے لئے محتاج بیان نہیں کہ ان حضرات کو مکمل طور پر مقلد محض قرار دینا واقعہ کے مطابق نہیں ہے، اسی لئے علامہ شہاب الدین مرجانی (م:۱۳۰۶ھ) نے اپنی کتاب ''**ناظورة الحق فی فرضية العشاء وان لم يغب الشفق**'' میں ابن کمال پاشا پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

إن مـا خـالف هؤلاء الأجلة الإمام أباحنيفة من المسائل لايعد

ولا يحصى، ولهم إختيارات فى الأصول والفروع تخالف أصول صاحب المذهب، وأقوال مستنبطة بالقياس والمسموع واحتجاجات بالمنقول والمعقول، على مالا يخفىٰ على من تتبع كتب الفقه والخلافيات والأصول۔

(حسن التقاضی ۱۰۹، التعلیقات السنیه ۱۰۸)

○ امام ابوبکر قفال (م: ۴۱۷ھ) —— یہ مشہور شافعی عالم ہیں؛ لیکن یہ بہت سے مسائل میں احناف کی رائے پر فتویٰ دیا کرتے تھے، اور برملا امام شافعی سے اختلاف کرتے تھے، علامہ زرکشی نے ان کے بارے میں نقل کیا ہے:

قد نقل عنه فى فتاويه أنه قال: لو قال بعتک صاعاً من هذه الصبرة، نص الشافعى أنه: يجوز، وعندى أنه لا يجوز۔ (البحر المحيط ۶/۲۰۹)

○ امام ابوعبداللہ جوینی (م: ۴۳۸ھ) —— یہ امام الحرمین کے والد اور فقہاء شوافع میں بہت اونچے پایہ کے حامل فقیہ ہیں، یہ خود اجتہاد کی طرف مائل تھے، اور اس سلسلہ میں ''المحیط'' کی تالیف بھی شروع کی تھی، لیکن امام بیہقی کی فن حدیث کے پہلو سے بعض تنقیدات کے بعد اس سے رک گئے اور اپنی اس تصنیف کو بھی نامکمل چھوڑ دیا۔ (دیکھئے: الطبقات الشافعية الكبرىٰ ۵/۷۷-۷۶)

○ حافظ ابن عبدالبر اندلسی (م: ۴۶۳ھ) —— علامہ ذہبی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

فإنه ممن بلغ رتبة ائمة المجتهدين۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۸/۱۵۷)

○ علامہ ابوالخطاب کلوذانی حنبلی (م: ۵۱۰ھ) —— یہ حنبلی المسلک ہیں، لیکن بہت سے مسئلوں میں امام احمدؒ سے ان کی رائے مختلف ہے۔(دیکھئے: ابن رجب کی " ذیل علی

طبقات الحنابلة ۱/ ۰۲۱ ")

❍ فقہاءِ حنابلہ میں امام ابوالوفاء علی بن عقیل (م: ۵۱۳ھ) کے یہاں بھی بہت سے اجتہادات ملتے ہیں، جس میں انھوں نے دلیل کی بنیاد پر صاحب مذہب سے اختلاف رائے کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک سود صرف اشیاءِ ستہ میں ناجائز ہے، وقف کا استبدال جائز نہیں، گو وہ معطل ہو جائے، اس طرح کے بعض اور مسائل میں بھی ان کی رائے امام احمد سے مختلف ہے۔ (دیکھئے: ذیل علی طبقات الحنابلة ۱/ ۱۵۷) —— خود امام ابوالوفاء، ''ابویعلی بن فراء، ابوالفضل ہمدانی اور ابونصر صباغ'' کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ان میں اجتہاد مطلق کی شرائط موجود ہیں۔ (طبقات الشافعية الكبرىٰ ۵/ ۳۲۱)

❍ امام الحرمین عبدالملک بن عبداللہ جوینی (م: ۴۷۸ھ) —— امام الحرمین کے علمی مقام سے کون صاحب علم نابلد ہوگا؟ علامہ سبکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

لا يتقيد بالأشعرى ولا بالشافعي وإنما يتكلم على حسب تأدية نظره وإجتهاده۔ (طبقات الشافعية الكبرىٰ ۵/ ۱۹۲)

علامہ قزوینی نے امام الحرمین کو مجتہد ابن المجتہد قرار دیا ہے۔ (دیکھئے: علامہ سیوطی کی: الرد علی من أخلد إلى الأرض ۱۹۱)

❍ امام ذہبی نے ابوبکر بن عربی (م: ۵۴۳ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

كان أبوبكر أحد من بلغ رتبة الإجتهاد۔ (سير أعلام النبلاء ۰۲/ ۲۰۱)

❍ علامہ ابن رشد قرطبی (م: ۵۹۵ھ) نے تو اپنی مشہور زمانہ کتاب ''بداية المجتهد'' کی تالیف کا مقصد ہی یہ بتایا ہے کہ اس کے ذریعہ طریقۂ اجتہاد سے اہل علم آشنا ہو سکیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

إن هذا الكتاب إنما وضعناه ليبلغ به المجتهد فى هذه الصناعة

رتبة الإجتهاد ، إذا حصل مايجب أن يحصل قبله من القدر الكافی له فی علم النحو واللغة وصناعة اُصول الفقه۔ (بداية المجتهد ٢/٢٦١-٣٦١)

○ علامہ ابن قدامہ موفق الدین مقدسی (م: ٠٢٦ھ) — یہ فقہ حنبلی کے بلند پایہ ترجمان اور ''المغنی'' جیسی عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا کے مؤلف ہیں، ان کے بارے میں ان کے ایک معاصر حنبلی فقیہ ابوبکر محمد بن معالی (م:١١٦ھ) کہتے ہیں:

ما أعرف أحدا فی زمانی أدرک الإجتهاد إلا الموفق ۔ (ذيل طبقات الحنابله ٢/٣١ ٥)

○ سلطان العلماء امام عز الدین بن عبدالسلام (م:٦٦ھ) — حافظ ذہبی کے بہ قول وہ مرتبۂ اجتہاد کو پہنچ چکے تھے،(العبر فی خبر من غبر ٣/٢ ٩ ٩) اور علامہ سبکی نے صراحۃً ان کا اجتہاد مطلق کے درجہ کو پہنچنا نقل کیا ہے اور ان کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

فی اٰخر أمره كان لايتقيد بالمذهب بل اتسع نطاقه وأفتى بما أدى إليه اجتهاد۔ (الرد على من أخلد الأرض ١ ٩ ٣)

○ امام مذکور کے معاصر شافعی فقیہ ابوشامہ شہاب الدین دمشقی (م:٥٦٦ھ) کے لئے حافظ ذہبیؒ نے ''العلامة المجتهد'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں (دیکھئے : تذكرة الحفاظ ٤/١٤٦٠) اور ابن السبکی فرماتے ہیں: ''قد بلغ رتبة الإجتهاد'' (طبقات الشافعية الكبرىٰ ٨/١٦٥)

○ شیخ الاسلام امام ابن دقیق العید (م:٧٠٢ھ)--- یہ بہت ہی بلند پایہ فقہاء شوافع میں ہیں اور فقہ مالکی پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں، وہ ان دونوں ہی دبستان فقہ کی روشنی میں فتاویٰ دیا کرتے تھے،(دیکھئے : ابن فرحون کی الديباج المذهب ٣٢٤) اور طبقات شافعیہ کے مؤلف ان کو مجتہد مطلق قرار دیتے ہیں: إنه شيخ الإسلام المجتهد المطلق ۔ (طبقات الشافعية الكبرىٰ ٩/٢٠٧)

○ شیخ الاسلام علامہ تقی الدین ابن تیمیہؒ (م: ۷۲۸ھ) —— کا ان کے معاصر حافظ ذہبی نے ''الفقیه المجتهد'' کے الفاظ سے تذکرہ کیا ہے، (تذکرة الحفاظ ۱۴۹۶/۴) اور علامہ ابن کثیر نے ''إبن الزملکانی'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

إجتمعت فيه شروط الإجتهاد على وجهها. (البداية والنهاية ۱۴/۱۳۷)

اور یہ بات معلوم ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے کتنے ہی مسائل میں ائمہ اربعہ سے مختلف نقطۂ نظر اختیار کیا ہے۔

○ علامہ شرف الدین ابن قیم جوزیؒ (م: ۷۵۱ھ) —— ابن قیمؒ پوری طرح اپنے استاذ علامہ ابن تیمیہؒ کے نقش قدم پر ہیں، اہل علم اچھی طرح واقف ہیں کہ وہ تقلید جامد کے سخت ناقدین میں سے ہیں، انھوں نے افتاء کے سلسلہ میں بعینہ اسی منہج کی تلقین کی ہے جو مجتہدین کے شایانِ شان ہے۔

○ اسی فہرست میں ایک اہم نام امام عبدالوہاب تاج الدین سبکی (م: ۷۷۱ھ) کا آتا ہے، ان کا بیان ہے کہ کوئی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں رہا، چنانچہ ''خلو الزمان عن المجتهد'' کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المختار أنه لم يثبت وقوعه. (جمع الجوامع ۳۹۸/۲)

—— اور اس پر علامہ سیوطیؒ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هذا تصريح منه بأن الزمان إلى حين عصره ما خلا عن مجتهد. (الرد الى من اخلد الى الارض ۱۹۸)

بلکہ علامہ سبکی کو خود اپنے لئے منصب اجتہاد کا دعویٰ کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہے:

وأنا الآن مجتهد الدنيا على الإطلاق، كلمة أقولها غير مدافع. (دیکھئے: مقدمہ موسوعة الفقه الاسلامی ۳۷/۱)

○ آٹھویں صدی کے علماء میں ایک اہم شخصیت محمد بن جماعہ (م: ۷۱۹ھ) کی ہے،

علامہ سیوطی ان کا قول نقل کرتے ہیں:

إحالة أهل زماننا وجود المجتهد يصدر عن جبن ما ، والافكثيراً مـايكـون القائلون لذلک من المجتهدين وما المانع من فضل الله واختـصـاص بـعـض الفيض والوهب والعطاء ببعض أهل الصفوة ۔ (الرد الی من أخلد إلی الأرض ۱۸۴)

○ نویں ہجری کے علماء میں ایک ممتاز حنفی عالم علامہ محمد حمزہ فناری (م:۸۳۴ھ) ہیں، مولانا عبدالحی صاحب نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

مجتهد عصره فی الخلاف والمذهب ۔ (الفوائد البهيه ۱۶۶)

○ اسی عہد کے لوگوں میں مشہور محدث وفقیہ علامہ کمال الدین ابن ہمام (م:۸۶۱ھ) ہیں، جن کے بارے میں مولانا عبدالحی صاحب کا بیان ہے کہ لوگوں نے ان کو اہل اجتہاد میں سے شمار کیا ہے۔ (دیکھئے: الفوائد البهيه اور التعليقات السنيه ۱۸۰)

○ اسی دور کے ایک ممتاز عالم حافظ جلال الدین سیوطی (م:۹۱۱ھ) ہیں، یہ دروازہ اجتہاد کے بند ہونے کے بڑے ناقدین میں شمار کئے جاتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی کتاب ''**الرد علی من اخلد الی الارض**'' بڑی اہم ہے، چنانچہ علامہ سیوطی خود اپنے حق میں بھی مجتہد ہونے کے مدعی تھے، اور اس سلسلہ میں اپنے معاصر علماء سے ان کی بڑی چشمکیں بھی رہی ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے: مقدمہ الرد علی من أخلد إلی الأرض ۱۳-۱۴، الضوء اللامع للسخاوی ۴/۶۷)

○ علامہ شوکانی نے معروف حنفی عالم ملا علی قاری (م:۱۰۱۴ھ) کو بھی مجتہدین اور مجددین میں شمار کیا ہے۔ (دیکھئے: البدرالطالع ۱/۴۴۵-۴۴۶)

○ اسی فہرست میں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م:۱۱۷۶ھ) کا بھی نام آتا ہے، جنھوں نے بہت سے مسائل میں احناف اور شوافع سے اختلاف رائے کیا ہے، بقول نواب

صدیق حسن خاں: ’’اگر یہ ائمہ مجتہدین کے دور میں پیدا ہوئے ہوتے تو مجتہد مطلق شمار کئے جاتے ‘‘عقد الجید، حجۃ اللہ البالغہ، مسوی اور مصفی وغیرہ سے شاہ صاحب کا طریقۂ استنباط ظاہر ہے۔

○ بارہویں صدی ہجری میں ہمیں علامہ محمد بن اسماعیل صنعانی (م:۱۱۸۲ھ) کی شخصیت ملتی ہے، جن کا تعارف علامہ شوکانی ’’المجتهد المطلق ‘‘ کے لفظ سے کرتے ہیں، (دیکھئے: البدر الطالع للشوکانی ۲/ ۱۳۳) ، خود علامہ شوکانی دروازۂ اجتہاد کے بند ہونے کے تصور کو ایک عجوبہ قرار دیتے ہیں، فرماتے ہیں:

العجب كل العجب ممن يقول بتعذر الإجتهاد فى هذه الأعصار ، وإنه محال ، ماهذا إلامنع لما بسطهٔ الله من فضله لفحول الرجال ......۔ (ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتهاد ۱۰۴)

○ تیرہویں صدی میں ہمیں علامہ شوکانیؒ کا نام ملتا ہے، جو پہلے فقہ زیدی کے متبع تھے اور بعد کو اجتہاد کے مدعی ہوئے، شوکانی کی تحریروں سے واضح ہے کہ انھوں نے کسی خاص دبستان کا اپنے آپ کو پابند نہیں رکھا؛ بلکہ وہ تو مقلد کے لئے فتویٰ دینے کو حرام قرار دیتے ہیں، چنانچہ رقمطراز ہیں:

عندى أن المفتى المقلد لا يحل له أن يفتى من يسأله عن حكم الله أو حكم رسوله أو عن الحق أو عن الثابت فى الشريعة أو عما يحل له أو يحرم عليه لأن المقلد لا يدرى بواحد من هذه الأمور على التحقيق، بل لا يعرفها إلا المجتهد۔

(القول المفید ۱۰۸)

○ تیرہویں صدی ہی میں علامہ شہاب الدین آلوسی (م:۱۲۷۰ھ) کی شخصیت علم و تحقیق کے اُفق پر نمودار ہوئی، اور انھوں نے اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی لکھ کر تفسیر قرآن کے کتب خانہ میں ایسا گرانقدر اضافہ کیا جس کی مثال کم ملتی ہے، یہ شافعی المذہب تھے، لیکن بہت

سارے مسائل میں فقہ حنفی کے مطابق فتوی دیا کرتے تھے، خود ان کی تفسیر اس پر شاہد ہے۔

اس اخیر دور میں علامہ جمال الدین افغانی (م: ۱۳۱۵ھ)، مفتی محمد عبدہ (م: ۱۳۲۳ھ)، شیخ محمد رشید رضا مصری (م: ۱۳۵۴ھ)، فقیہ شام شیخ محمد جمال الدین قاسمی (م: ۱۳۳۲ھ) وغیرہ ان زعماء میں ہیں جنھوں نے خاص طور سے اجتہاد پر زور دیا۔

کیا کوئی عہد مجتہد سے خالی ہو سکتا ہے؟

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ ائمہ مجتہدین کے بعد مختلف صلاحیتوں اور درجات کے حامل مجتہدین ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں، اس سلسلہ میں علماء اُصول کی اس مشہور بحث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو کسی عہد کے مجتہدین سے خالی رہنے اور نہ رہنے سے متعلق ہے، اس پر تو سب متفق ہیں کہ قیامت کی واضح علامتوں کے ظہور کے وقت دنیا مجتہد سے خالی رہے گی (دیکھئے: التقریر والتحبیر ۳/۳۳۹، مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت ۲/۳۹۹) لیکن کیا اس سے پہلے بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی زمانہ مکمل طور پر مجتہدین سے خالی ہو؟--- اس سلسلہ میں دو نقاط نظر ہیں، ایک یہ کہ ایسا ممکن ہے، علامہ آمدی نے اسی کو قول مختار قرار دیا ہے (الإحکام فی أُصول الأحکام ۴/۳۱۳)، امام رازی نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے (دیکھئے: زرکشی کی البحر المحیط ۶/۲۱۷)، یہی رائے علامہ ابن ہمام اور علامہ محبّ اللہ بہاری کی ہے۔ (دیکھئے: التحریر، مسلم الثبوت ۲/۳۹۹)

دوسری رائے یہ ہے کہ کوئی عہد مجتہد سے خالی نہیں ہو سکتا، عام طور پر فقہاء حنابلہ کا رجحان اسی طرف ہے، ابن مفلح حنبلی، قاضی عبد الوہاب مالکی، فقہاء شوافع میں ابو عبد اللہ زبیدی اور علامہ ابو اسحاق اسفرائنی وغیرہ کا یہی نقطۂ نظر ہے (اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے دیکھئے: البحر المحیط ۶/۸-۲۱۹، اور علامہ سیوطی کا رسالہ: الرد علی من أخلد إلی الأرض و جھل أن الإجتھاد فی کل عصر فرض)، علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:

أن لا یخلو العصر عن مجتھد إلا إذا تداعی الزمان وقربت

الساعة فالأرض لاتخلو من قائم لله بالحجة لأن الخلو من مجتهد يلزم منه إجماع الأمة على الخطأ هو ترک الاجتهاد الذی هو فرض کفایة۔ (البحر المحیط ۶/۲۰۸، ارشاد الفحول ۲۵۳)

پھر جو لوگ اس بات کو ممکن سمجھتے ہیں کہ کوئی زمانہ مجتہد سے خالی ہے، ان میں بعض حضرات کا تو خیال ہے کہ عملاً اس کا وقوع بھی ہوا ہے؟ امام غزالی اور امام رازی فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ مجتہد مستقل سے خالی ہو چکا ہے:

قد خلا العصر عن المجتهد المستقل۔

—اور علامہ زرکشی نے امام رافعی سے نقل کیا ہے:

الخلق کالمتفقین علی أن لا مجتهد الیوم۔ (دیکھئے: البحر المحیط ۶/۲۰۷، نیز ارشاد الفحول ۲۵۳)

—اسی طرح نجم الدین ابن حمدان حنبلی (م: ۶۹۵ھ) فرماتے ہیں:

إن المجتهد المطلق قد عدم منذ زمن طویل الخ۔ (صفة الفتویٰ والمفتی والمستفتی ۱۷)

اور امام نوویؒ کا بیان ہے:

ومن دهر طویل عدم الفتی المستقل وصارت الفتویٰ الی المنتسبین إلی ائمة المذاهب المبتوعة ۔ (آداب الفتویٰ والمفتی والمستفتی ۲۵)

علامہ سیوطی جو خود اجتہاد کے مدعی ہیں، انہیں بھی اعتراف ہے کہ:

إن المفتی المجتهد المستقل الذی استقل بقواعد لنفسه یبنی علیها الفقه، خارجاً عن قواعد المذاهب المقررة، قد فقد من دهر، بل لو أراده الانسان الیوم لامتنع علیه، ولم یجز له،

نص علیه غیر واحد۔ (الرد علی من اخلد الی الارض ۳۱-۲۱۱)

اس کے مقابل دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی زمانہ کا مجتہد سے خالی ہونا ممکن تو ہے، لیکن ایسا ہوا نہیں ہے، یہی رائے ابن السبکی کی ہے (دیکھئے: جمع الجوامع ۲/۸۹۳) کیوں کہ اجتہاد ہر عہد میں فرض کفایہ ہے، اگر کسی زمانہ میں کوئی مجتہد نہ ہو تو فرض کفایہ سے محرومی کی نوبت آئے گی، ان حضرات نے بعض احادیث اور آثار صحابہ سے بھی استدلال کیا ہے، لیکن درحقیقت ان دونوں آراء میں کوئی تضاد نہیں، جو لوگ بعض ادوار کے مجتہد سے خالی ہونے کے قائل ہیں، ان کا منشأ ''مجتہد مطلق مستقل'' ہے اور جن حضرات نے اس سے انکار کیا ہے، ان کے پیش نظر مجتہد منتسب ہے، چنانچہ علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

والحق أن العصر خلا عن المجتهد المطلق المستقل لا عن مجتهد فی مذهب أحد لائمة الأربعة۔ (البحر المحیط ۶/۲۰۹)

—اور ابن امیر الحاج کے نزدیک یہ بات متفق علیہ ہے، **ما أظن أن احداً یخالف فی هذا۔** (البحر المحیط ۶/۲۰۹)

ان سطور سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

- اجتہاد کے بارے میں جمہور اُمت کا نقطۂ نظر یہی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے، بلکہ اجتہاد ہر عہد میں ممکن ہے، خود فقہاء حنفیہ نے قاضی کے لئے اس بات کو مستحب قرار دیا ہے کہ وہ مجتہد ہو، اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہوتا تو کیسے قضا کے لئے استحسان کے درجہ میں اجتہاد کے وصف کا ذکر کیا جاتا؟

- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عہد تقلید میں بھی بہت سے ایسے اہل علم پیدا ہوئے ہیں جن کو اہل علم نے مجتہد مطلق کے درجہ پر مانا ہے اور بعض لوگ وہ ہیں جنھوں نے خود اپنے تئیں مجتہد ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اور وہ لوگ جو کسی خاص دبستانِ فقہ میں رہتے ہوئے اجتہاد و استنباط سے کام لیتے ہیں، کی تو اچھی خاصی تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے، اس لئے یہ کہنا کہ کسی خاص عہد

کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا، درست نہیں۔

تقلید واجتہاد — دونوں ضروری

البتہ یہ ضرور ہے کہ چوتھی پانچویں صدی ہجری کے بعد اُمت کے سوادِ اعظم نے ائمہ اربعہ کی تقلید کی راہ اختیار کی اور دین کو نفس پرستی سے بچانے کے لئے اسی کو مؤثر ذریعہ قرار دیا، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جن کی وسیع الفکری اور فراخ مشربی معروف ہے، رقمطراز ہیں:

منها ان هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد اجتمعت الأمة أو من يعتد منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفى ذلک من المصالح مالا يخفى، بما فى هذه الأيام التى قصرت فيها الهمم جدا أو أشربت النفوس الهوىٰ وأعجب كل ذى رأى برأيه. (حجة الله البالغة مترجم ۱/۶۷۳)

ان باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ مذاہب اربعہ — جو لکھی ہوئی مدون صورت میں موجود ہیں، — پوری اُمت یا کم از کم اُمت کے قابل لحاظ طبقہ نے آج تک ان کی تقلید جائز ہونے پر اتفاق کیا ہے، ان میں جو مصلحتیں ہیں بالخصوص موجودہ حالات میں جب کہ ہمتیں کوتاہ ہیں، ہویٰ پرستی کا دور ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر نازاں ہے، وہ مخفی نہیں۔

اس لئے یہ تو صحیح ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا، لیکن موجودہ دور میں ہوی وہوس کے غلبہ اور عالم اسلام میں سیاسی دباؤ اور مذہبی طبقہ پر اصحاب اقتدار کی گرفت کے پس منظر میں عمومی طور پر بہتر صورت تقلید ہی کی ہے، اسی لئے علامہ اقبال جیسے روشن خیال اور دیدہ ور صاحب نظر کو کہنا پڑا ؎

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط   قوم را برہم ہمی پیچد بساط
زاجتہاد عالمانِ کم نظر   اقتداء بر رفتگاں محفوظ تر

— کہیں تقلید کو اُمت کی جمعیت کے قائم رہنے کا رمز قرار دیتے ہیں۔

مضمحل گردد چوں تقویم حیات ملت از تقلید می گیرد ثبات

راہِ آباء رو کہ ایں جمعیت است معنی تقلید ضبط ملت است

اس لئے تقلید بھی ایک ضرورت ہے اور ہر عہد میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے اجتہاد بھی ضروری ہے!

اجتہاد کی قسمیں

اس پس منظر میں اجتہاد کی مختلف اقسام پر ہماری نظر ہونی چاہئے، مختلف دبستانِ فقہ میں مجتہدین کی ان کی اہلیت اور کام کے اعتبار سے مختلف قسمیں کی گئی ہیں، اور ایک حد تک اس تقسیم میں توافق اور ہم آہنگی بھی ہے، فقہ مالکی میں علامہ صاوی نے تین قسمیں کی ہیں:

اعلم ان المجتهد ثلاثة اقسام: مجتهد مطلق ومجتهد مذهب، ومجتهد فتوىٰ۔ (حاشیہ صاوی علی الشرح الصغیر للدردیر ۱/۸۸۱)

پھر مجتہد مطلق میں صحابہ اور ائمہ اربعہ کو شامل کیا ہے، مجتہد مذہب میں ابن قاسم اور اشہب کو اور مجتہد فتویٰ میں اس مذہب فقہی سے متعلق بلند پایہ مصنفین کو — وہ مجتہد مذہب اور مجتہد فتویٰ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

مجتهد المذهب: هو الذى يقدر على إقامة الأدلة فى مذهب إمامه ...... ومجتهد الفتوىٰ: هو الذى يقدر على الترجيح۔

(حاشية الصاوى على الشرح الصغير للدردير ۱/۸۸۱)

مجتہد مذہب وہ ہے جو اپنے امام کے مسلک پر دلیل قائم کرسکتا ہو اور مجتہد فتویٰ وہ ہے جو ترجیح پر قادر ہو۔

علامہ شاطبی نے ایسے مجتہدین کا بھی ذکر کیا ہے جو فروع میں اجتہاد کرتے ہوں اور

اُصول میں مقلد ہوں،وصاروا فی عداد أهل الإجتهاد مع انه عند الناس مقلدون فی الأصول لائمتهم،(الموافقات ۴۸۴/۴) اس کے علاوہ علامہ قرانی نے حفاظ مذہب کی حیثیت سے ان مقلدین کا ذکر کیا ہے، جو اس دبستانِ فقہ کے اجتہادات پر نظر رکھتے ہوں۔

(دیکھئے : الفروق ۱۰۷/۲ ، الاحکام فی تمیز الفتاویٰ عن الاحکام ۲۴۲)

فقہاء شوافع کے یہاں بھی مجتہد کی بنیادی طور پر دو قسمیں ملتی ہیں، مستقل اور منتسب، حافظ ابن صلاح کے بقول مجتہد مستقل سے مراد وہ ہیں جو کسی کی تقلید کے بغیر براہ راست ادلۂ شرعیہ سے احکام شرعیہ کا استخراج کرتے ہوں،الذی یستقل بإدراک الأحکام الشرعية من الأدلة الشرعية من غير تقليد وتقيد مذهب أحد۔(أدب المفتی والمستفتی ۶۲)

مجتہد منتسب کی پھر حافظ ابن صلاح نے چار قسمیں کی ہیں:

اول: وہ جو نہ احکام میں مقلد ہو اور نہ دلائل میں،لیکن طریقۂ اجتہاد میں ہم آہنگی کی وجہ سے کسی امام کی طرف منسوب ہوتا ہو،---اجماع کے منعقد ہونے اور نہ ہونے میں بھی اس کے اتفاق واختلاف کا اعتبار ہوگا۔ (أدب المفتی والمستفتی ۲۳ ، نیز دیکھئے : شرح مهذب ۴۳/۱)

دوسرا درجہ: ان مجتہدین منتسبین کا ہے جو نئے واقعات میں (جن کی بابت خود صاحب مذہب کی رائے منقول نہیں) اجتہاد واستنباط سے کام لیتے ہیں (أدب المفتی والمستفتی ۲۳) یعنی اصحابِ تخریج یا اصحابِ وجوہ۔

تیسرا درجہ: اصحابِ ترجیح کا ہے (دیکھئے : شرح مهذب ۴۴/۱) —— ان کے بعد حافظین مذہب ہیں جن کا حافظ ابن صلاح اور امام نووی وغیرہ نے ذکر کیا ہے (دیکھئے : ادب المفتی والمستفتی ۶۳ ، المجموع ۴۴/۱) گویا مجتہد مطلق مستقل کے بعد بھی مجتہدین کے تین اور مراتب ہیں، مجتہدین منتسبین ،اصحابِ تخریج اور اصحابِ ترجیح۔

فقہاء حنابلہ میں بھی مجتہد کی مختلف قسمیں کی گئی ہیں، چنانچہ علاء الدین مرداوی (م: ۵۸۸ھ) نے اپنی کتاب ''الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف'' کے آخر میں

قاضی ابن حمدان کے حوالہ سے مجتہد کی چار قسمیں لکھیں ہیں: مجتہد مطلق، دوسرے: اپنے امام یا دوسرے امام کے مذہب میں مجتہد، تیسرے: کسی خاص باب فقہی میں مجتہد، مجتهد فی نوع العلم، چوتھے: ایک یا چند مسائل میں مجتہد، —— پھر ابن حمدان نے مجتہد فی المذہب کے چار احوال بتائے ہیں۔ اول: یہ کہ طریقۂ استنباط میں مقلد ہو، اور دلیل اور حکم میں مقلد نہ ہو، دوسرے: اصحابِ تخریج، تیسرے: اصحاب ترجیح، چوتھے: حفاظ مذہب (دیکھئے: الإنصاف ۳/۸۸-۵۸۳) ان میں حفاظ مذہب پر مجتہد کا اطلاق محل نظر ہے، اس لحاظ سے ابن حمدان کی تقسیم کے مطابق مجتہد مطلق کے علاوہ مجتہد کی تین قسمیں قرار پاتی ہیں: (۱) مجتہد منتسب، (۲) صاحب تخریج، (۳) صاحبِ ترجیح۔ البتہ حنابلہ میں علامہ ابن قیمؒ نے اصحابِ تخریج اور اصحاب ترجیح کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے۔ (دیکھئے: أعلام الموقعین ۴/۳۲۱)

رہ گیا ایک باب یا ایک یا چند مسائل میں مجتہد ہونا تو اس کا تعلق اصل میں تجزی اجتہاد کے مسئلہ سے ہے، جن حضرات کے نزدیک اجتہاد میں تجزی ہوسکتی ہے، ان سبھی حضرات کے نزدیک اجتہاد کی یہ قسم پائی جائے گی۔

حنفیہ کے یہاں مجتہدین کے طبقات

فقہاء حنفیہ کے یہاں غالباً سب سے پہلے علامہ ابن الہمام اور ان کے شاگرد ابن امیر الحاج کے یہاں مجتہد مطلق کے علاوہ مجتہد فی المذہب کا ذکر ملتا ہے (دیکھئے: التقریر والتحبیر ۳/۳۴۱) تاہم طبقات فقہاء کی مفصل درج بندی شمس الدین رومی معروف بابن کمال پاشا (م: ۹۴۰ھ) کے یہاں ملتی ہے، جس کو علامہ شامی نے رسم المفتی میں نقل کیا ہے، یہی درجہ بندی ابن کمال کے ایک اور معاصر مصنف محمود ابن سلیمان کفوی نے اپنی کتاب ''کتائب أعلام الاخیار فی مذہب النعمان المختار'' میں بھی ذکر کیا ہے، لیکن ڈاکٹر عجیل جاسم نشمی نے ایک مخطوطہ ''طبقات ذیلہ لی'' کے حوالہ سے حافظ قاسم بن قطلو بغا (م: ۹۷۸ھ) سے نقل کیا ہے، اور ابن قطلو بغا نے اسے

شہاب الدین مقریزی شافعی (م:۸۴۵ھ) سے نقل کیا ہے (دیکھئے : مقدمه الفصول فی الاصول للجصاص ۲۰) اس طرح غالباً حنفیہ کے یہاں یہ تقسیم شوافع ہی کے یہاں سے ماخوذ ہے۔

بہرحال ابن کمال پاشا نے مجتہدین کی پانچ یا چھ قسمیں کی ہیں :

۱- مجتہدین فی الشرع — یعنی وہ فقہاء جو نہ اُصول میں کسی کے مقلد ہیں اور نہ فروع کے استنباط میں۔

۲- مجتہدین فی المذہب — وہ مجتہدین جو اُصول میں مقلد ہوں، لیکن صاحب مذہب کے مقرر کئے ہوئے اُصولوں کی روشنی میں احکام کے استنباط کی صلاحیت رکھتے ہوں اور فروع میں مقلد نہ ہوں۔

۳- مجتہد فی المسائل — جن مسائل میں صاحب مذہب کی کوئی رائے منقول نہیں ہو، ان میں احکام کا استنباط کرتے ہیں۔

ان تینوں کو ابن کمال پاشا نے مجتہدین میں شمار کیا ہے۔

۴- اصحابِ تخریج — یہ اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن اگر امام کا کوئی قول مجمل اور دو صورتوں کا محتمل ہو تو اُصول وضوابط سے واقفیت اور آگہی کی بناء پر وہ اس کی مراد و مقصود کی تعیین کر سکتے ہیں۔

۵- اصحابِ ترجیح — اگر کسی مسئلہ میں اس مذہب فقہی کی ایک سے زیادہ رائے منقول ہو، تو یہ ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

۶- اصحابِ تمیز — یعنی مقلدین میں وہ اہل علم جو قوی اور ضعیف اور ظاہر و نادر اقوال میں فرق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور اصحابِ ترجیح کی ترجیحات سے واقف ہوں ۔ (دیکھئے : شرح عقود رسم المفتی ۲۳-۲۹ ، ردالمحتار ۱/۱۸)

۷- عام مقلدین — یعنی جو مذکورہ اُمور میں سے کسی پر بھی قادر نہ ہوں۔

گویا ابن کمال پاشا کی تفصیل کے مطابق تین طبقے مجتہدین کے ہوئے اور چار مقلدین

کے، دوسرے انھوں نے ''مجتہدین فی المسائل'' اور اصحاب تخریج میں فرق کیا ہے، ان کے نزدیک اصحابِ تخریج کا کام صرف اجمال وابہام کی تعیین وتوضیح ہے، جب کہ دوسرے فقہاء کے ہاں ''مجتہدین فی المسائل'' کو اصحاب تخریج کا نام دیا گیا ہے، یعنی ان کا کام ان مسائل میں اجتہاد واستنباط کرنا ہے، جن میں صاحبِ مذہب سے کوئی رائے منقول نہیں ہو، حقیقت یہ ہے کہ تخریج وترجیح بھی ایک حد تک اجتہاد واستنباط ہی کا کام ہے، جن مسائل میں صاحبِ مذہب سے رائے منقول نہ ہو ان میں اجتہاد کرنا ادلۂ شرعیہ سے استفادہ کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے، اسی طرح مذہب کے مختلف اقوال میں، ترجیح کے لئے صاحبِ مذہب کے اُصول وقواعد میں پوری بصیرت کی بھی ضرورت ہے، اور ادلۂ شرعیہ سے باخبری کی بھی؛ کیوں کہ بعض دفعہ مختلف اقوال میں دلیل کی بنیاد پر بھی ترجیح دی جاتی ہے۔

مجتہدین کی جملہ اقسام

اس طرح فی الجملہ مجتہدین کی حسب ذیل قسمیں ہوئیں:

۱- مجتہد مطلق — جو اُصول اور فروع دونوں میں مجتہد ہو۔

۲- مجتہد منتسب — جو ہو تو خود مجتہد، لیکن کسی اور مجتہد مطلق کے نہج کا پابند ہو، جیسے امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ وغیرہ۔

۳- وہ مجتہد جو اُصول میں مقلد ہو اور فروع میں اجتہاد سے کام لیتا ہو۔

۴- مجتہد فی المسائل — یعنی جن مسائل میں صاحبِ مذہب امام سے کوئی رائے منقول نہ ہو، ان میں ان ہی کے مقرر کئے ہوئے اُصول کی روشنی میں نصوص سے اجتہاد واستنباط کرتا ہو۔

۵- اصحابِ تخریج -- جن مسائل میں صاحب مذہب کا قول مجمل ومبہم ہو اور اس میں ایک سے زیادہ معنی مراد لینے کی گنجائش ہو، ان میں کسی ایک قول کی تعیین اور اجمال وابہام کی تفصیل اصحابِ تخریج کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اس کے لئے بھی گہرے علم اور بصیرت کی ضرورت ہے،

کیوں کہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں امام کا کوئی صریح قول منقول ہوتا ہے اور اصحابِ تخریج امام کے دوسرے قول کو نظیر بناتے ہوئے اس میں دوسرا قول بھی ذکر کرتے ہیں اور بعض اوقات متبعین مذہب اسی کو ترجیح دیتے ہیں، جیسے امام احمد سے منقول ہے کہ جس شخص کے پاس پاک کپڑے نہ ہو، وہ فی الحال ناپاک کپڑوں میں ہی نماز ادا کرلے، اور بعد میں اس کا اعادہ کرلے، امام احمدؒ سے ایک دوسرا مسئلہ اس طرح منقول ہے کہ اگر نماز پڑھنے کے لئے پاک جگہ میسر نہ ہوتو ناپاک جگہ میں ہی نماز ادا کرلے، اور اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اس دوسرے قول کو بنیاد بنا کر اصحابِ تخریج نے ناپاک کپڑوں میں نماز کے سلسلہ میں بھی امام احمدؒ کا ایک قول مستنبط کیا ہے کہ ان ہی کپڑوں میں نماز ادا کرلے، اور نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں، یہ دوسرا قول تخریج کہلائے گا (دیکھئے: شرح مختصر الروضہ ۱۴۶/۳) اس لئے تخریج کے کام کو کم اہم نہ سمجھنا چاہئے۔

علامہ قرافی اصحابِ تخریج کی ذمہ داریوں کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

فلا يجوز التخريج حينئذٍ إلا لمن هو عالم بتفاصيل أحوال الأقيسة والعلل ورتب المصالح وشروط القواعدو ما يصلح ان يكون معارضا ومالا يصلح، وهذا لايعرفه إلا من يعرف أُصول الفقه معرفة حسنة ، فإذا كان موصوفا بهذه الصفة وحصل له ، هذا المقام تعين عليه مقام آخر ، وهو النظر وبذل الجهد فى تصفح تلك القواعد الشرعية ...... فإذا بذل جهده فيما يعرفه ووجد مايجوز أن يعتبره إمامه فارقاً أو مانعاً أو شرطاً وهو ليس فى الحادثة التى يروم تخريجها حرم عليه التخريج ، واذ لم يجد شيئاً بعد الجهد و تمام المعرفة جاز له التخريج حينئذٍ۔ (كتاب الفروق للقرافى ۲/۱۰۸)

۶- اصحابِ ترجیح -- یہ وہ اہل علم ہیں جو ایک ہی مذہب کی متضاد اور متعارض آراء کے

درمیان ترجیح سے کام لیتے ہیں، ان کے لئے بھی اس مذہبِ فقہی کے اُصول پر اپنے عہد کے حالات اور اس کے تقاضوں پر اور فی الجملہ ادلۂ شرعیہ اور اس کے اُصولوں پر نظر کا حامل ہونا ضروری ہے، کیوں کہ بعض اقوال کو عرف وضرورت کی مطابقت اور استحسان یا قیاس سے زیادہ موافقت وغیرہ کی وجہ سے بھی ترجیح دی جاتی ہے، اور اس کے لئے ادلۂ شرعیہ پر نظر اور زمانہ آگہی ضروری ہے۔

مجتہدین کی ان اقسام پر غور کیجئے تو موجودہ دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے اجتہاد فی المسائل (جن کو بعض اہل علم نے تخریج سے تعبیر کیا ہے) اور ترجیح کی ضرورت پڑے گی جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کیا اجتہادِ مطلق کی ضرورت ہے؟

اجتہادِ مطلق کی اس دور میں چنداں ضرورت نہیں کیوں کہ اس میں فائدہ سے زیادہ نقصان کا اندیشہ اور خدا پرستی کے بجائے نفس پرستی پیدا ہو جانے کا امکان ہے اور غور کیا جائے تو اس کی ضرورت بھی نہیں، کیوں کہ مجتہد کو بنیادی طور پر چار کام کرنے ہوتے ہیں:

۱- اگر نص میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہو تو شارع کے مقصد و منشأ کی تعیین۔

۲- اگر نصوص میں بظاہر تعارض محسوس ہو تو تعارض کو دور کرنا، خواہ دونوں میں تطبیق پیدا کی جائے یا ایک کو ناسخ دوسرے کو منسوخ سمجھا جائے یا ایک کو راجح دوسرے کو مرجوح قرار دیا جائے۔

۳- جو نصوص تعبدی اور نا قابل قیاس نہیں ہیں، ان میں حکم کی علت متعین کرنا۔

۴- جو واقعات پیش آئیں، ان میں اس علت کو منطبق کرنا۔

مجتہد مطلق بنیادی طور پر ان میں سے پہلے تین اُمور کو انجام دیتا ہے، اور یہ تین امور وہ ہیں کہ سلفِ صالحین ان سے فارغ ہو چکے ہیں، نصوص کے مفہوم کی تعیین، ان کی تحقیق اور ان سے علت کا استنباط واستخراج کی خدمات اتنے بڑے پیمانے پر انجام پا چکی ہیں کہ اب ان میں اضافہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی ہے، البتہ چوتھا کام یعنی ہر عہد میں پائے جانے والے مسائل پر

نصوص سے ثابت اور مستنبط علت کی تطبیق وہ عمل ہے جو قیامت تک جاری رہے گا، اسی کو فقہاء نے ''تحقیق مناط'' سے تعبیر کیا ہے، دراصل قیاس کا عمل تین مرحلوں سے گذرتا ہے، تخریج مناط، تنقیح مناط اور تحقیق مناط، ان میں تخریج و تنقیح کا تعلق علت کے استخراج و استنباط سے ہے اور تحقیق مناط کا تعلق علت کی تطبیق سے، چنانچہ علامہ آمدی فرماتے ہیں:

اما تحقيق المناط فهو النظر فى معرفة وجود العلة فى اٰحاد الصورة بعد معرفتها فى نصها سواء كانت معروفة بنص أو إجماع أو إستنباط. (الإحكام فى أُصول الأحكام للآمدى ۵۳۳/۳)

پس، ''تحقیق مناط'' قیاس کی ایک ایسی قسم ہے جو قیامت تک باقی رہے گی؛ کیوں کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر ختم نبوت اور شریعت کی ابدیت و دوام کا لازمی تقاضا ہے۔

ضرورةً قول ضعیف پر فتویٰ

نئے مسائل کے سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ عرف کی تبدیلی اور ضرورت کے تقاضے کے تحت بعض اجتہادی احکام میں تبدیلی قبول کی جاتی ہے، اس کی ایک صورت زمانۂ قدیم سے یہ اختیار کی جاتی رہی ہے کہ از راہِ ضرورت مذہب کے کسی قول مرجوح پر فتویٰ دیا جاتا ہے، یا دوسرے فقہاء مجتہدین کی آراء سے استفادہ کیا جاتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

قلت: لكن هذا فى غير موضع الضرورة، فقد ذكر فى حيض البحر فى بحث ألوان الدماء أقوالاً ضعيفة، ثم قال: وفى المعراج عن فخر الأئمة: لو أفتى مفتى بشيئٍ من هذه الأقوال فى مواضع الضرورة طلباً للتيسير كان حسناً، وكذا قول أبى يوسف فى المنى إذا خرج بعد فتور الشهوة لايجب به الغسل ضعيف وأجازوا العمل به للمسافر، والضعيف الذى خاف الريبة

كماسيأتي في محله وذلک من مواضع الضرورة۔ (شامی ۱/۵۱)

......میں کہتا ہوں کہ یہ ان مواقع کے لئے ہے جہاں کہ ضرورت نہیں، بحر کی کتاب الحیض میں ''الوان دم'' کی بحث میں چند ضعیف اقوال نقل کئے گئے ہیں، پھر کہا ہے کہ ''معراج'' میں فخر الائمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر مفتی ضرورت کے موقع پر ان اقوال میں سے کسی پر از راہ سہولت فتویٰ دے تو یہ بہتر ہوگا، منی کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کی رائے کہ فتور شہوت کے بعد منی نکلنے سے غسل واجب نہ ہوگا ضعیف ہے، مگر فقہاء نے مسافر اور ایسے مہمان کے لئے اس کی اجازت دی ہے، جو اتہام کا اندیشہ رکھتا ہو —— اپنی جگہ یہ بحث آئے گی —— اور یہ مواقع ضرورت میں سے ہے۔

اسی طرح ''تضمین ساعی'' کے قائل امام زفر ہیں، اور امام زفر کا قول ائمہ ثلاثہ کے مقابل مقبول نہیں، مگر از راہِ ضرورت فقہاء متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

ضرورۃً ایک فقہ سے دوسری فقہ کی طرف عدول

یہی معاملہ ایک فقہ سے دوسرے فقہ کی طرف کسی خاص مسئلہ میں عدول کا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر دوسرے مجتہدین کی آراء سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

والحاصل أنه إذا اتفق ابو حنيفة وصاحباه على جواب لم يجز العدول عنه إلا لضرورة۔ (رسم المفتی ۷۰، سعیدیہ سہارنپور)

خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب اور صاحبین جس جواب پر متفق ہوں اس سے عدول جائز نہیں، البتہ ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔

''**ممتدة الطهر**'' عورت کی عدت کے سلسلہ میں فقہاء مالکیہ کی رائے ہے کہ نو ماہ کے اختتام پر اس کی عدت تمام ہوجائے گی، بزازیہ میں اسی قول پر فتویٰ دیا گیا ہے، شامی اسی ذیل

میں فرماتے ہیں:

نظیر عدة ممتدة الطهر التی بلغت برویة الدم ثلٰثة أیام ثم امتد طهرها فإنها تبقی فی العدة إلٰی أن تحیض ثلاث حیض وعند مالک تنقضی عدتها بتسعة أشهر وقد قال فی البزازیة : الفتویٰ فی زماننا علی قول مالک وقال الزاهدی کان بعض أصحابنا یفتون به للضرورة ۔ (ردالمحتار ۵۳۳/۳ ، نیز دیکھئے : کتاب مذکور ۲۰۲/۲)

جس عورت کو تین دنوں خون آیا اور وہ بالغ ہوگئی ، پھر اس کا طہر طویل تر ہوگیا، ایسی ممتدۃ الطہر عورت تین حیض تک عدت میں رہے گی، امام مالکؒ کے نزدیک نو ماہ میں اس کی عدت پوری ہوجائے گی اور بزازیہ میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ ہے اور زاہدی کا بیان ہے کہ ہمارے بعض اصحاب اسی پر فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حنفیہ کے یہاں مدیون کی کوئی ایسی چیز حاصل ہوگئی جو دین کی جنس سے ہو تو وہ اپنا دین وصول کرسکتا ہے، اگر خلاف جنس شئی حاصل ہوئی ہو تو اس سے دین وصول نہیں کرسکتا، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک وصول کرسکتا ہے، اس پر حصکفی نے ''المجتبیٰ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اس میں زیادہ وسعت ہے، لہٰذا ازراہ ضرورت اس پر عمل کیا جاسکتا ہے،'' **وهو أوسع فیعمل به عند الضرورة** '' شامیؒ نے اس پر قہستانی سے یہ توجیہ نقل کی ہے :

وإن لم یکن مذهبنا فإن الإنسان یعذر فی العمل به عند الضرورة۔ (ردالمحتار ۲۰۰/۳)

گو ہمارا یہ مذہب نہیں مگر آدمی ضرورت کے مواقع پر اس پر عمل کرنے میں معذور ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ''عمدۃ الاحکام'' کی ''کتاب الکراہیت'' سے نقل کیا ہے:

سور الكلب والخنزير نجس خلافا لمالك وغيره ولو افتى بقول مالك جاز۔ (عقد الجید ۴۷)

کتے اور سور کا جوٹھا ناپاک ہے، بخلاف امام مالک وغیرہ کے، تو اگر امام مالکؒ کے قول پر فتویٰ دے دیا جائے تو جائز ہے۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں اس سلسلہ میں بہت سی نظیریں موجود ہیں، شوہر میں بعض عیوب و امراض پیدا ہو جانے کی صورت میں تفریق کا حق، مفقود الخبر کی زوجہ کے لئے تفریق کا حق، تعلیم قرآن اور اذان و امامت پر اُجرت، کمیشن ایجنٹ (سمسار) کا کاروبار وغیرہ کتنے ہی مسائل ہیں جن میں فقہاء متاخرین نے دوسرے مکاتبِ فقہ کی آراء سے فائدہ اُٹھا کر اُمت کو مشقت سے بچایا ہے اور ''اختلاف أمتي رحمة'' کا عملی ثبوت پیش کیا ہے۔

البتہ اس میں بھی یہ احتیاط مناسب ہے کہ حتی المقدور ائمہ اربعہ کے مسالک کے حدود سے باہر نہ جایا جائے، چنانچہ علامہ ابن ہمام اور ان کے تلمیذ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں:

(وعلى هذا ماذكر بعض المتأخرين) وهو ابن الصلاح (منع تقليد غير) الائمة (الأربعة) أبى حنيفة ومالك والشافعى وأحمد لانضباط مذاهبهم وتقليد مسائلهم وتخصيص عمومها وتحرير شروطها إلى غير ذلك ولم يدر مثله فى غيرهم من المجتهدين الآن لانقراض اتباعهم وحاصل هذا انه امتنع تقليد غير هٰؤلاء الأئمة لتعذر نقل حقيقة مذهبهم وعدم ثبوته حق الثبوت لا لأنه لا يقلد وهو صحيح۔ (التقرير والتحبير ۳/۴۵۳)

اسی بنا پر بعض متاخرین ''ابن صلاح'' نے ذکر کیا ہے کہ ائمہ اربعہ کے

علاوہ کی تقلید ممنوع ہے، کیوں کہ ان ائمہ کے مذاہب منضبط ہیں، مسائل بہ قید تحریر ہیں، عمومات کی تخصیص اور شرائط کی تنقیح وغیرہ کا کام ہو چکا ہے، اب تک دوسرے مجتہدین کے معاملہ میں ایسا نہیں ہو پایا ہے، کیوں کہ ان کے متبعین نہیں رہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ان ائمہ کے علاوہ دوسروں کی تقلید کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان کے حقیقی مذہب کا نقل کرنا دشوار ہے اور ان کا ثبوت نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ قابل تقلید نہیں ہیں، یہی صحیح ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ جیسے معتدل الفکر اور مسلکی تعصّبات سے ماوراء شخصیت نے بھی مذاہب اربعہ کو بڑی مصلحتوں کا حامل قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

منها أن هذه المذاهب الأربعة المدونة المحررة قد إجتمعت الأمة أو من يعتد منها على جواز تقليدها إلى يومنا هذا وفى ذلك من المصالح مالا يخفى لا سيما فى هذه الأيام التى قصرت فيها الهمم جداً و أشربت النفوس الهوى وأعجب كل ذى رأى برأيه۔ (حجة الله البالغة ۱/۲۷۳)

من جملہ مصالح کے یہ ہے کہ ان مدون ومرتب چاروں مذاہب پر اُمت اور اُمت کے معتد بہ لوگوں کا اتفاق ہوگیا ہے اور وہ آج تک ان مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز پر متفق ہیں، اس میں ایسی مصلحتیں ہیں جو مخفی نہیں، بالخصوص فی زمانہ کہ ہمتیں بہت کوتاہ ہیں اور لوگ مبتلاء ہوس ہیں اور ہر صاحبِ رائے اپنی رائے کی بابت عجب کا شکار ہے۔

پس اُصول یہ قرار پایا کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے بوقت ضرورت مذہب کے قول ضعیف پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے اور دوسرے دبستانِ فقہ سے استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

نئے مسائل کے حل کے لئے نقشۂ کار

لہٰذا اس عہد میں جو فقہی مسائل پیدا ہوئے ہیں، ان کے حل کے سلسلہ میں نقشۂ کار اس طرح ہوگا:

۱- جن مسائل کے بارے میں صاحبِ مذہب کی صراحت منقول نہ ہو اور فقہاء کے یہاں اس کی کوئی نظیر بھی موجود نہ ہو، ان میں نصوص اور مقاصد شریعت کو سامنے رکھ کر حکم لگانا --- لیکن اس حقیر کا خیال ہے کہ ایسے مسائل بہت ہی کم مل سکتے ہیں جن کے بارے میں ائمہ مجتہدین اور اصحابِ تخریج کے یہاں صراحت بھی نہ ہو اور ان کے اجتہادات میں اس کی نظیر بھی موجود نہیں ہو۔

۲- جن مسائل میں اصحابِ مذاہب کا اجتہاد منقول نہ ہو، لیکن اس کی نظیر موجود ہو، خواہ مجتہد مطلق کے یہاں، خواہ مجتہد منتسب اور اصحابِ تخریج کے یہاں، تو ان میں پہلے کے نظائر اور اجتہاد استنباط کے اُصول وقواعد کو سامنے رکھ کر حکم لگانا۔

۳- جن مسائل میں ائمہ مجتہدین یا مذہب کے دائرہ میں رہتے ہوئے اجتہاد کرنے والے فقہاء کی آراء موجود ہوں، لیکن عرف اور طریقۂ کار میں تبدیلی، سیاسی ومعاشی نظام میں تغیر، اخلاقی انحطاط، اور نئے وسائل کی ایجاد کی وجہ سے ان آراء پر عمل کرنے میں اباحیت کا دروازہ کھلتا ہو، یا قابل لحاظ حرج اور تنگی پیدا ہوتی ہو، تو ایسی رائے کو ترجیح دینا جس میں موجودہ احوال کی رعایت ہو، ـــــ اس کی دو صوتیں ہیں :

(الف) مذہب کے قول ضعیف کو اختیار کرنا۔

(ب) دوسرے مکاتبِ فقہ سے استفادہ کرنا۔

۴- بعض ایسے مسائل بھی ہیں جن میں واضح طور پر وہ علت پائی جاتی ہے، جس علت کی وجہ سے نص میں اس کے حلال یا حرام ہونے کا حکم لگایا گیا ہے، اس نئی پیش آمدہ صورت پر اس علت کو منطبق کرتے ہوئے حکم لگانا، --- جس کو علماءِ اُصول نے ''تحقیق مناط'' سے تعبیر کیا ہے۔

اجتماعی اجتہاد کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ اجتہاد و استنباط کا یہ کام کون شخص کرے؟ —— مجتہد کے اندر بنیادی طور پر دو وصف مطلوب ہیں، ایک علم، دوسرے ورع وتقویٰ، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اسبابِ سہولت کی فراوانی اور اس کی طلب کی وجہ سے ایسے لوگ خال خال ہی پائے جاتے ہیں، جنھوں نے اپنی زندگی کو علم وتحقیق کے کام کے لئے وقف کر دیا ہو، اس میں شبہ نہیں کہ آج کل علم کے ایسے ذرائع پیدا ہوگئے ہیں، جس نے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ استفادہ کو ممکن بنا دیا ہے، لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ ان وسائل نے انسان کے اندر سہولت پسندی اور ثانوی درجہ کے مراجع پر قناعت کا مزاج پیدا کر دیا ہے —— اس سے بھی زیادہ اہم مسئلہ ورع وتقویٰ کا ہے، نفس پرستی، ارباب اقتدار کے دباؤ سے تأثر، جماعتی مفادات کا تحفظ اور احکام شریعت کے معاملہ میں سہل انگاری اور سہولتوں کی تلاش، ایسی کوتاہیاں ہیں جن سے ہر شخص باخبر ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ اس دور میں امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور ان جیسے فقہاء کی عزیمت، خشیتِ الٰہی اور خدا کی رضا جوئی کا جذبہ افسانۂ ماضی محسوس ہوتا ہے، ان حالات میں انفرادی اجتہاد یا مسائل فقہیہ کے بارے میں انفرادی غور وفکر ناکافی اور مخدوش طریقہ نظر آتا ہے، اور موجودہ حالات میں صحیح طریقہ اجتماعی اجتہاد یا اجتماعی غور وفکر کا ہے، کیوں کہ اجتماعیت انفرادی کوتاہیوں اور غلطیوں کی تلافی کر دیتی ہے۔

اجتماعی اجتہاد کا ثبوت

اجتماعی اجتہاد کا یہ تصور نیا نہیں ہے، چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قلت: يا رسول الله ! إن نزل بنا أمر ليس فيه بيان أمر، ولا نهى، فما تأمرنا؟ قال: تشاوروا الفقهاء والعابدين، ولا تمضوا فيه راى خاصة۔ (مجمع البحرين ۱/۵۲۲، حديث نمبر ۱۴۲)

اس روایت کو طبرانی نے معجم اوسط میں نقل کیا ہے، اور علامہ ھیثمی نے اس کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے، **ورجالہ موثقون من اھل الصحیح** (مجمع الزوائد ۱/۱۷۸)اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں میمون بن مہران نے نقل کیا ہے کہ جب آپ کے سامنے کوئی مقدمہ آتا تو قرآن وحدیث میں تلاش کرتے ،صحابہ سے دریافت کرتے کہ کیا اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ منقول ہے؟ اگر آپ کا کوئی فیصلہ نہیں مل پاتا تو:

جمع رؤساء الناس وخیارھم فاستشارھم ، فان اجمع رأی علی شیئً قضیٰ بھم ۔ (اعلام الموقعین ۱/۲٦)

یہی معمول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا منقول ہے کہ جن مسائل میں کتاب وسنت کی کوئی ہدایت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نہیں ملتا، ان میں اہم شخصیتوں کو بلاکر فیصلہ کرتے ، **وإلادعا رؤس الناس ، فإذا اجتمعوا علی الأمر قضیٰ به**(حوالۂ سابق) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی منقول ہے:

فکان اذا رفعت الیه قضیة، قال: ادعوا لی علیا، وادعوا لی زیداً، وکان یستشیرھم، ثم یفصل بما اتفقوا علیه۔ (حوالۂ سابق)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح کو عہدۂ قضا پر مقرر کرتے ہوئے یہ ہدایت دی:

إقض بما استبان لک من قضاء رسول الله صلی الله علیه وسلم فان لم تعلم کل أقضیة رسول الله ، فاقض بما استبان لک من ائمة المجتهدین ، فان لم تعلم فاجتهد رأیک واستشر أهل العلم والصلاح۔ (الفتاویٰ الکبریٰ لابن تیمیة ۹۱/۱۰۲-۲۰۰)

اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے —— جب وہ مدینہ کے والی مقرر ہوئے —— مدینہ کے دس ممتاز فقہاء کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

إنـمـا دعـوتـكـم لأمـر تؤجرون عليه ، وتكونون فيه أعوانا على الحق ، ما أريد أن أقطع أمراً إلابرأيكم أو برأى من حضر منكم ۔

(تاريخ طبری ۶/۴۲۴-۴۲۸)

عہد صحابہ اور عہد تابعین میں متعدد مسائل اجتماعی اجتہاد کے ذریعہ طے پائے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے : الاجتهاد الجماعی و دور المجامع الفقهیه فی تطبیقه للدکتور شعبان محمد اسماعیل ۳۸تا ۱۱۲) ائمہ مجتہدین میں اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا طریقۂ اجتہاد اسوہ کا درجہ رکھتا ہے، امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں مختلف علوم وفنون کی ممتاز شخصیتیں شامل تھیں، ہر مسئلہ پر جو زیر بحث آتا، مختلف اہل علم اپنی آراء کا اظہار کرتے ، مناقشہ ہوتا اور بعض مسائل میں ایک ایک ماہ گفتگو ہوتی، پھر جو رائے قرار پاتی اسے اتفاق کے ساتھ یا اختلاف رائے کے ساتھ لکھا جاتا، چنانچہ جامع المسانید کے مقدمہ میں ہے:

وكـان رحمه الله اذا وقعت واقعة شاورهم وناظرهم وحاورهم وسألهم ، فيسمع ما عندهم من الأخبار والآثار ويقول ما عنده ، ويـنـاظـرهـم شهـراً او أكثر حتى يستقر أحدا لأقوال ، فيثبته أبـويـوسف – رحمـه الله – حتـى أثبـت الـاصـول عـلى هذا المنهج۔ (جامع مسانيد الامام الاعظم ۱/۳۳ ، ط : انڈيا)

موجودہ عہد میں بھی نئے مسائل کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد ہی کا طریقہ موزوں ہے، چنانچہ ماضی قریب کے ممتاز فقیہ اور صاحب نظر مصنف شیخ زرقاءؒ فرماتے ہیں:

إذا أردنـا نعيد للشريعة فقهها وروحها ، وحيويتها بالإجتهاد الـذى هو واجب كفائى ، لا بد من إستمراره فى الأمة شرعاً .... هـذه الحلول لا بد لها من الإجتهاد الجماعى ليحل مـحـل الإجتهـاد الـفردى فى القضايا الكبيرة۔(الـفتـىٰ ، نشأتها

وتطورھا ، لکدکتور شیخ حسین ۷۷۷)

اللہ کا شکر ہے کہ نئے مسائل کے حل کی ضرورت کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے عصر حاضر میں اس اجتماعی اجتہاد کے سلسلہ میں بڑی اہم کاوشیں انجام پا رہی ہیں، عالم عرب میں مجمع البحوث الاسلامی مصر، مجمع الفقہ الاسلامی الدولی جدہ، المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ کی خدمات، امریکہ میں مجمع فقہاء الشریعہ، مجمع فقہ اسلامی سوڈان، مغرب میں یورپی کونسل برائے افتاء وریسرچ اور برصغیر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان اس سلسلہ میں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں اجتماعی غور وفکر کی کاوشیں

اگر ہندوستان میں فقہی مسائل میں اجتماعی غور وفکر کا جائزہ لیا جائے تو شاید اس کی ابتداء فتاویٰ عالمگیری کی تدوین سے قرار پائے، جسے حضرت اورنگ زیبؒ نے پورے ملک سے منتخب علماء کی ایک کمیٹی بنا کر مرتب کر دیا تھا، اس طرح فقہ حنفی کا ایک ایسا انسائیکلوپیڈیا وجود میں آیا، کہ احکام فقہ کی جامعیت، کثرت اور وسعت کے اعتبار سے اس کی نظیریں کم ہی مل پائیں گی۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا سورج غروب ہونے کے بعد اس سلسلہ کی ایک کوشش حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے زیر سایہ سرانجام پائی، اور اسی کوشش کے نتیجے میں ''الحیلۃ الناجزہ'' اور ''انفساخ نکاح مسلم ایکٹ'' کی ترتیب عمل میں آئی۔

پھر جمعیت علماء ہند کے ذمہ داروں میں ایک اہم علمی شخصیت حضرت مولانا محمد میاں صاحب دیوبندیؒ نے جمعیت کے تحت ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' قائم فرمایا، جس نے ابتدائی دور میں رویتِ ہلال کے موضوع پر ایک اہم کانفرنس بھی منعقد کی، اور عام طور پر مولانا مرحوم اہم مسائل پر ملک کے مختلف دارالافتاء اور ملک کی اہم شخصیتوں کو استفتاء ارسال کرتے تھے، اور اس کے جوابات طلب کرتے تھے، اس طرح علماء میں ان مسائل پر غور کرنے کی تحریک پیدا ہوتی تھی،

لیکن اجتماعی نشست اور مناقشہ کا کوئی مستقل سلسلہ نہیں تھا، البتہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے قیام کے بعد اس ادارہ نے بھی فقہی اجتماعات کے انعقاد کی طرف توجہ دی ہے۔

دوسری کوشش حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تحریک پر ندوۃ العلماء کے زیر اہتمام ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' کے قیام (۱۹۶۳ء) سے شروع ہوئی، مجلس نے ہندوستان کے حالات کے تناظر میں انشورنس، رویتِ ہلال اور نس بندی کے مسائل پر نشستیں منعقد کیں اور بعض اہم فیصلے بھی کئے، مختلف نئے مسائل پر مجلس کے ذمہ داران حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلویؒ اور حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی نے قلم اُٹھایا، لیکن بعد کو اجتماعی تبادلۂ خیال کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

یہ دونوں ادارے نئے مسائل کے حل میں فعال کردار اس لئے ادا نہیں کر پائے کہ دوسرے بڑے ادارہ یا تنظیم کے ساتھ ان کی حیثیت ضمنی ادارہ کی تھی، اور اس کاوش کا دائرہ ادارہ کے متعلقین و متفقین تک محدود تھا، اس لئے پیش آنے والے مسائل کی تیز گامی اور کثرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے محسوس کیا گیا کہ خاص اس مقصد کے لئے ایک مستقل ادارہ ہو، تا کہ اس کام میں تسلسل باقی رہے اور مختلف الفکر اہل علم کو اکٹھا کر کے زیادہ وسعت کے ساتھ غور وفکر کیا جاسکے، اسی پس منظر میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ۱۹۸۹ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی بنیاد رکھی، جس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے پورے خطہ میں ایک نئی علمی اُمنگ، ذوق تحقیق، اعتدال فکر اور فقہی تحریک کو وجود بخشا، اکیڈمی کے فقہی مجلّات جن کی پوری دنیا میں تحسین کی جارہی ہے اور جن کے حوالہ سے اہل علم اپنی تحقیقات کو پیش کر رہے ہیں، اس کے شاہد عدل ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا اجتماعی غور وفکر — ایک نظر میں

اکیڈمی نے اپنی عمر کے تیس سال کے عرصہ میں ۲۸ سیمینار کئے، ان سیمیناروں میں مجموعی

اعتبار سے ۱۳۹ مرکزی موضوعات پر غور وخوض کیا گیا، جن میں اسلام کے اُصول قانون، عبادات، سماجی مسائل، معاشی وتجارتی مسائل، طبی مسائل، بین الاقوامی مسائل سے متعلق موضوعات شامل ہیں، اوران کے علاوہ مختلف اہم موضوعات پر اعلامیہ بھی جاری کیا گیا، بعض موضوعات وہ ہیں جن میں قطعی فیصلہ کوملتوی رکھا گیا ہے اور مختلف موضوعات کی شقوں میں فیصلے اختلاف رائے سے ہوئے ہیں، باقی فیصلے باتفاق رائے کئے گئے ہیں، یہ قراردادیں سیمیناروں کی ترتیب سے بھی اور فقہی ترتیب پر بھی شائع ہوچکی ہیں، ان سیمیناروں میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں، ان کی تعداد پانچ ہزار کے قریب ہے اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جن اہل علم اوراصحابِ افتاء نے مسلسل شرکت کی ہے مجموعی طور پر ان کی تعداد تیرہ سو سے زیادہ ہے، بیرون ملک سے سیمینار میں شرکت ہونے والے فضلاء کی تعداد تقریباً ۶۰ ہے، جن کا تعلق دنیا کے تیس ملکوں سے ہے، اب تک ان سیمیناروں کے مقالات پر مشتمل ۱۳۴ مجموعے شائع ہوچکے ہیں، جو بحیثیت مجموعی تقریباً تیس ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

اکیڈمی کا طریقۂ کار

اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے کہ اکیڈمی کے نئے مسائل پر غور وفکر کرنے کا نہج کیا ہے اور تحقیق وتنقیح کے بعد کس طرح فیصلے کئے جاتے ہیں؟ سب سے پہلا مرحلہ سیمینار کے لئے زیر بحث آنے والے موضوعات کے انتخاب کا ہے، اس کے لئے سیمینار میں شریک ہونے والے حضرات سے آئندہ سیمینار کے لئے تحریری رائے لی جاتی ہے، اب تک مختلف سیمیناروں میں جو آراء آئی ہیں، اس کی مکمل فہرست مرتب کردی گئی ہے، اکیڈمی کی مجلس علمی بھی عنوانات کے سلسلہ میں اپنا مشورہ پیش کرتی ہے، جس میں پورے ملک سے ممتاز اہل قلم اور اہل علم شامل ہوتے ہیں، پھر مجلس منتظمہ ان تمام آراء کو سامنے رکھ کر اور عالمی اور ملکی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ سیمینار کے لئے موضوعات کا انتخاب کرتی ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ یہ موضوعات

مختلف شعبہائے زندگی سے متعلق اور موجودہ حالات وضروریات سے زیادہ مطابقت رکھنے والے ہوں۔

اب اس موضوع سے متعلق قابل بحث نکات پر مشتمل سوالنامہ اکیڈمی کے سکریٹریز میں سے کوئی ایک مرتب کرتا ہے، پھر جنرل سکریٹری برائے سیمینار اس سوالنامہ کو مزید منقح اور واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے بعد اسے اکیڈمی کے چند ارکان اساسی کے پاس غورِ مکرر کے لئے بھیجا جاتا ہے، اور ان کی آراء کی روشنی میں اسے آخری صورت دی جاتی ہے، اب یہ سوالنامہ ملک و بیرون ملک کے فقہاء اور اربابِ افتاء اور اسکالرس کے پاس بھیجا جاتا ہے اور اگر سوال کا تعلق کسی جدید سائنسی ایجاد، یا سماجی ومعاشی مسئلہ سے ہو تو اس کے عملی اور سائنسی پہلو پر ان شعبوں کے ماہرین سے مقالات لکھائے جاتے ہیں اور یہ مقالات اگر انگریزی میں ہوں تو ان کا اُردو ترجمہ کرایا جاتا ہے اور یہ بھی علماء و اربابِ افتاء کے پاس بھیجا جاتا ہے، تاکہ صورتِ مسئلہ پوری طرح واضح ہوجائے اور وہ اس کی تفصیلات سے واقف ہوجائیں، ہندوستان میں اہل سنت کے تمام مکاتبِ فکر سے متعلق اہم درس گاہوں کے اربابِ افتاء، نیز ان تمام شخصیتوں کے نام یہ دعوت نامہ جاتا ہے، جو تصنیف و تالیف، تدریس، قضاء یا اور کسی جہت سے فقہ سے مربوط ہوں۔

اہل علم کی طرف سے جو مقالات آتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ہوتی ہے، اس لئے اکیڈمی کے شعبۂ علمی کے رفقاء ان مقالات کی اس طرح تلخیص کرتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے آجائے، اگر اتفاق ہو تو متفقہ رائے اور اختلاف ہو تو اختلافِ رائے کا اظہار کیا جائے اور مقالہ نگاروں نے کتاب وسنت سے جو استدلال اور فقہاء کی عبارتوں سے جو استشہاد کیا ہو، اختصار کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہو، اس تلخیص کو شرکاء کو سیمینار کے موقع سے تقسیم کیا جاتا ہے، تاکہ انھیں بحث کرنے میں سہولت ہو۔

پھر موضوع کے مختلف پہلوؤں کے لئے مقالات کی معنوی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے

''عارض''مقرر کیا جاتا ہے، اس پہلو سے متعلق تمام مقالات کی فوٹو کاپی انھیں فراہم کی جاتی ہے، وہ ان مقالات میں پیش کئے ہوئے نقاطِ نظر کو مرتب کرتے ہیں اور جو دلائل آئے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہیں اور پھر کسی ایک نقطۂ نظر کو ترجیح دیتے ہوئے اس کے دلائل اور وجوہ کا ذکر کرتے ہیں، اب شرکائے سیمینار خود اپنی تحقیق ومطالعہ، مقالات کی تلخیص اور عارض کی بحث کو سامنے رکھتے ہوئے اظہارِ خیال کرتے ہیں اور تمام ہی شرکاء کو بحث میں حصہ لینے کی اجازت حاصل ہوتی ہے، اور اس کے لئے خاصا وقت دیا جاتا ہے، یہ بحث ریکارڈ کے ذریعہ ٹیپ بھی کی جاتی ہے اور ایک صاحبِ علم کو اسی کام کے لئے متعین کیا جاتا ہے کہ وہ مباحثہ کے درمیان آنے والے تمام نکات کو نوٹ کرتے جائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ پوری بحث نہایت ہی سنجیدہ اور ٹھنڈے ماحول میں حق اور سچائی کو حاصل کرنے کے جذبہ سے باہمی احترام کی رعایت کے ساتھ ہوتی ہے اور اختلافِ رائے کی وجہ سے کبھی کوئی ناخوشگواری پیدا نہیں ہوتی۔

اس موقع سے صورتِ مسئلہ کو واضح کرنے کی ذمہ داری ماہرین کو دی جاتی ہے اور اسی لئے زیر بحث موضوع کی مناسبت سے چند ماہرین بھی سیمینار میں شریک ہوتے ہیں، انھیں حکم شرعی کے بارے میں اظہارِ خیال کی اجازت نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ علماء اور اربابِ افتاء کا حق ہے، بحث مکمل ہونے کے بعد اس مسئلہ پر تجویز مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی جاتی ہے، اس کمیٹی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ یا تو انھوں نے اس موضوع پر بہتر مقالہ لکھا ہو یا نمایاں طور پر بحث میں حصہ لیا ہو، یا ان کو فتویٰ نویسی کا قدیم تجربہ ہو، اگر بحث کے دوران اتفاق رائے نہیں ہوسکا تو کمیٹی میں دونوں آراء کے حامل نمائندہ افراد کو شامل کیا جاتا ہے، اب یہ کمیٹی مقالات اور بحث کے دوران آنے والے نکات کو سامنے رکھتے ہوئے مزید تبادلۂ خیال کے بعد تجویز کو سیمینار کے مندوبین کی عمومی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس مرحلہ میں بھی جزوی ترمیمات کی جاتی ہیں، نیز سب کمیٹی کی مرتب کی ہوئی تجویز لوگوں پر مسلط نہیں کی جاتی، جس تجویز پر اتفاق ہوا ہے، اسے متفقہ حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے، جس میں شرکاء کی غالب ترین

اکثریت کی ایک رائے ہواور ایک دواشخاص کو اختلاف ہو، ان میں پہلی رائے کا بحیثیتِ تجویز ذکر تے ہوئے اختلاف رکھنے والے حضرات کے نام اور نقطۂ نظر کے حاملین کی مناسب تعداد ہوتو تجویز میں اختلافِ رائے کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نقاطِ نظر کو مساویانہ حیثیت میں بیان کیا جاتا ہے اور ہر رائے کے قائلین میں معروف، نمایاں اور اہم شخصیتوں کا بھی ذکر کردیا جاتا ہے، اورجس طرح تجاویز سیمینار میں پیش کی جاتی ہیں، بعینہ اسی طرح اسے طبع کیا جاتا ہے۔ یہ ہے اکیڈمی کا وہ محتاط، منصفانہ اور شورائی طریقۂ غور وفکر جو احکام شرعیہ کے حل کرنے میں اختیار کیا جاتا ہے، اسی لئے ہمیشہ اس اکیڈمی کو اکابر علماءِ ہند کی شفقت وعنایت حاصل رہی ہے۔

☆ ☆ ☆

پہلا فقہی سمینار

- ☆ ضبط ولادت
- ☆ اعضاء کی پیوندکاری
- ☆ پگڑی

پہلا فقہی سمینار

منعقدہ: ۲۳-۲۵ر شعبان ۱۴۰۹ھ مطابق ۱-۳ر اپریل ۱۹۸۹ء، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

ہندوستان میں اپنی نوعیت کے اس پہلے فقہی سمینار میں ممتاز فقہاء و اہل تحقیق اور جدید علوم کے ماہرین تشریف لائے، جنہوں نے تقریباً پچیس ممتاز و مشہور تحقیقی و علمی اداروں اور دار الافتاء نیز مختلف مسالک کی نمائندگی کی، اور تین دنوں تک درج ذیل موضوعات پر اجتماعی غور وفکر اور بحث وتحقیق میں شریک رہے، سمینار کے موضوعات:

☆ ضبط ولادت

☆ اعضاء کی پیوندکاری

☆ پگڑی

میں سے ''ضبط ولادت'' کی بابت فیصلے طے پا گئے، بقیہ دو مسئلوں کے مختلف گوشوں پر بحث کے بعد محسوس کیا گیا کہ ان پر مزید غور وفکر کی ضرورت ہے، چنانچہ انہیں آئندہ کے لئے ملتوی کردیا گیا۔

ضبط ولادت:

ضبط ولادت کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد شرکاء سمینار نے مندرجہ ذیل فیصلے متفقہ طور پر منظور کیے:

۱- کوئی بھی ایسا عمل جس کا مقصد نسل انسانی کے سلسلے کو منقطع یا محدود کرنا ہو اسلام کے بنیادی تصورات کے خلاف اور ناجائز ہے۔

۲- بطور فیشن خاندان کو مختصر رکھنے یا تجارت وملازمت کی مشغولیتوں کے متاثر ہونے یا

سماجی دلچسپیوں میں رکاوٹ پیدا ہونے کی وجہ سے اولاد کی ذمہ داری سے انکار و گریز کو شرع اسلامی کسی حال میں قبول نہیں کر سکتی۔

۳- جو خواتین بلند معیار زندگی کے حصول یا زیادہ سے زیادہ دولت جمع کرنے کی خاطر نوکریاں کرنا چاہتی ہیں اور اپنے مقصد تخلیق اور اس مقدس فریضے کو بھول جاتی ہیں جو قدرت نے نسل انسانی کی ماں کی حیثیت سے ان پر عائد کیا، ان مقاصد کی خاطر خاندان کو محدود کرنے کا تصور قطعاً غیر اسلامی ہے۔

۴- جو بچہ موجود ہے اس کی پرورش، رضاعت، اور نشو ونما میں اگر ماں کے جلد حاملہ ہونے کی وجہ سے نقصان کا خطرہ ہے تو ایسی صورت میں مناسب وقفہ قائم رکھنے کی خاطر عارضی مانع حمل تدابیر اختیار کرنا جائز ہے۔

۵- دائمی منع حمل کی تدابیر کا استعمال مردوں کے لئے کسی بھی حال میں درست نہیں ہے، عورتوں کے لئے بھی منع حمل کی مستقل تدابیر ممنوع ہیں، سوائے ایک صورت کے۔ وہ استثنائی صورت یہ ہے کہ ماہر قابل اعتماد اطباء کی رائے میں اگلا بچہ پیدا ہونے کی صورت میں عورت کی جان جانے یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا ظن غالب ہو، تو اس صورت میں عورت کا آپریشن کرا دینا تا کہ استقرار حمل نہ ہو سکے جائز ہے۔

۶- عارضی منع حمل کی تدابیر اور ادویہ کا استعمال بھی عام حالت میں جائز نہیں۔

۷- چند استثنائی صورتوں میں عارضی منع حمل کی تدابیر وادویہ کا استعمال مردوں اور عورتوں کے لئے درست ہے، مثلاً:

☆ عورت بہت کمزور ہے۔ ماہر اطباء کی رائے میں وہ حمل کی متحمل نہیں ہو سکتی اور حمل ہونے سے اسے شدید ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہو۔

☆ ماہر اطباء کی رائے میں عورت کو ولادت کی صورت میں نا قابل برداشت تکلیفوں اور ضرر میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو۔

دوسرا فقهی سمینار

☆ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت

☆ ترقیاتی قرضے وسودی لین دین

دوسرا فقہی سمینار

منعقدہ: ۸-۱۱ ر جمادی الاول ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱ ر دسمبر ۱۹۸۹ء، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

دوسرا فقہی سمینار جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں ۸ تا ۱۱ ر دسمبر ۱۹۸۹ء مطابق ۸ تا ۱۱ ر جمادی الاول ۱۴۱۰ھ منعقدہ ہوا، جس میں ہندوستان کے بیشتر معروف علمی وتحقیقی مراکز نیز بیرون ملک سے علماء و محققین، ارباب افتاء اور دانشور شریک ہوئے، اس سمینار میں بنیادی طور پر دو موضوعات زیر بحث تھے:

☆ کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت

☆ ترقیاتی قرضے وسودی لین دین

لیکن موضوع سے گہرا تعلق رکھنے والے دیگر مسائل بھی زیر بحث آئے جن میں:

☆ ہندوستان کی شرعی حیثیت

☆ بنک انٹرسٹ

☆ غیر سودی بنکاری کے لئے پروجیکٹ کی تیاری

☆ بین الاقوامی تجارت پر سود

☆ تجارتی سود اور اسلامی شریعت

موضوعات شامل تھے، ان میں بعض موضوعات پر مزید غور اور معلومات کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے فیصلہ کو آئندہ کے لئے ملتوی کیا گیا، بقیہ موضوعات کی بابت فیصلے کیے گئے۔

پہلے فقہی سمینار کے باقی ماندہ دو موضوعات:

☆ پگڑی

☆ اعضاء کی پیوند کاری

کی بابت بھی فیصلے کیے گئے:

پگڑی:

۱- مالک مکان زرِ ضمانت وڈپوزٹ کے نام سے کرایہ دار سے جو پیشگی رقم وصول کرتا ہے بہتر ہے کہ اس کو بعینہٖ محفوظ رکھا جائے، اگر مالک اس کو خرچ کردے تو وہ اس بات کا ضامن ہوگا کہ کرایہ داری کی مدت ختم ہوتے ہی وہ رقم کرایہ دار کو فوراً واپس کردے۔

۲- اگر کوئی مکان یا دوکان کرایہ پر دیا جائے اور مالک مکان مروجہ پگڑی کے نام پر اصل ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی نقد رقم کرایہ دار سے وصول کرے تو سمجھا جائے گا کہ مالک مکان نے بحیثیت مالک اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرلیا ہے۔ یہ رقم اس کے لئے اس حق کے عوض ہونے کی بنیاد پر جائز ہوگی۔ آئندہ اگر مالک مکان کرایہ دار سے مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو اس کا حق ہوگا کہ وہ مکان خالی کرنے کے عوض جس پر ہر دو فریق راضی ہوجائیں مالک مکان سے وصول کرلے، اور اسی طرح کرایہ دار دوسرے کرایہ دار کے حق میں باہمی طے شدہ رقم کے عوض اپنے اس حق سے جو اس نے اصل مالک سے عوض دے کر حاصل کیا تھا دست بردار ہوسکتا ہے۔

۳- مالک مکان نے پگڑی لئے بغیر مکان کرایہ پر دیا اور اجارہ کی مدت معاہدہ میں مقرر نہیں کی گئی ہو تو اس صورت میں مالک مکان کو حق ہوگا کہ جب چاہے مکان خالی کرالے۔ البتہ مالک مکان کو چاہئے کہ خالی کرانے کا نوٹس اور خالی کرنے کی تاریخ کے درمیان ایسی مہلت دے جو مقامی حالت کے پیشِ نظر مناسب ہو اور جس میں مالک اور کرایہ دار کو کوئی خاص ضرر لاحق نہ ہو، اور کرایہ دار کو چاہئے کہ اس مناسب

مہلت میں مکان خالی کردے۔

۴- جو مکان یا دوکان بغیر پگڑی لئے کرایہ پر دی گئی ہو، مالک مکان کو مکان واپس کرتے وقت کرایہ دار کے لئے اس سے پگڑی طلب کرنا جائز نہ ہوگا۔

۵- سمینار مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ اپنے معاملات میں شریعت کا خاص خیال رکھیں، شریعت چاہتی ہے کہ کسی بھی معاہدہ کے بارے میں معاہدہ کے ہر دو فریق تمام ضروری متعلقہ امور کو وضاحت اور صراحت کے ساتھ باہم طے کرلیں تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو اور فریقین ضرر سے محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں سمینار خصوصیت سے یہ سفارش کرتا ہے کہ کرایہ داری کا معاملہ طے کرتے وقت مدت کا تعین کرلیا جائے اور اگر مالک مکان عوض لے کر ہمیشہ کے لئے اپنے مکان خالی کرانے کے حق سے دست بردار ہونا چاہتا ہے تو فریقین صراحۃً آپس میں اس کو طے کرلیں۔

اعضاء کی پیوندکاری:

۱- کسی انسان کا کوئی عضو ناکارہ ہو چکا ہو اور اس عضو کے عمل کو آئندہ جاری رکھنے کے لئے کسی متبادل کی ضرورت ہو تو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے:

الف- غیر حیوانی اجزاء کا استعمال۔

ب- ایسے جانوروں کے اعضاء کا استعمال جن کا کھانا شرعاً جائز ہے اور جو بطریقۂ شرعی ذبح کئے گئے ہوں۔

ج- جان کی ہلاکت یا عضو کے ضائع ہونے کا قوی خطرہ ہو اور اس مطلوبہ عضو کا بدل صرف ایسے جانوروں میں ہی مل سکتا ہے جن کا کھانا حرام ہے، یا حلال تو ہے لیکن بطریق شرعی ذبح نہیں کئے گئے ہیں، تو ایسی صورت میں ان غیر ماکول اللحم یا ماکول اللحم مگر غیر مذبوح جانوروں کے اعضاء کا استعمال جائز ہے۔

اور اگر جان یا عضو کی ہلاکت کا شدید خطرہ نہ ہو تو خنزیر کے اجزاء کا استعمال جائز نہیں۔

۲- اسی طرح ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

۳- اعضاء انسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

۴- اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہنچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بے کار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری کرا کر اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہوگا۔

۵- اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہوگا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دے کر اس کی جان بچالے۔

۶- اگر کسی شخص نے ہدایت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضاء پیوندکاری کے لئے استعمال کئے جائیں، جسے عرف عام میں وصیت کہا جاتا ہے، از روئے شرع اسے

اصطلاحی طور پر وصیت نہیں کہا جاسکتا اور ایسی وصیت اور خواہش شرعاً قابل اعتبار نہیں۔

(نوٹ: مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کو دفعہ ۴، ۵ سے اتفاق نہیں ہے)۔

کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت:

موجودہ دور میں سونا چاندی ذریعہ تبادلہ نہیں رہا، اور کاغذی نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں سونے چاندی کی جگہ لے لی ہے، حکومت کے قوانین بھی کاغذی نوٹوں کو مکمل طور پر ثمن کی حیثیت دیتے ہیں اور بحیثیت ثمن نوٹوں کو قبول کرنا لازم قرار دیتے ہیں، غرضیکہ کاغذی نوٹوں کی حیثیت عرف اور رواج میں زرقانونی کی ہوگئی ہے۔ کرنسی کے اس ہمہ گیر رواج نے جو شرعی اور فقہی مسائل پیدا کئے ہیں ان کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور وخوض کرنے کے بعد شرکاء سمینار درج ذیل نکات پر متفق ہوئے:

۱- کرنسی نوٹ سند وحوالہ نہیں ہے بلکہ ثمن ہے اور اسلامی شریعت کی نظر میں کرنسی نوٹ کی حیثیت زر اصطلاحی وقانونی کی ہے۔

۲- عصر حاضر میں نوٹوں نے ذریعہ تبادلہ ہونے میں مکمل طور پر زر خلقی (سونا چاندی) کی جگہ لے لی ہے اور باہمی لین دین نوٹوں کے ذریعہ انجام پاتا ہے، اس لئے کرنسی نوٹ بھی احکام میں ثمن حقیقی کے مشابہ ہے، لہذا ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ نہ تو نقد جائز ہے نہ ادھار۔

۳- دوملکوں کی کرنسیاں دو اجناس ہیں، اس لئے ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دوسرے ملک کی کرنسی سے کمی وبیشی کے ساتھ حسب رضائے فریقین جائز ہے۔

۴- کرنسی نوٹوں پر زکوۃ لازم ہے۔

۵- نوٹوں میں زکوۃ کا نصاب، چاندی کے نصاب کی قیمت کے مساوی ہوگا۔

۶- مؤخر مطالبات کے سلسلے میں کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اور قدر و قیمت میں ہونے والے اتار چڑھاو کا احکام شرعیہ میں اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں شرکاء سمینار کے درمیان دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ کمیٹی کی رائے میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ آئندہ مزید غور و فکر کے بعد کیا جائے گا۔

مہر کا شرعی حکم:

اس اجلاس کا احساس ہے کہ مہر کی سونے اور چاندی کے ذریعہ تعیین عمل میں آئے تا کہ پوری طرح عورتوں کے حقوق کا تحفظ ہو سکے اور سکوں کی قوت خرید میں کمی کی وجہ سے ان کو نقصان نہ پہنچے۔

سود سے متعلق مسائل:

۱- ربوٰ (سود) قطعی حرام ہے، اور جس طرح سود لینا حرام ہے اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے۔

۲- سود ادا کرنے کی حرمت بذات خود نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ یہ سود خواری کا ذریعہ ہے، اس لئے بعض خاص حالات میں عذر کی بنیاد پر سود ادا کر کے قرض لینے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ کون سا عذر معتبر ہے اور کون سا نہیں، اور کون سی حاجت قابل لحاظ ہے اور کون سی قابل لحاظ نہیں، اس سلسلہ میں معتمد اصحاب افتاء کے مشورہ پر عمل کیا جائے۔

۳- ہندوستان میں محض سرکاری قرضے ایسے ہیں جن پر سرکار کی طرف سے چھوٹ (Subsidy) دی جاتی ہے اور سود کے نام سے اضافی رقم بھی لی جاتی ہے، اگر سود کے نام سے لی جانے والی اضافی رقم چھوٹ (Subsidy) کے مساوی ہو یا اس سے کم ہو تو یہ اضافی رقم شرعاً سود نہیں۔

۴- ہندوستان میں حکومت جب اراضی مملوکہ کو ایکوائر کرتی ہے (یعنی بحکم سرکاری وہ اراضی

مفاد عامہ کے لئے جبراً خریدی جاتی ہیں) اورحکومت اس کی قیمت مالکان اراضی کواپنے ضابطوں کے پیشِ نظر اپنی منشا کے مطابق ادا کرتی ہے۔ مالکان اراضی سرکاری حکم کے خلاف عدالتوں سے رجوع کرتے ہیں، عدالتیں عادلانہ قیمت کاتعین کرتی ہیں اور مالکان اراضی کو اکوزیشن کی تاریخ سے بذریعہ فیصلہ عدالت اس قیمت کے علاوہ اضافی رقم بھی سود کے نام سے دلاتی ہیں۔ سیمینار کی رائے میں یہ اضافی رقم سود نہیں بلکہ قیمت کا جزء ہے جس کا لینا اوراپنے مصرف میں خرچ کرنا جائز ہے۔

۵- سرکاری بنکوں سے ملنے والے ترقیاتی قرضوں اوران پرادا کئے جانے والے سود کے مسئلہ پر ہندوستان کے مخصوص پس منظر میں غور کرکے کسی فیصلہ تک پہنچنے کے لئے یہ سیمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے علماء و متخصصین کی ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے جومسئلہ کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر کسی نتیجہ پر پہنچے۔

بنک انٹرسٹ:

بنک انٹرسٹ کے سود ہونے پر شرکاء سیمینار کا اتفاق ہے۔ انٹرسٹ کی رقم بنک سے نکالی جائے یا چھوڑ دی جائے؟ نکال لی جائے توکس مصرف میں خرچ کی جائے؟ اس سلسلہ میں طے پایا کہ:

۱- بینکوں سے ملنے والی سود کی رقم کو بینکوں میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے نکال کر مندرجہ ذیل مصارف میں خرچ کیا جانا چاہئے۔

۲- بینک کے سود کی رقم کو بلانیت ثواب فقراء ومساکین پرخرچ کردیا جائے اس پرتمام ارکان کا اتفاق ہے۔

۳- سود کی رقم کومساجد اوراس کے متعلقات پرخرچ نہیں کیا جاسکتا۔

۴- اکثر شرکاء سیمینار کی یہ رائے ہے کہ اس رقم کوصدقات واجبہ کے مصارف کے علاوہ رفاہ

عام کے کاموں پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔بعض حضرات کی رائے میں اس کے مصرف کوفقراء ومساکین تک محدود رکھنا چاہیئے۔

تجارتی سود اور اسلامی شریعت:

سود کے سلسلے میں بحث ومباحثہ اورغور وفکر کے بعد اس ایوان کی متفقہ رائے حسب ذیل قائم ہوئی:

سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا دیا جائے یا تجارتی وکاروباری قرضوں پر، شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہر حال حرام ہے۔ یہ سمجھنا کہ سود کی حرمت کا اطلاق تجارتی وکاروباری قرضوں پر نہیں ہوتا قطعاً غلط ہے۔ نیز یہ خیال کہ تجارتی وکاروباری قرضوں کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہیں پایا جاتا اس لئے حرمت ربوٰ کا اطلاق ان پر نہیں ہوگا، کسی طرح درست نہیں۔ یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین عرب جاہلیت، نیز ان قوموں میں جن سے جاہلی عرب کے تجارتی روابط تھے رائج اور شائع تھا۔ چنانچہ تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین تحریم ربا کا اولین مورد ہے۔ اس کے علاوہ بالفرض اگر تجارتی وکاروباری مقاصد کے لئے سودی لین دین کا وجود زمانہ نزول قرآن میں نہ بھی پایا جاتا تب بھی مستقل شرعی دلائل دونوں قسم کے قرضوں (ذاتی وشخصی اور تجارتی وکاروباری) پر اضافے یعنی سود کی حرمت کے بارے میں قائم ہیں۔ قرآن وسنت، اجماع وقیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربوٰ کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا کہ قرض لینے دینے کا مقصد اور محرک کیا ہے؟

سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ، مناسب حد تک کم ہے یا نامناسب حد تک زیادہ۔ شریعت اسلامیہ میں اس بات کو تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ شرح سود اگر مناسب حد تک کم ہے تو سودی لین دین جائز ہے اور اگر نامناسب حد تک

زیادہ ہے تو ناجائز، دلائل شرعیہ اس طرح کی کسی تفریق کی اجازت نہیں دیتے۔

بین الاقوامی تجارت پر سود:

بین الاقوامی تجارت کے سلسلہ میں کمیٹی نے اس کی صورت مسئولہ اور دوسری شکلوں پر غور کیا۔ کمیٹی یہ محسوس کرتی ہے کہ اس تجارت کی جدید ومتنوع اور پیچیدہ شکلوں کی مزید تنقیح وتوضیح کی ضرورت ہے، اس لئے اس موضوع پر معاشیات کے ماہرین اور فقہاء کی تحریروں کو سامنے رکھ کر آئندہ کے لئے ایک تفصیلی سوال نامہ تیار کیا جائے اور اس کی روشنی میں اہل الرائے کی رائیں طلب کی جائیں، اور اس سلسلہ میں ایک جامع خاکہ پیش کرنے کی ذمہ داری ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی پر ڈالی گئی۔

غیر سودی بنکاری کے لئے پروجیکٹ کی تیاری:

دوسرا فقہی سمینار سودی معاملات سے متعلق غور وفکر کے ذیل میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ غیر سودی بینک کاری اور مقامی سطح پر ایسی سوسائٹیز کا قیام جو غیر سودی بنیادوں اور جائز شرعی عقود و معاملات کی بنیاد پر سرمایہ کاری اور امداد فراہم کرنے کا کام انجام دے، مفید ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان کاموں کی انجام دہی کے لئے ایسے نظام سامنے ہوں جو شرع سے متصادم نہ ہوں۔ اس وقت ملک میں ایسی کوششیں جاری ہیں، لیکن ان کوششوں میں باہم تنظیم اور یکسانیت کا فقدان ہے۔ یہ سمینار ضروری سمجھتا ہے کہ جدید بینکنگ کے اصولوں اور شریعت کے احکام کو سامنے رکھتے ہوئے غیر سودی بینک کاری کا ایک منصوبہ (Project) تیار کیا جائے جو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو سود کی حرمت سے بچائے اور ان کو معاشی استحکام بخشے بلکہ دیگر پسماندہ اور کمزور انسانی طبقات کو بھی سہارا دے سکے جو امت رحمۃ للعالمین کا فریضہ ہے۔

اس سلسلہ میں سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے ایسے خاکہ اور منصوبہ (Project) کی

تیاری کے لئے علماء وفقہاء نیز بینکنگ اور معاشیات کے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی سفارش کرتا ہے۔

دارالاسلام، دارالحرب اور مختلف ممالک کی حیثیت کا تعین:

دارالحرب میں عقود فاسدہ کے جواز، یا یہ کہ دارالحرب میں سود کے ثبوت کی ضروری شرط، اموال کا معصوم ہونا موجود نہیں، اس لئے دارالحرب میں سود کا تحقق ہی نہیں ہوتا، اور آیا ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں، اور یہ کہ ہندوستان جمہوریہ دارالکفر ہوتے ہوئے بھی ان ممالک کی فہرست میں آتا ہے کہ نہیں جن میں اموال معصوب نہیں رہتے۔ یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات پر سمینار میں غور کیا گیا اور مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا، اگرچہ سمینار میں عام رجحان یہ رہا کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں سودی کاروبار کے جواز کا فتوی نہیں دیا جاسکتا لیکن پھر بھی مقالات اور مباحث میں آنے والے مختلف نکتہائے نظر کا پیش نظر رکھتے ہوئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی سے ایسی کمیٹی تشکیل کیے جانے کی سفارش کرتا ہے جس میں محقق علماء وفقہاء کے علاوہ ماہرین علم سیاست، دستوری قوانین اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق قوانین کے ماہرین کو شریک کیا جائے۔ یہ کمیٹی اس کا جائزہ لے کہ اسلام کی دستوری ہدایات اور اسلامی قانون بین الممالک کی روشنی میں آج کے مختلف نظامہائے حکومت کو کتنی قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے اور ان کے علاحدہ علاحدہ کیا حکم ہوں گے۔ اس سلسلے میں دو ممالک کے باہمی تعلقات اور ان میں سے ایک کے لئے دوسرے کی حیثیت اور ساتھ ہی خود اس ملک میں بسنے والی مسلم آبادی کے اپنے ہم وطنوں اور اپنے ملک کی حکومت کے ساتھ تعلقات کی قانونی نوعیت شرع اسلامی کی روشنی میں کیا ہونی چاہئے۔

یہ کمیٹی اس پر بھی غور کرے کہ کچھ ایسے حالات بھی پیش آسکتے ہیں جن میں معاملات ربوٰ اور عقود فاسدہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ جائز قرار دیئے جائیں۔

✧ ✧ ✧

تیسرا فقہی سمینار

☆ اسلامی بینکنگ
☆ مرابحہ
☆ حقوق کی بیع

تیسرا فقہی سمینار

منعقدہ: ۱۳-۱۶ /ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۸-۱۱/ جون ۱۹۹۰ء، سبیل الرشاد، بنگلور

تیسرا فقہی سمینار بنگلور کے مشہور دینی ادارہ دارالعلوم سبیل الرشاد میں ۸ تا ۱۱/ جون ۱۹۹۰ء منعقد ہوا۔

☆ اسلامی بینکنگ

☆ مرابحہ

☆ حقوق کی بیع

سمینار کے زیر بحث موضوعات تھے۔ علماء اور جدید علوم کے ماہرین نے چار روزہ اجتماعی غور و مباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز و فیصلوں کو منظوری دی، دینی مدارس اور عصری درسگاہوں کے طلبہ کی بابت بھی اہم تجاویز کی سفارش کی گئی۔

اسلامی بنکاری-ضرورت ورہنما خطوط:

دور حاضر کے مالیاتی اور اقتصادی نظام میں بینک ایک کلیدی حیثیت کا حامل ہے، فاضل سرمایہ کو جمع کر کے مختلف اقتصادی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس کے ذریعہ سرمایہ بھی فراہم ہوتا ہے اور قومی پیداوار میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں بینکنگ ادارے متعدد ایسی خدمات بھی انجام دیتے ہیں جو تجارت، صنعت اور زراعت کے لئے ناگزیر ہیں۔ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کی معاشی جدوجہد اور سرمایہ کاری بھی اس امر کی محتاج ہے کہ وہ

موجودہ بینکوں کی طرف رجوع کریں۔ مگر یہ پورا نظام بینکنگ سود کی بنیاد پر قائم ہے جسے اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سودی نظام غیر عادلانہ اساس پر قائم ہے۔ سود پر مبنی عقد سرمایہ دار کا یہ حق تسلیم کرتا ہے کہ وہ ہر حال میں ایک متعین شرح پر منافع وصول کرے، جب کہ صاحب العمل (Entreneur) کا منافع اس کی اقتصادی جدوجہد کی کامیابی یا ناکامی پر منحصر ہے۔ اسلام کے نزدیک یہ عقد فاسد ہے کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ سود موجودہ زمانہ میں تفریق دولت اور ترکیز سرمایہ (Concentration of Wealth) کا مؤثر ترین ذریعہ بن گیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں موجودہ معاشرہ میں قرض پر دیئے جانے والے سرمایہ (Loan Capital) کو جو تسلط اور قاہرانہ حیثیت حاصل ہوگئی ہے اس کا شعور تقریباً سارے ہی اصحاب فکر کو کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہوگیا ہے۔

سود کے مفاسد کا یہ ایک مجمل بیان ہے، اس کے مضر اور ظالمانہ اثرات کا حصر یہاں ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکیمانہ شریعت انسان کی معاشی جدوجہد کی اہمیت کی نہ صرف یہ کہ منکر نہیں ہے بلکہ وہ اس جدوجہد کو ابتغاء فضل اللہ قرار دیتی ہے۔ یہ شریعت انسانوں کے معاشرہ میں بالعموم اور معاشی جدوجہد کے میدان میں بالخصوص عدل و رحمت، دیانت اور امانت کی نہ صرف مقتضی ہے بلکہ وہ بھی ایسے احکام، اصول اور اقدار بھی فراہم کرتی ہے جن پر ایک صحت مند، عادلانہ اور مشفقانہ نظام معیشت قائم ہوتا ہے، سود کی حرمت فی الحقیقت اسی مقصد کے پیش نظر کی گئی ہے۔ اسلامی نظام معیشت ظالمانہ مقابلہ اور تنافس کے بدلے باہمی اخوت، عدل اور مساوات اور عام انسانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وسیع بنیادوں پر قائم ہے۔

ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ وہ اپنی معاشی سرگرمیوں کو

بھی انہی بنیادوں پر استوار کریں، تا کہ ایک طرف وہ اس نظام عدل ومساوات کے داعی بن سکیں اور دوسری طرف اپنی معاشی اور معاشرتی زندگی کو بہتر اور مضبوط بنیادوں پر قائم رکھ سکیں۔

غیر سودی بنیادوں پر بینکنگ کے نظام کے لئے شریعت حقہ نے جو اصول وضوابط عطا فرمائے ہیں وہ موجودہ دور کے مسائل کا بہتر حل پیش کرتے ہیں، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ اپنی کارکردگی کے اعتبار سے وہ موجودہ طریق تنظیم سے بہتر ہیں۔ان کے اختیار کرنے سے مسلمانوں کی معاشی حالت بھی بہتر ہوگی اور ایسا عادلانہ معاشرہ قائم ہوگا جس کا ہمارا ملک بدرجہ اولیٰ محتاج ہے۔ یہ سمینار سمجھتا ہے کہ مضاربت (Equity Participation)، مشارکت (Partnership) اور مرابحہ (Mark up Pricing) جیسے اصولوں سے قابل عمل اور بہتر نظام بینکنگ قائم کیا جا سکتا ہے، ایسا نظام مالیات اور سرمایہ کاری جو ملک کے لئے ایک پیغام بھی ثابت ہو اور قابل عمل نمونہ بھی۔ البتہ اس سمینار کو اس بات کا مکمل شعور ہے کہ موجودہ عصر کے متعدد مسائل اور سرمایہ کاری کے متعدد وسائل اور معاملات کے پیش نظر ان اصولوں کے انطباق کے لئے ہمیں انتھک جدوجہد کرنا ہوگی، اسلامی نظام بینکنگ کا خاکہ مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کو ملحوظ رکھنا ہوگا:

۱- اسلام سودی نظام تعاقد کی ہر شکل کو حرام قرار دیتا ہے۔

۲- اسلام مالیاتی اور اقتصادی عقد میں جانبین کے لئے عدل کو ضروری شرط قرار دیتا ہے، جس کا مقتضی یہ ہے کہ صاحب المال اور صاحب العمل دونوں کے ساتھ عدل ہو، صاحب المال منافع میں شریک ہو اور سرمایہ کے نقصان کا مکمل ذمہ دار قرار دیا جائے، جب کہ صاحب العمل (مستقرض) نفع میں شریک ہو اور بصورت نقصان وہ اپنی محنت کی اجرت سے محروم ہو۔

۳- زر کو وسیلہ سمجھا جائے نہ کہ مطلوب بالذات، جس طرح بضائع ضروریہ اور عیش وراحت

کے سامان ہوتے ہیں۔

۴- سرمایہ کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھا جائے اور اس کے ذریعہ انسانوں کی حقیقی ضروریات اور ان کی مالی اور اقتصادی استعداد میں اضافہ کا ذریعہ بنایا جائے، برعکس موجودہ طریق تصرف کے، جہاں سرمایہ کو صاحب المال اور بینک اپنی ازدیاد دولت کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

۵- سرمایہ کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ کمزور اور پسماندہ طبقات کی معاشی حالت میں بہتری ہو اور نامنصفانہ تقسیم اور تفریق دولت میں کمی واقع ہو۔اس اصول کے پیش نظر اسلامی بینکوں کو سرمایہ کی تقسیم اور فراہمی کرتے وقت ضروریات، تحسینیات اور کمالیات میں اول الذکر کو ترجیح دینا ہوگا، اور شرح منافع کے ساتھ اس امر کا بھی لحاظ کرنا ہوگا کہ ملت کے کمزور اور ضعیف صاحبان استعداد کی ہمت افزائی کی جائے۔

۶- ان تمام وسائل تمویل سے احتراز کرنا ہوگا جو اگرچہ عصر حاضر میں مروج ہیں لیکن خیانت، دھوکہ اور کتمان حقیقت کے شاہکار ہیں۔

۷- ان اصولی ہدایات اور اسلامی نظام معیشت ومعاشرت کے عمومی مقاصد، اس کی اخلاقی روح، دیانت وصداقت کی عملی اقدار کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا تاکہ یہ کوشش محض ایک میکانکی مشن نہ بن جائے بلکہ حقیقی معنوں میں جاری نظام منافعت، لوٹ کھسوٹ، نفسانیت کی جگہ پر نظام رحمت اور باہمی خیر سگالی اور تعاون کا آئینہ دار ہو۔

اسی مقصد کے پیش نظر سمینار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ماہرین اور علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جائے جو شریعت کے مذکورہ اصول اور اس کی عمومی ہدایات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہندوستان کے حالات اور مسلمانوں کے مسائل کے پیش نظر ایسا نظام مالیات تجویز کرے جو

مسلمانوں کی امنگوں اور ان کی پسندیدہ اقدار کا آئینہ دار بھی ہو اور ان کے حقیقی معاشی مسائل کا حل بھی۔

مرابحہ

یہ سمینار منعقدہ ۸ تا ۱۱/ جون ۱۹۹۰ء مطابق ۱۳ تا ۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ مرابحہ سے متعلق غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہے:

۱- مرابحہ کا فقہاء کے نزدیک ایک متعین مفہوم ہے۔

۲- اسلامی بینکوں میں مرابحہ جن شکلوں میں رائج ہے وہی شکلیں اس سمینار میں زیر بحث ہیں۔

۳- مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ عقود ومعاملات میں مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے محض الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا مرابحہ کے نام پر جو معاملات مروج ہیں ان کی حقیقت کا اعتبار ہے محض ان کے ناموں کا اعتبار نہیں ہے۔

۴- اسلامی بینکوں میں استعمال ہونے والی مرابحہ کی شکلیں مرابحہ کی معروف شرطوں کے ساتھ اسی صورت میں جائز ہوں گی جب کہ:

الف- بینک کی طرف سے جاری کردہ مخصوص فارم (Quotation) میں بینک کے ذریعہ فروخت کی جانے والی اشیاء کی نوعیت، ان کی کیفیت (Quality) اور دوسری ضروری صفات واضح طور پر ذکر کی گئی ہوں تا کہ جہالت اور ابہام کی وجہ سے معاملہ کے ہر دو فریق کے درمیان کسی نزاع کا امکان باقی نہ رہے، نیز اس قیمت خرید یا لاگت پر بینک کو ملنے والے نفع (قیمت)، اس کی ادائیگی کی مدت اور اقساط کی صراحت کر دی گئی ہو۔

ب- یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)۔

غیر سودی امدادی سوسائٹیاں:

تیسرے فقہی سمینار میں غیر سودی امدادی اداروں اور ان سے متعلق مسائل پر غور کیا گیا، یہ سمینار غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ:

۱- ہندوستانی مسلمانوں کے اقتصادی اور معاشی حالات کے پیش نظر ایسے امدادی مالیاتی اداروں کا قیام ضروری اور مفید ہے جو عامۃ المسلمین سے بلاسود قرض حاصل کریں اور ضرورت مند مسلمانوں کو سود کی ادنیٰ آمیزش کے بغیر قرض فراہم کرسکیں۔

ایسے ادارے دراصل رفاہی اور فلاحی ادارے ہوتے ہیں جن کی بنیاد صلہ، احسان اور تعاون پر ہوتی ہے۔

۲- قرض خواہوں سے قرض میں دی گئی رقم سے زائد وصول کرنا، چاہے اس کا کوئی سا بھی طریقہ اختیار کرلیا جائے، ہرگز جائز نہیں، اور قرض سے زائد حاصل کی گئی رقم شرعاً سود ہے۔ لہذا ذاتی مفاد یا ادارے کے مفاد یا دیگر رفاہی اسکیموں پر خرچ کرنے کے لئے بھی قرض سے زائد کوئی رقم وصول کرنا جائز نہیں، نیز ان اداروں میں جمع شدہ رقوم کو فکسڈ ڈپازٹ میں رکھنا اور ان پر سود حاصل کرنا بھی حرام ہے۔

رہا یہ سوال کہ ایسے اداروں سے انتظامی مصارف کس طرح پورے کئے جائیں تو یہ ''فقہی سمینار'' اس کے لئے مندرجہ ذیل طریقوں کو درست قرار دیتا ہے:

الف- ایسے مالیاتی اداروں کو کچھ اصحاب خیر ایک ملی ضرورت سمجھ کر محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے خرچوں سے چلائیں، یعنی انتظامی اخراجات کا بار یہ اصحاب خیر برداشت کریں۔ اگر یہ ادارے مسلمانوں میں اپنا یہ اعتماد حاصل کرلیں کہ یہ خالص شرعی حدود میں عام مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے اور ان کو سودی لین دین سے بچانے کے لئے کام کررہے ہیں اور علماء کرام کی رہنمائی بھی ان کو حاصل ہے تو قوی امید ہے کہ اہل ثروت مسلمان ایسے اداروں کے انتظامی مصارف بلکہ ترقیاتی مصارف کے لئے بھی آگے بڑھیں گے۔

ب- سمینار کی رائے میں ایسے تمام امدادی مالی اداروں کو ہر طور پر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ سرمایہ کا کچھ حصہ پیداواری ذرائع میں لگا کر جائز آمدنی حاصل کی جائے، اور کم از کم اتنی آمدنی ضرور حاصل کرلی جائے جس سے سوسائٹی کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاسکیں۔

ج- سمینار کے شرکاء میں سے متعدد علماء کی رائے یہ ہے کہ اجر الخدمۃ (Service Charge) یا انتظامی اخراجات (Operational Expenses) اگرچہ وہ ضروری اور واقعی اخراجات تک محدود ہوں، قرض خواہوں سے نہیں لئے جاسکتے، بعض علماء کی رائے میں اگرچہ یہ اصلاً جائز ہیں لیکن سود کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے، اس لئے اسے قطعی طور پر ممنوع قرار دیا جانا چاہئے۔

دیگر علماء (شرکاء سمینار) کی رائے میں اس طرح کے اداروں کا قیام مفید اور ضروری ہے، اور اگر اصحاب خیر کی طرف سے تعاون یا پیداواری ذرائع میں سرمایہ لگا کر بقدر ضرورت جائز آمدنی حاصل کرکے بھی ادارہ چلانا ممکن نہیں ہو تو ادارے کے ضروری اور حقیقی انتظامی اخراجات

قرض خواہوں سے وصول کئے جاسکتے ہیں کہ اس ادائیگی کا کوئی نفع نہ سرمایہ جمع کرنے والوں کو پہنچتا ہے اور نہ ادارہ کے لئے ذریعہ آمدنی ہے۔

ان علماء کی رائے میں ان واقعی اور ضروری اخراجات کے تعین میں اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ اصلاً قرض کی جو روح شریعت کے پیش نظر ہے اس کے ساتھ قرض خواہوں سے ان اخراجات کا وصول کرنا میل نہیں کھاتا، لیکن ان اخراجات کے وصول کرنے کی اجازت ناگزیر حالت کی وجہ سے دی جارہی ہے۔ لہٰذا ان اخراجات کے تعین میں حد درجہ احتیاط برتی جائے۔

ضروری اور واقعی اخراجات محتاط انداز کے ساتھ متعین کئے جاسکتے ہیں لیکن اگر حسابی مدت کے پورا ہونے کے بعد یہ معلوم ہو کہ انتظامی اخراجات کی مد میں وصول کی گئی تخمینی رقم حقیقی اخراجات سے زائد ہو تو یہ زائد رقم قرض خواہوں کو وصول کئے گئے خرچ کے تناسب سے واپس کر دینا واجب ہوگا۔

حقوق کی بیع:

یہ سمینار منعقدہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱/ جون ۱۹۹۰ء حقوق کی خرید وفروخت کے مسئلہ پر کافی غور وخوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ:

۱- بیع میں مال کی شرط جوہری ہے۔

۲- مال کی حقیقت نصوص شرعیہ نے متعین نہیں کی ہے۔ پس اس کا اصل مدار ہر عہد کے اس عرف ورواج پر ہے جو شریعت سے متصادم نہ ہو۔

۳- وہ تمام حقوق جن کی مشروعیت اصالۃً نہیں بلکہ صاحب حق سے کسی ضرر کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے، ایسے حقوق پر عوض لینا جائز نہیں جیسے شفعہ۔

۴- جوحقوق نصوص شرعیہ سے ثابت ہوں البتہ ان سے مالی منفعت متعلق ہوگئی اور عرف میں ان کا عوض لینا مروج اور معروف ہو چکا ہو، نیز ان کی حیثیت محض دفع ضرر کی نہ ہو اور نہ وہ شریعت کے عمومی مقاصد و مصالح سے متصادم ہوں، ایسے حقوق پر عوض حاصل کرنا جائز اور درست ہے۔

۵- کون سے حقوق کس نوع میں داخل ہیں، اور اس تفصیل کے مطابق عصر حاضر میں مروج کون سے حقوق قابل عوض ہیں اور کون قابل عوض نہیں ہیں، ان کی تعیین و تطبیق کے لئے مستند دارالافتاء اور اصحاب فتویٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

تجویز: دینی وعصری اداروں کے طلبہ:

یہ سمینار عربی مدارس کے ذمہ داروں سے درخواست کرتا ہے کہ:

۱- طلبہ کو جدید حالات پر احکام شرعیہ کے انطباق کا اہل بنانے کے لئے فقہی سمینار میں آنے والے مسائل اور دوسرے جدید مسائل پر طلبہ کا بین المدارس مذاکرہ منعقد کرائیں، اور اگر مدارس خواہش کریں تو اسلامک فقہ اکیڈمی ایسے مذاکروں میں تعاون کے لئے ممتاز علماء میں سے کسی صاحب سے ایسے مواقع پر شرکت کے لئے درخواست کرسکتی ہے۔

۲- دینی مدارس کے طلبہ کے لئے سمینار یہ بھی مناسب سمجھتا ہے کہ معاشیات اور مختلف عصری علوم کے محاضرات کا نظم کیا جائے تا کہ طلبہ ان علوم کی مبادیات اور اس کی بنیادی فکر کو سمجھ سکیں اور احکام شرعیہ کو ان سے مربوط کرسکیں، اور اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں ممکن تعاون کے لئے تیار ہے۔

یہ سمینار اس بات کی بھی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ عصری درسگاہوں کے طلباء کے

لئے ایسے محاضرات اور کیمپس (Camps) کا نظم کیا جائے کہ اس کے ذریعہ ان کو اسلام کے مختلف شعبوں کی بنیادی تعلیمات، اسلام کے بنیادی اصول تعلیم، اسلامی قانون کی تاریخ اور اس کی ہر عہد میں انسانیت کی رہنمائی کی صلاحیت اور ضروری اصطلاحات سے واقف کرایا جائے۔ سمینار کی خواہش ہے کہ اسلامک فقہ اکیڈمی اس سلسلہ میں مناسب اقدام کرے۔

✧ ✧ ✧

چوتھا فقہی سمینار

☆ انشورنس

☆ دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ

چوتھا فقہی سمینار

منعقدہ: ۲۷-۳۰/محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹-۱۲/اگست ۱۹۹۱ء، سبیل السلام، حیدرآباد)

شہر حیدرآباد کے معروف مدرسہ دار العلوم سبیل السلام میں ۹ تا ۱۲/اگست ۱۹۹۱ء چوتھے فقہی سمینار کا انعقاد ہوا، اس میں پورے ملک کے طول وعرض سے فقہاء وعلماء اور دانشوران کے علاوہ بیرون ملک سے متعدد اہم علمی شخصیات نے شرکت کی، اور:

☆ انشورنس

☆ دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ

کے موضوعات پر پوری فراخدلی کے ساتھ بحث ومباحثہ کی روشنی میں فیصلے کئے، تیسرے سمینار میں اسلامی بینکنگ کے موضوع پر جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، اس کی تیار کردہ اہم اور مفصل رپورٹ بھی اس میں پیش ہوئی اور تجاویز منظور کی گئیں۔

انشورنس:

ہندوستان کے موجودہ حالات میں انشورنس کے جواز یا عدم جواز سے متعلق اکیڈمی کی جانب سے جاری کردہ سوال نامہ کی روشنی میں غور کیا گیا۔ انشورنس جان کا ہو یا مال کا یا دوسری اقسام کا، سبھی پر بحث وگفتگو کی گئی۔ اس سلسلے میں تجویز مرتب کرنے کے لئے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی:

۱-	مولانا عبید اللہ اسعدی (کنوینر)	باندہ
۲-	مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی	لکھنؤ

۳- مولانا سید نظام الدینؒ پٹنہ

۴- مولانا زبیر احمد قاسمیؒ حیدرآباد

۵- مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ دیوبند

۶- مفتی نظام الدین رضوی مبارکپور

۷- مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی عمرآباد

۸- مولانا عتیق احمد قاسمی لکھنؤ

۹- مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی پنجاب

۱۰- مولانا صدرالحسن ندوی اورنگ آباد

۱۱- مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی دیوبند

۱۲- مولانا محمد نوح قاسمی کیرالہ

۱۳- مولانا ریاض الرحمٰن رشادی بنگلور

۱۴- مولانا موسیٰ ابن احمد کیرالہ

۱۵- سید امین الحسن رضویؒ دہلی

کمیٹی نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور یہ محسوس کیا کہ انشورنس کمپنیوں کی پالیسی اس سلسلہ میں واضح نہیں ہے کہ فرقہ ورانہ فسادات میں ہونے والے جانی و مالی نقصانات کو موجودہ انشورنس قانون کی رو سے تحفظ حاصل ہوتا ہے یا نہیں۔

اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ غور کیا جائے اور انشورنس کے ماہرین سے مختلف اسکیموں کے بارے میں پوری معلومات حاصل کی جائیں۔

سمینار کے عام اجلاس میں کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا اور مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں اور ماہرین سے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی قطعی رائے قائم کرے:

۱- مولانا مجیب اللہ ندویؒ	جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ
۲- مولانا برہان الدین سنبھلی	دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۳- مولانا عبید اللہ اسعدی	جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۴- مولانا عتیق احمد بستوی	دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۵- مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیر آبادی	دار العلوم دیوبند
۶- مولانا مفتی احمد خان پوری	جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل، گجرات
۷- مولانا عبد الاحد ازہری	معہد ملت، مالیگاؤں
۸- مفتی منظور احمد کان پوریؒ	جامع العلوم، کان پور
۹- مولانا نظام الدین اشرفی	دار العلوم اشرفیہ، مبارکپور
۱۰- مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ	دار العلوم، دیوبند
۱۱- مفتی عبد القدوس رومیؒ	آگرہ
۱۲- مولانا زبیر احمد قاسمیؒ	دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد
۱۳- مفتی جنید عالم قاسمی	امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ
۱۴- مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی	جامعہ دار السلام، عمر آباد
۱۵- مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی	لکھنؤ
۱۶- جناب عبد الستار یوسف شیخ	ممبئی
۱۷- قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	امارت شرعیہ، پٹنہ

غیر سودی بینکنگ کا مسئلہ:

اسلامک بینکنگ کے موضوع پر کمیٹی کی تفصیلی رپورٹ پیش ہوئی، اس رپورٹ کی تلخیص اردو زبان میں جناب عبد الحسیب صاحب سابق ڈائرکٹر ریزرو بینک آف انڈیا اور

جناب محمد حسین کھٹکھٹے نے شرکاء سمینار کے سامنے پیش کی۔

اس رپورٹ میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ جب تک بینکنگ کے موجودہ قوانین میں ترمیم نہیں کی جاتی اور بینکوں کو تجارت اور صنعت میں براہ راست سرمایہ لگانے کی اجازت نہیں دی جاتی، موجودہ قانون کے تحت غیر سودی اسلامی بینک قائم نہیں کئے جاسکتے۔

رپورٹ میں متبادل کے طور پر ''انڈین کمپنیز ایکٹ'' اور ''کوآپریٹو کریڈٹ'' کے تحت اسلامی مالیاتی اداروں اور غیر سودی سوسائٹیز قائم کرنے کی سفارش کی گئی ہے۔ بعض خاص حالات میں پارٹنرشپ کی گنجائش بھی ہوسکتی ہے۔

رپورٹ کی روشنی میں مضاربت، شرکت، مرابحہ اور اجارہ جیسے اسلامی طریقہ تجارت کو نیز بینکس کی ان خدمات کو اختیار کئے جانے کی سفارش کی گئی ہے جو سود سے پاک ہیں، جنہیں (Non Banking Services) کہا جاتا ہے۔

اس رپورٹ میں ایک ایسے مرکزی ادارہ (وفاق) کے قائم کرنے کی سفارش بھی کی گئی ہے جو اس طرح کے قائم اسلامی مالیاتی اداروں کو کنٹرول کرے، ان کے استحکام اور قابل اعتماد ہونے کے سرٹیفکٹ جاری کرے، نیز اگر ایسے نئے مالی ادارے قائم کئے جانے کا منصوبہ ہوتو پہلے ان کی صلاحیت کار اور قابل اعتماد ہونے کے سلسلے میں ضروری جائزہ لے اور انہیں اس سلسلے میں مفید مشورہ دے، اور ایک مالیاتی ادارہ کے منجمد سرمایہ کو دوسرے مالیاتی ادارہ کے ذریعہ مفید اور جائز کاروبار میں لگانے کا انتظام کرے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ مستند علماء پر مشتمل ایک ایسا بورڈ بھی تشکیل دیا جائے جو وقتاً فوقتاً ان اسلامی مالیاتی اداروں میں اختیار کئے گئے طریق تجارت پر غور کر کے شرعی حیثیت سے رہنمائی کرے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے چوتھے سمینار منعقدہ ۹-۱۲ /اگست بہ احاطہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد، میں بینکنگ کمیٹی کی اس رپورٹ کی تحسین کی گئی، اور شریک علماء وفقہاء وماہرین

کی آراء کو سننے کے بعد طے کیا گیا کہ:

۱- یہ اجلاس اس رپورٹ کو "مجمع الفقہ الاسلامی" کی دستاویزات کے ساتھ ریکارڈ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور بینکنگ کمیٹی کے ارکان کا اس جامع رپورٹ کے پیش کرنے پر شکریہ ادا کرتا ہے۔

۲- یہ سمینار طے کرتا ہے کہ علماء کا ایک بورڈ مجمع الفقہ الاسلامی کے ذریعہ تشکیل دیا جائے جو ماہرین کی طرف سے اس طرح کے اسلامی مالیاتی اداروں میں روزمرہ پیش آنے والے سوالات اور عملی مشکلات جنہیں بینکنگ کے ماہرین کی طرف سے انہیں پیش کیا جائے، وہ ان پر شرعی رائے اور فتویٰ صادر کرے، نیز مذکورہ بالا رپورٹ میں اٹھائے گئے سوالات کا فقہ اسلامی کی روشنی میں جائزہ لے کر ان کا شرعی حل پیش کرے۔

۳- سمینار یہ بھی طے کرتا ہے کہ بینکنگ اور اسلامی اقتصادیات کے ماہرین پر مشتمل ایک مستقل بورڈ تشکیل دیا جائے جو مسلسل اپنا کام جاری رکھے اور ایسے بہتر سے بہتر ممکن العمل مالیاتی اداروں کے قیام کے لئے نمونے تیار کرے جن کی بنیاد پر ایسے اداروں کا قیام عمل میں آسکے جو مختلف مالی خدمات انجام دے سکیں، جن کی ضرورت مسلمانان ہند کو ہے، اور وہ شرعاً درست اور قانوناً قابل عمل ہوں۔

۴- یہ بھی طے کیا گیا کہ علماء کے بورڈ میں ایک یا دو بینکنگ کے ماہرین، اور ماہرین کے بورڈ میں ایک یا دو علماء کو بھی رکھا جائے۔

ڈاکٹر انس زرقاء کی تجویز:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار اکیڈمی سے ایک ایسی آزاد ایجنسی یا باڈی کی تشکیل کے سلسلے میں تعاون کی گزارش کرتا ہے جس کا کام سرمایہ کاری کی ان کمپنیوں کی کارکردگی اور شرعی اصولوں کی پابندی کے بارے میں تازہ ترین معلومات جمع کرنا اور ضرورت پڑنے پر متعلقہ افراد یا اداروں کو وہ معلومات فراہم کرنا ہو۔ اس ایجنسی کو "وکالۃ للمعلومات الاستثماریہ"

(Investment Information Service Agency) کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اس ایجنسی کا یہ بھی کام ہوگا کہ جو لوگ یا جو ادارے شرعی طور پر قابل قبول اور اقتصادی طور پر کامیاب اسکیموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں ان کو بروقت صحیح مشورے دے۔ اگر ایسی ایجنسی کا قیام عمل میں آتا ہے تو اسلامک فقہ اکیڈمی اس ایجنسی کا علمی تعاون کرتی رہے۔

طے پایا کہ یہ تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی انتظامی کمیٹی کے حوالہ کیا جائے جو اس کے قابل عمل اور مفید ہونے کے سلسلے میں تمام پہلوؤں پر غور کر کے کوئی فیصلہ کرے۔

دو ملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ

دو ملکوں کی کرنسیوں کے باہمی تبادلہ کے مسئلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کی طرف سے منعقد ہونے والے دوسرے فقہی سمینار میں یہ طے ہو چکا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیاں دو جنس ہیں جن کا باہمی تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔

چوتھے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے تبادلہ میں عوضین پر فوری قبضہ مجلس عقد میں ضروری ہے یا نہیں؟ شریک علماء کے دو رجحانات سامنے آئے۔ ایک رائے یہ ہے کہ مجلس عقد میں ہر دو عوض پر فوری قبضہ ضروری نہیں، ایک عوض پر قبضہ کافی ہے، کیونکہ نوٹوں کی حیثیت کلی طور پر سونے چاندی جیسی نہیں کہ یہ اعتباری اور اصطلاحی اثمان ہیں۔

علماء کی ایک جماعت اسے خلقی اثمان (سونے چاندی) کی طرح تصور کرتی ہے، اس لئے بدلین پر قبضہ کو مجلس عقد میں ضروری قرار دیتی ہے۔ البتہ یہ حضرات عام طور پر قبضہ کی تعریف کو وسیع کرتے ہوئے ڈرافٹ اور چیک کے حصول کو اصل بدل پر قبضہ کے مترادف قرار دیتے ہیں۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس ہر دو موقر آراء کو سامنے رکھتے ہوئے طے کرتا ہے کہ دو ملکوں کی کرنسیوں کے ادھار تبادلہ میں بہر حال احتیاط برتی جائے، لیکن واقعی حاجت و ضرورت کی صورت میں اول الذکر رائے پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

پانچواں فقہی سمینار

- ☆ انشورنس
- ☆ زکوۃ سے متعلق مسائل

پانچواں فقہی سمینار

منعقدہ: ۳-۶؍جمادی الاول ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر-۲؍نومبر ۱۹۹۲ء، جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ

زکوٰۃ سے تعلق رکھنے والے متعدد جدید مسائل اور فی سبیل اللہ کے مفہوم پر جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں اکیڈمی کا پانچواں سمینار ۳۰، ۳۱؍اکتوبر، یکم و دوم نومبر ۱۹۹۲ء منعقد ہوا، اس میں ہندوستان کے بیشتر صوبوں کے ممتاز علمی وفقہی اداروں اور دارالافتاء کے نمائندوں نے شرکت کی، بیرون ملک سے بھی متعدد اہم علمی شخصیات نے اس میں حصہ لیا، دوسو سے زائد شرکاء نے چار دنوں تک موضوعات کے مختلف گوشوں پر بحث ومباحثہ کے بعد فیصلے کئے، انشورنس کا مسئلہ جو چوتھے سمینار سے زیر غور تھا اس کی بابت بھی تجویز طے پائی۔

ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم:

ہندوستان کے موجودہ حالات اور مسلمانوں کو درپیش ہر آن جان اور مال کے خطرے کو سامنے رکھتے ہوئے جان ومال کے تحفظ اور قیام امن کے سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داریوں اور بسااوقات نہ صرف غفلت بلکہ حکومت کے عملہ کی طرف سے فسادات کی ہمت افزائی اور بعض اوقات اس میں شرکت اور پھر مسلمانوں کے جان ومال کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی میں حکومت کی طرف سے کوتاہی اور اس وجہ سے کہ وہ ہندوستان کی انشورنس کمپنیاں بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت سے ہی متعلق ہیں، ان ہی حالات کی روشنی میں ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کے چوتھے سمینار منعقدہ مورخہ ۲۷-۳۰ محرم ۱۴۱۲ھ مطابق ۹-۱۲؍اگست ۱۹۹۱ء بمقام دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد میں غور کیا گیا تھا۔

شرکاء سمینار کا عام رجحان یہ تھا کہ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے جان ومال کا بیمہ کرانا جائز قرار دینا چاہئے، لیکن دوران بحث یہ نقطہ اٹھایا گیا کہ فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں پہنچنے والے جانی ومالی نقصان کو بیمہ کے ذریعہ رائج انشورنس قانون کے تحت تحفظ حاصل ہے یا نہیں؟ اور مندرجہ ذیل تجویز منظور کی گئی:

''کمیٹی نے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور یہ محسوس کیا کہ انشورنس کمپنیوں کی پالیسی اس سلسلہ میں واضح نہیں ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات میں ہونے والے جانی ومالی نقصانات کو موجودہ انشورنس قانون کی رو سے تحفظ حاصل ہوتا ہے، اور اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس مسئلہ پر تفصیل سے غور کیا جائے اور انشورنس کے ماہرین سے مختلف اسکیموں کے بارے میں پوری معلومات حاصل جائیں، سمینار کے عام اجلاس میں کمیٹی کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا اور مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جو مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر ماہرین سے پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد کوئی قطعی رائے قائم کرے:

۱- مولانا مجیب اللہ ندویؒ	جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ
۲- مولانا برہان الدین سنبھلی	دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۳- مولانا محمد عبید اللہ اسعدی	جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۴- مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی	دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۵- مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی	دارالعلوم دیوبند
۶- مولانا مفتی احمد خان پوری قاسمی	جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل
۷- مولانا عبدالاحد ازہری	معہد ملت، مالیگاؤں
۸- مولانا مفتی منظور احمد کان پوریؒ	جامع العلوم، کان پور
۹- مفتی نظام الدین اشرفی	دارالعلوم اشرفیہ، مبارک پور

۱۰- مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ دار العلوم دیوبند

۱۱- مفتی عبد القدوس رومیؒ آگرہ

۱۲- مولانا زبیر احمد قاسمیؒ دار العلوم سبیل السلام، حیدر آباد

۱۳- مفتی جنید عالم ندوی قاسمی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

۱۴- مولانا خلیل الرحمٰن اعظمی جامعہ دار السلام، عمر آباد

۱۵- مولانا خلیل الرحمٰن سجاد ندوی لکھنؤ

۱۶- جناب عبد الستار یوسف شیخؒ بمبئی

۱۷- قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ امارت شرعیہ، پٹنہؒ

اسلامک فقہ اکیڈمی کے سمینار منعقدہ مورخہ ۳-۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۳۰-۳۱/ اکتوبر اور ۱-۲/ نومبر ۱۹۹۲ء بمقام جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ کے موقع پر اس سلسلہ میں ضروری معلومات اور ان پر غور کر کے کوئی قطعی فیصلہ کرنے کے سلسلہ میں کمیٹی مذکور کے موجودہ ارکان اور مزید دیگر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی نے پوری صورت حال پر غور کیا، اور خاص کر انشورنس کے قانون کی اس دفعہ پر غور کیا گیا جس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ فسادات کی صورت میں جان و مال کو پہنچنے والے نقصانات کو تحفظ نہیں مل سکتا، لیکن اس سلسلہ میں ''لائف کارپوریشن آف انڈیا'' کی جاری کردہ تفصیلات پر غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ اس اعلامیہ کی دفعہ (۱۰) شق (III A. B.) میں فرقہ وارانہ فسادات سے پہنچنے والے نقصانات کا استثناء دراصل دفعہ ۱۰ سے حاصل ہونے والی ان مراعات سے استثناء ہے جن کے تحت حادثاتی موت کی صورت میں اصل انشورنس پالیسی پر مستزاد اضافی رقم دی جاتی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ عام طور پر حادثاتی موت میں اصل انشورنس پالیسی سے زائد رقم دیئے جانے کا پروویژن فرقہ وارانہ فسادات کی صورت میں پہنچنے والے جانی اور مالی نقصانات کو شامل نہیں ہوگا، یعنی اس صورت میں انشورنس پالیسی پر

اضافی رقم نہیں ملے گی، لیکن جتنی بھر انشورنس پالیسی ہے جیسے دیگر عام جانی ومالی نقصانات میں ملتی ہے اسی طرح اس میں بھی ملے گی، اس نقطہ کے واضح ہوجانے کے بعد ''مجمع الفقہ الاسلامی'' کی یہ کمیٹی (مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنؤ نے ۱۹۶۰ء میں انشورنس کے سلسلہ میں جو فیصلہ کیا تھا، نیز ملک کی مؤقر درسگاہ ''دارالعلوم دیوبند'' سے اس بابت جو فتویٰ دیا جاچکا ہے) مجلس کے فیصلے اور دارالعلوم کے فتویٰ کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجہ ذیل قطعی فیصلہ کرتی ہے:

''مروجہ انشورنس اگرچہ شریعت میں ناجائز ہے کیونکہ وہ ربوٰ، قمار، غرر جیسے شرعی طور پر ممنوع معاملات پر مشتمل ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں جبکہ مسلمانوں کی جان ومال، صنعت وتجارت وغیرہ کو فسادات کی وجہ سے ہر آن شدید خطرہ لاحق رہتا ہے، اس کے پیش نظر ''الضرورات تبیح المحظورات'' رفع ضرر، دفع حرج اور تحفظ جان ومال کی شرعاً اہمیت کی بنا پر ہندوستان کے موجودہ حالات میں جان ومال کا بیمہ کرانے کی شرعاً اجازت ہے(۱)''۔

اس فیصلہ پر دستخط کرنے والے اہم علماء کرام کے اسماء گرامی:

۱-	حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی	دارالعلوم دیوبند
۲-	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی	دارالعلوم دیوبند
۳-	حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی	ندوۃ العلماء، لکھنؤ

---

(۱) واضح رہے کہ فقہ اکیڈمی کی طرف سے یہ تجویز اور سمینار میں شریک اہل علم کی طرف سے اس کی تائید کا یہ مطلب نہیں کہ انشورنس مسلمانوں کی حفاظت کا ضامن ہے، اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس انشورنس کے بعد جو بھی صورت پیش آئے اس میں ملنے والی سب رقم انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز ودرست ہوگی، بلکہ اس میں تفصیل ہے اور وہ یہ کہ صرف فسادات کی صورت میں جان ومال کے نقصان کے بعد جو کچھ ملے اور جو حق قانون وضابطہ میں بتایا جائے، اس کے مطابق ملنے والا مال تو انشورنس کرانے والوں کے لئے جائز ودرست ہوگا اور بقیہ صورتوں میں صرف اپنی جمع کردہ رقم کے بقدر لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا، زائد کا نہیں۔ اور انشورنس کی صورت میں زائد کے جواز کی جہت حکومت کی نااہلی اور غیر ذمہ داری کی وجہ سے اس کی طرف سے اور اس پر ضمان کی ہے۔

۴-	حضرت مولانا حبیب اللہ قاسمی	مفتی ریاض العلوم، گورینی
۵-	حضرت مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	مدرسہ احمدیہ ابا بکر پور، ویشالی
۶-	حضرت مولانا زبیر احمد قاسمیؒ	اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی
۷-	حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ	دارالعلوم دیوبند
۸-	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی	امارت شرعیہ، پٹنہ
۹-	حضرت مولانا عتیق احمد بستوی قاسمی	دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۱۰-	حضرت مولانا عزیز الرحمٰن فتح پوری	بمبئی
۱۱-	حضرت مولانا رفیق المنان قاسمی	احیاء العلوم، مبارک پور
۱۲-	حضرت مولانا سید مصطفیٰ رفاعی ندوی	صدرالاصلاح، بنگلور
۱۳-	حضرت مولانا معاذ الاسلامؒ	مرادآباد
۱۴-	حضرت مولانا اشفاق احمد	جامعہ شرعیہ، سرائے میر

(مبتلیٰ بہ کی صواب دید پر اجازت کی گنجائش ہے)

۱۵-	حضرت مولانا عبداللہ مغیثی	اجراڑہ، میرٹھ
۱۶-	حضرت مفتی محمد ارشد قاسمی	اجراڑہ
۱۷-	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	حیدرآباد
۱۸-	حضرت مولانا عبدالجلیل قاسمی	جامعہ اسلامیہ، سمرا چمپارن
۱۹-	حضرت مولانا سلطان احمد اصلاحیؒ	ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڈھ
۲۰-	حضرت مولانا محمد جنید عالم ندوی قاسمی	دارالافتاء امارت شرعیہ، پٹنہ
۲۱-	حضرت مولانا مفتی نسیم احمد قاسمیؒ	رفیق اسلامک فقہ اکیڈمی
۲۲-	حضرت مولانا بدر احمد مجیبی ندوی	خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

۲۳- حضرت مولانا نجیب احمد قاسمی	جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ
۲۴- حضرت مولانا محمد صدر الحسن ندوی	اورنگ آباد
۲۵- حضرت مولانا شبیر احمد	مدرسہ شاہی، مرادآباد

(احقر کو املاک کے بیمہ سے اتفاق ہے جیون کے جواز سے اتفاق نہیں ہے)۔

۲۶- حضرت مولانا محمد عبدالرحیم قاسمی	جامعہ حسینیہ خیر العلوم، بھوپال
۲۷- حضرت مولانا مبارک حسین ندوی قاسمی	نیپال
۲۸- حضرت مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی	دارالعلوم گورکھپور
۲۹- حضرت مولانا شمیم احمد	جامعۃ مفتاح العلوم مئو
۳۰- حضرت مولانا سعید الحق قاسمی صاحب مدنی	دارالقرآن مئو
۳۱- حضرت مولانا محمد یوسف قاسمی	جامعہ امداد العلوم زید پور، بارہ بنکی
۳۲- حضرت مولانا سرفراز احمد	جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور
۳۳- حضرت مولانا افضال احمد قاسمی	خطیب مسجد نیو پاٹلی پترا کالونی، پٹنہ
۳۴- حضرت ڈاکٹر سید قدرت اللہ باقویؒ	دار قدرت، میسور، کرناٹک
۳۵- حضرت مولانا عبدالقیوم پالن پوری	مدرسہ جامعہ نذیریہ، کاکوسی، گجرات
۳۶- حضرت مولانا عبداللہ قاسمی	استاد جامعہ اسلامیہ، بنارس
۳۷- حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی پالن پوری	دارالعلوم چھاپی، گجرات
۳۸- حضرت مولانا محمد عمران مظاہری	دارالعلوم چھاپی، گجرات
۳۹- حضرت مولانا محمد قمر الزماں	مدرسہ بیت المعارف، الٰہ آباد
۴۰- حضرت مولانا تنویر عالم قاسمی	مدرسہ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی
۴۱- حضرت مولانا مفتی انور علی اعظمی	دارالعلوم مئو

۴۲- حضرت مفتی اقبال احمد	دارالعلوم دیوبند
۴۳- حضرت مولانا شعیب اصلاحیؒ	مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ
۴۴- حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ	قاضی شریعت بہار واڑیسہ، پٹنہ
۴۵- حضرت مولانا مجیب اللہ ندویؒ	جامعۃ الرشاد، اعظم گڈھ
۴۶- حضرت مولانا بدرالحسن قاسمی	کویت
۴۷- حضرت مولانا عبیداللہ اسعدی	استاد جامعہ عربیہ، ہتھورا، باندہ
۴۸- حضرت مولانا محمد راشد	دارالعلوم دیوبند
۴۹- حضرت مولانا مفتی جمیل احمد نذیری	استاد جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارک پور
۵۰- حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	شعبۂ معاشیات، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ
۵۱- حضرت مولانا شمس پیرزادہؒ	بمبئی

(اضطراری صورت ہی میں اجازت دی جاسکتی ہے)

۵۲- حضرت مولانا نذیر احمد قاسمی	بارہ بنکی

(ضرورت شدیدہ کا لحاظ ضروری ہے)

۵۳- حضرت مولانا خبیب احمد قاسمی	اسلامک فقہ اکیڈمی پھلواری شریف، پٹنہ

حاجت اصلیہ (زکوۃ میں بنیادی حاجت):

وجوب زکوٰۃ کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ آدمی کے پاس جو مال ہے وہ اس کی حاجت اصلیہ سے زائد ہو، حوائج اصلیہ میں جو امور قابل اعتبار ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱- اپنے اور اپنے اہل وعیال نیز زیر کفالت رشتہ داروں سے متعلق روزمرہ کے اخراجات۔

۲- رہائشی مکان کپڑے، سواری، صنعتی آلات، مشینیں اور دیگر وسائل رزق جن کے

ذریعہ کوئی شخص اپنی روزی کماتا ہے۔

۳- حوائج اصلیہ کا تعین ہر زمانہ، علاقہ اور افراد کے حالات اور ان کے معیار زندگی کی روشنی میں ہوگا۔

۴- حوائج اصلیہ کے مد میں ضروریات زندگی اور روزمرہ پیش آنے والے اخراجات داخل ہیں، اور اعتبار سال بھر کے اخراجات کا ہوگا، اور آئندہ سال کی ضرورت کے لئے جو سرمایہ محفوظ رکھا جائے گا زکوۃ نکالتے وقت حوائج اصلیہ میں شمار ہوکر اموال زکوۃ سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

دَین (قرض) کی زکوۃ:

مقالہ نگاروں کی آراء اور مباحثوں کو سامنے رکھ کر یہ سمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ:

۱- دَین کی دو قسمیں ہیں: وہ دَین جس کے وصول ہونے کی کوئی امید نہ ہو، جیسے ڈوبی ہوئی رقم، اور وہ دَین جس کے وصول ہونے کی پوری امید ہو۔ جس دَین کے وصول ہونے کی کسی وجہ سے امید ختم ہوگئی ہو اگر وہ دَین کبھی وصول ہو جائے تو وصولی کے دن سے ایک سال گذرنے کے بعد ہی زکوۃ واجب ہوگی۔

۲- مقروض اگر قرض دہندہ کے مطالبہ واصرار کے باوجود اس حد تک ٹال مٹول سے کام لے کہ دائن اس کی وصولیابی سے مایوس ہو جائے تو اس مال کی زکوۃ قرض دہندہ پر واجب نہ ہوگی، اگر ایسا قرضہ کبھی وصول ہو جائے تو اس پر سال گذرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوگی۔

۳- جس دَین کا وصول ہونا متوقع ہو اس کی تین صورتیں ہیں:

الف- وہ دَین قرض کی صورت میں ہو، یا سامان تجارت کی قیمت کسی کے ذمہ باقی ہو، ایسے دیون میں وصول ہونے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ بھی ادا کرنی ہوگی۔

ب- وہ دَین جو ایسے مال کے عوض ہو جو تجارت کے لئے نہیں تھا اور نہ قرض کے طور پر دیا

گیا تھا، جیسے مال وراثت یا مال وصیت۔

ج- ایسا دَین جو کسی مال کا عوض نہ ہو جیسے مہر، ان دونوں صورتوں میں دَین وصول ہونے کے بعد سال گذر جانے پر زکوٰۃ واجب ہوگی، گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

۴- سرکاری یا غیر سرکاری اداروں سے لئے جانے والے طویل المیعاد قرضوں کی صورت میں ہر سال جو قرض کی قسط ادا کرنی ہے اموال زکوٰۃ میں سے منہا کی جائے گی، اور باقی اموال زکوٰۃ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، پورا قرض منہا نہیں کیا جائے گا۔

تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دوکان ومکان میں دی گئی ڈپوزٹ کی رقم پر زکوٰۃ:

۱:الف- مال تجارت جس کی مشتری (خریدار) نے پیشگی قیمت ادا کردی ہے لیکن مبیع (خریدے ہوئے سامان) پر اس کا قبضہ نہیں ہوا ہے تو اس ادا کردہ قیمت کی زکوٰۃ خریدار پر واجب نہیں ہوگی، بلکہ بائع (فروخت کرنے والے) پر واجب ہوگی۔

ب- مبیع (فروخت شدہ مال) کی زکوٰۃ بیع سلم (یعنی وہ تجارت جس میں قیمت پہلے ادا کی جاتی ہے اور خریدار کو مال ایک مدت کے بعد متعین تاریخ کو وصول ہوتا ہے، جیسے کسان کاشتکاری کے وقت نقد قیمت لے کر گندم یا چاول اس شرط پر فروخت کردیتے ہیں کہ وہ آئندہ فلاں متعین تاریخ کو فلاں قسم کا گندم یا چاول خریدار کے حوالہ کردے گا) اور بیع استصناع (یعنی وہ بیع جس میں خریدار کے آرڈر پر کوئی متعین چیز تیار کر کے صنعت کار حوالہ کرنے کا معاملہ طے کرتا ہے اور اس میں طے شدہ قیمت کل کی کل یا کچھ حصہ پہلے ادا کردیا جاتا ہے) کی صورت میں مشتری (خریدار) کو مبیع (فروخت شدہ مال) سونپے جانے سے قبل بائع پر واجب ہوگی، اور بیع سلم اور بیع استصناع کے

علاوہ بیع کی وہ شکل جس میں مبیع کی تعیین ہوچکی ہے لیکن مشتری کا اس پر قبضہ نہیں ہوا ہے، تو اس کی زکوٰۃ بھی مشتری پر واجب نہیں ہوگی۔

۲- کرایہ دار کی طرف سے مالک مکان ودوکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم (Security Deposit) پر زکوٰۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی۔

شرکاء سمینار میں سے کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ مالک مکان پر ہوگی، اور دوسری رائے یہ ہے کہ اس مال کی زکوٰۃ کسی پر نہیں ہوگی۔

ہیرے وجواہرات پر زکوٰۃ:

الف- جو ہیرے جواہرات تجارت کی نیت سے خریدے گئے ہوں ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب ہوگی۔

ب- جو ہیرے جواہرات زیورات وغیرہ کے لئے خریدے گئے ہوں، ان کی زکوٰۃ مالک پر واجب نہیں ہوگی۔

ج- ایک رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ لوگ بڑی بڑی رقوم ہیرے جواہرات کی خرید پر صرف کردیتے ہیں اور اپنی نقد رقوم کو ہیرے جواہرات میں بدل کر مختلف مصالح کے تحت محفوظ کرلیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی کے سمینار میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ اس صورت میں لاکھوں لاکھ کی نقد رقم ہیرے جواہرات کی صورت میں ان کے پاس محفوظ ہوجاتی ہے جو کسی بھی وقت نقد کی صورت میں منتقل ہوسکتی ہے۔ بحث کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی کہ اس مسئلہ میں ایک جہت تو یہ ہے کہ ہیرے جواہرات، سونا چاندی نہیں ہیں جو خلقتاً نامی تسلیم کئے گئے ہیں، اور اس شخص کا کام ہیرے جواہرات کی تجارت بھی نہیں ہے اور نہ فوری طور پر خریدتے وقت باضابطہ تجارت کی نیت کی گئی ہے تا کہ بسبب مال تجارت ہونے کے اسے نامی قرار دیا جائے، اس جہت کا تقاضہ یہ

ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ ہیرے جواہرات ضروریات زندگی میں داخل نہیں اور اصحاب سرمایہ اپنے خاص مصالح کے لئے اپنے روپیوں کو جن کی مقدار غیر معمولی حد تک زائد ہوتی ہے، ہیروں اور جواہرات کی صورت میں محفوظ کر کے مختلف فوائد بھی حاصل کرتے ہیں، اور انہیں اس طرح اس کا اطمینان بھی رہتا ہے کہ ان ہیروں اور جواہرات کی صورت گویا ''زرنقد'' ہر دم ان کے پاس محفوظ ہے، اور اس کے نتیجہ میں فقراء کو شدید نقصان ہوتا ہے کہ نقد رقوم میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو عام حالات میں ہیرے جواہرات کی صورت میں عام اصول کے پیش نظر واجب نہیں ہوتی۔

سمینار میں شریک علماء واصحاب افتاء میں سے ایک خاصی تعداد نے پہلی جہت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی کہ اس خاص صورت میں محفوظ ہیرے جواہرات کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

جبکہ دوسری بڑی تعداد علماء واصحاب افتاء کی تھی جنہوں نے دوسری جہت کو سامنے رکھتے ہوئے اس خاص صورت میں ذخیرہ کئے ہوئے ہیرے جواہرات کو حکماً مال تجارت تسلیم کیا اور اس پر زکوٰۃ واجب قرار دیا۔ ہر دو جہت کے مطابق رائے رکھنے والے ممتاز علماء کے اسمائے گرامی ذیل میں علاحدہ علاحدہ درج کئے جاتے ہیں:

وجوب زکوٰۃ کے قائلین حضرات کے نام:

۱-	قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	نئی دہلی
۲-	مولانا طیب الرحمٰن امیر شریعت	آسام
۳-	مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب	بمبئی

۴- مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ — مئو
۵- مولانا مجیب اللہ ندویؒ — اعظم گڈھ
۶- مولانا شمس پیرزادہؒ — بمبئی
۷- مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب — پٹنہ
۸- مولانا عبدالرحیم قاسمی — بھوپال
۹- مولانا مفتی عبدالرحمٰنؒ — دہلی
۱۰- مولانا زبیر احمد قاسمیؒ — سیتامڑھی
۱۱- مولانا رفیق المنان صاحب — مبارک پور
۱۲- مولانا مفتی نذیر احمد صاحب — بارہ بنکی
۱۳- مولانا محمد شعیب صاحب — سرائے میر
۱۴- مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب — لکھنؤ

عدم وجوب زکوٰۃ کے قائلین کے نام:

۱- مولانا مفتی برہان الدین سنبھلی — لکھنؤ
۲- مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی — دیوبند
۳- مولانا نعمت اللہ قاسمی — دیوبند
۴- مولانا محمد عبید اللہ اسعدی — باندہ
۵- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی — حیدرآباد
۶- مولانا نسیم احمد قاسمیؒ — پٹنہ
۷- مولانا صدر الحسن ندوی — اورنگ آباد

۸-   مولانا محی الدین   گجرات

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ:

پراویڈنٹ فنڈ (تنخواہ سے لازمی طور پر وضع ہونے والی رقم) جب تک اس پر قبضہ نہ ہوجائے اس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، جب یہ رقم وصول ہوجائے اور بقدر نصاب ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے تو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

بعض اوقات کچھ لوگ قانون انکم ٹیکس کی زد سے بچنے یا دیگر مصالح کی خاطر اختیاری طور پر اپنی تنخواہ سے کچھ زائد رقم وضع کرا کر پی ایف (.P.F) جمع کراتے ہیں۔ یہ رقم اگر قدر نصاب کو پہنچ جائے تو سال بہ سال زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔ اس اختیاری وضع کرائی ہوئی رقم کی حیثیت ودیعت کی ہے اور مال ودیعت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

وظیفہ طلبہ:

مدرسہ میں طلباء کے قیام وطعام اور تعلیم وغیرہ پر جو مجموعی مصارف آتے ہیں، ان کا حساب لگا کر ہر طالب علم پر واجب الادا ماہانہ اخراجات کے بقدر مد زکوٰۃ سے ادا کئے جائیں۔ یہ ادائیگی بصورت نقد یا چیک طالب علم کو دی جائے، اور خود مہتمم مدرسہ بھی یہ رقم زکوٰۃ اکاؤنٹ سے نکال کر مدرسہ کے عام اکاؤنٹ میں اس کی طرف سے جمع کرسکتا ہے، بشرطیکہ بوقت داخلہ، فارم داخلہ میں طالب علم کی طرف سے اور اگر نابالغ ہو تو اس کے ولی کی طرف سے یہ تصریح کرادی جائے کہ مہتمم مدرسہ اس کی طرف سے از مد زکوٰۃ اس کے اخراجات مدرسہ کو ادا کرنے کا مجاز ہوگا۔

مدرسہ کے سفرا، محصلین اور مہتمم کی حیثیت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل مدارس زکوٰۃ وصدقات کی جو رقمیں وصول کرتے ہیں فوری طور پر خرچ نہیں ہوتیں، اور بسا اوقات خاصے عرصہ تک باقی رہ جاتی ہیں جس کی وجہ سے ادائیگی

وعدم ادائیگی زکوٰۃ کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے۔ لہذا فقہ اکیڈمی میں اس سے متعلق سوالنامہ کے جوابات کی روشنی میں ذیل کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

زکوٰۃ کی وصولی میں مہتمم یا اس کا نائب (سفیر و محصل) طلبہ کا وکیل ہے۔ مہتمم یا اس کے نائب (سفیر و محصل) کو دے دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ مہتمم مدرسہ کا فرض ہے کہ زکوٰۃ کی رقم حسب احکام شرع طلبہ پر صرف کرے۔

اموال مدرسہ پر زکوۃ:

زکوٰۃ کی جو رقم مدارس یا بیت المال میں اکٹھا ہوتی ہیں ان کا کوئی مالک متعین نہیں، اسی طرح جو رقم از قسم عطایا وصدقات نافلہ اداروں کو مطلق وجوہ خیر میں صرف کرنے کے لئے یا متعین مدات پر صرف کرنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ دینے والوں کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوجاتی ہیں، اس لئے بیت المال، مدارس یا دیگر رفاہی اداروں میں جمع شدہ رقوم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی:

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے پانچویں سمینار منعقدہ جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ میں کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولی کا موضوع زیر بحث آیا۔

مقالات اور شرکاء کے مباحثات کی روشنی میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کمیشن پر زکوٰۃ کی وصولیابی کا مروجہ طریقہ جائز نہیں۔

مال حرام کی زکوٰۃ:

۱- مال حرام کسی کی ملکیت میں آئے اور وہ بعینہ موجود ہو، نیز مال کا اصل مالک معلوم ہوتو

اس شخص کو وہ پورا مال لوٹا دینا واجب ہے۔

۲- اگر مال حرام متعین طور پر معلوم نہ ہو سکے یا اس کی تعداد معلوم نہ ہو سکے تو غالب گمان کے مطابق مال حرام کی مقدار متعین کی جائے گی۔ اگر مالک معلوم ہو تو اتنی مقدار میں رقم اس کے مالک کو واپس کر دی جائے، اور اگر مالک معلوم نہ ہو تو اسی مقدار میں بلا نیت ثواب صدقہ کر دیا جائے۔

۳- اگر مال حرام کی واپسی اس پر واجب ہوئی اور اس نے واپس نہیں کیا اور مال حرام اس کے قبضہ میں باقی رہ گیا اور مال کا کوئی انسان مطالبہ کرنے والا نہیں ہے، ایسی صورت میں اس مال کی زکوٰۃ ادا کرنی بھی واجب ہوگی، اور زکوٰۃ ادا کرنے کے باوجود حقدار کو حق لوٹانے یا حق دار کے معلوم نہ ہونے کی صورت میں بلا نیت ثواب صدقہ کرنے کا حکم باقی رہے گا۔

مال حرام میں اصل یہی ہے کہ اگر ایسے مال کا طلب کرنے والا مالک موجود ہو تو اس کو واپس کر دیا جائے ورنہ صدقہ کر دیا جائے، اور اگر حرام وحلال مال مخلوط ہو تو تحری ورجحان قلب کے مطابق مال حلال کی مقدار متعین کر کے اس کی زکوٰۃ دی جائے، مال حرام میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مگر استحسان کا تقاضہ یہ ہے کہ پورے کے پورے مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے تاکہ یقینی اور اطمینان بخش طریقہ پر زکوٰۃ ادا کرنے والا فریضہ زکوٰۃ سے بری الذمہ ہو جائے، اور ظالمانہ اور حرام طریقوں سے لوگوں کے مال سے فائدہ اٹھانے والوں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ نیز ایسا نہ ہو کہ مال حرام کھانے والا دوطرفہ فائدہ اٹھائے، اس طرح ایک طرف مال حرام سے انتفاع کرے اور زکوٰۃ سے بھی بچ جائے۔

فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟

۱- شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آیت مصارف زکوٰۃ [سورۂ توبہ: ۶۰] نے جن

آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کو محدود کردیا ہے ان میں وہ قطعی ہے، اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا جاسکتا، اور آیت مصارف زکوٰۃ [سورۃ توبہ: ٦٠] میں مذکور آٹھ مصارف میں زکوٰۃ کا حصر حقیقی ہے اضافی نہیں ہے۔

۲- اس آیت میں مذکور ''فی سبیل اللہ'' کا مصداق عام شرکائے سمینار کے نزدیک غزوہ اور جہاد عسکری ہے، بعض شرکاء سمینار کا نظریہ یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' میں عسکری جہاد کے ساتھ وہ تمام کوششیں شامل ہیں جو آج کے دور میں واقعتاً دعوت اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے کی جارہی ہوں، ان حضرات کے نام یہ ہیں:

مولانا شمس پیرزادہؒ

مولانا ڈاکٹر سلطان احمد اصلاحیؒ

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی

شیخ محمد محروس المدرس عراقی کی رائے یہ ہے کہ ''فی سبیل اللہ'' کے مفہوم میں عموم ہے۔

۳- عام شرکاء سمینار کا خیال یہ ہے کہ دور حاضر میں دینی اور دعوتی کاموں کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی میں پیش آنے والی دشواری کے باوجود شرعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ زکوٰۃ کے ساتویں مصرف ''فی سبیل اللہ'' کا دائرہ وسیع کرکے اس میں تمام دینی اور دعوتی کاموں کو شامل کرلیا جائے، کیونکہ قرون اولیٰ میں اس تعمیم وتوسیع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، نیز ایسا کرنے سے مسلمانوں کے محتاج، نادار اور افلاس زدہ طبقہ کی مالی زکوٰۃ کے ذریعہ کفالت جو زکوٰۃ کا اہم ترین مقصد ہے، فوت ہوجائے گا۔ اس نقطہ نظر سے ان حضرات کا اختلاف ہے جنہیں دفعہ ۲ سے اختلاف ہے۔

✧ ✧ ✧

چھٹا فقہی سمینار

☆ عشری وخراجی اراضی

چھٹا فقہی سمینار

۱۷-۲۰ رجب ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۳ء - ۳ جنوری ۱۹۹۴ء، جامعہ دار السلام، عمر آباد

ہندو بیرون سے تقریباً ڈیڑھ سو علماء و فقہاء، دانشوران و ماہرین اور ارباب افتاء و تحقیق کی شرکت سے منعقد ہونے والے اس سمینار میں اراضی ہند کی شرعی حیثیت اور اسلام کے نظام عشر و خراج کے موضوع پر غور و خوض کیا گیا، اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز سے متعلق بھی متعدد سوالات زیر بحث آئے، مباحثہ کے بعد جو فیصلے طے پائے اور تجاویز منظور ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

عشری و خراجی اراضی:

شریعت اسلامی نے جس طرح دوسرے اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے، زرعی پیداوار سے بھی غرباء کا حق متعلق کیا ہے، جس کو عشر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب وسنت کی ہدایات اور قرون خیر کے تعامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

۱- وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کرلیا ہو۔

۲- کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا اور مفتوحہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی ہوں۔

۳- جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو بطور جاگیر عطا کی گئی ہوں۔

۴- جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں جن کی فقہاء نے حد بندی کردی ہے۔

۵- مسلمانوں کی رہائشی زمینیں جو قابل کاشت بنائی گئی ہیں، اور ان کے قرب وجوار کی زمینیں بھی عشری ہیں۔

۶- مسلمان ملک کی افتادہ زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو، اور ان کے قرب وجوار کی زمینیں بھی عشری ہوں۔

اور درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

۱- مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔

۲- وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے صلح کرلی ہو اور زمین انہیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

۳- مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

۴- جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کی دی گئی ہوں۔

البتہ اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے اس لئے مسلمانوں کے حق میں اصل ''عشر'' ہے، اور چونکہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لئے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے۔ عشر کے سلسلے میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱- ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ نہ ان میں عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

۲- ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

الف- مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

ب- جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بہ خوشی مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

ج- جو زمینیں عرصۂ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

جو مزروعہ یا افتادہ زمینیں حکومت ہند سے مسلمانوں کو حاصل ہوں۔ اس صورت کو بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

۳- جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سمینار کی رائیں مختلف ہیں: بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان کی تمام زمینیں عشری ہیں، اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے۔

تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔

ادائیگی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی:

۱- بعض شرکاء کی رائے میں خراج واجب نہیں ہوتا۔

لیکن جو شرکاء سمینار ہندوستان کی خراجی زمینوں میں خراج لازم قرار دیتے ہیں اور خراج کو حق شرعی قرار دے کر واجب الادا کہتے ہیں، ان کا رجحان یہ ہے کہ زمین کا سرکاری لگان

ادا کرنے سے خراج شرعی ادا نہیں ہوگا، بلکہ مسلمان مالک زمین پر لازم ہے کہ خراج خود نکال کر مصارف خراج میں صرف کرے۔

اور بعض شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ خراج شرعی سے سرکاری لگان منہا کرنے کے بعد خراج کی باقی مقدار مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔

۲- ہندوستان کی خراجی زمینوں پر خراج مقاسمہ لازم ہے یا خراج موظف؟

اس سلسلے میں بعض شرکاء سمینار نے ادائیگی اور حساب کی سہولت کے پیش نظر تمام خراجی زمینوں میں خراج مقاسمہ لازم قرار دیا ہے۔

لیکن وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک جن زمینوں کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح اسلامی کے بعد ان پر خراج مقاسمہ لازم قرار دیا گیا تھا (مثلاً گجرات وراجپوتانہ) ان میں خراج مقاسمہ لازم ہوگا، اور اس کی مقدار وہی ہوگی جو اسلامی فتوحات کے وقت متعین کی گئی، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراج موظف کی ادائیگی لازم ہوگی۔

۳- وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر شرکاء سمینار نے توظیف عمری کو بنیاد بنا کر غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب ایک درہم نقد (یعنی ساڑھے تین ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور پیداوار میں سے ایک صاع (یعنی تین کلو تین سو پچیس گرام) لازم قرار دیا ہے، اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب پانچ درہم یا اس کی قیمت، اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ پر فی جریب دس درہم چاندی یا اس کی قیمت لازم قرار دی ہے۔

زمینی پیداوار، درخت وسبزیوں پر عشر:

۱- زکوٰۃ کی طرح عشر بھی ایک فریضہ ہے جس کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے، قرآن کریم میں

اہل ایمان کو پاکیزہ کمائی سے زکوٰۃ اور زمینی پیداوار سے عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

(يَـاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنفِقُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ)[البقرہ:۲۶۷]۔

عشر زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کے عمومی دلائل، شرکاء سمینار کے مقالات وآراء پر غور وخوض کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ:

۱- بشمول گھاس ودرخت وغیرہ ہر ایسی زمینی پیداوار پر عشر واجب ہے جس کی پیداوار سے مقصود نماء ہوتی ہے اور جسے آمدنی کی غرض سے پیدا کیا جاتا ہے، لہذا تمام غذائی اجناس، میوہ جات، پھلوں اور پھولوں پر عشر واجب ہے۔ البتہ خودرو درخت اور گھاس جن سے حصول آمدنی مقصود نہ ہو اس پر عشر واجب نہیں۔

۲- وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں جیسے صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ، اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لئے خاص کرلیا گیا ہو اور ان کی کاشت سے آمدنی مقصود ہے، تو ایسے درختوں کے تیار ہونے میں چاہے جتنی مدت درکار ہو، کاٹے جانے کے وقت ان سے یا ان کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی واجب ہوگی۔

۳- وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں اور جن سے مقصود آمدنی ہو، ان میں عشر واجب ہے۔ البتہ اپنے مکان کے گردوپیش کی افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر لگائی جانے والی سبزیاں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

مزارعت (بٹائی) والی کاشت پر عشر

جن عشری زمینوں کی کاشت بطور بٹائی کے کرائی جاتی ہے، ان کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے سلسلے میں سمینار نے غور وفکر کیا اور اس سے متعلق آئے ہوئے تمام مقالات کا جائزہ لے کر اس نتیجے پر پہنچا کہ:

۱- اگر زمین کا مالک اور بٹائی دار دونوں مسلمان ہوں تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

۲- اگر مالک زمین مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہو تو مسلمان مالک پر اس کے حصہ کے بقدر میں واجب ہوگا۔

اخراجات زراعت کی منہائی کا نصاب:

۱- فقہی سمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائیگی سے پہلے اصلی پیداوار سے منہا کیا جائے تاکہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔

سمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے منصوص مقادیر ہیں، اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی وزیادتی کو اساس تسلیم کرتے ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے، اور دیگر کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے، اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کردی ہے اس میں عقل

وقیاس کا دخل نہیں، اور نہ کسی کو مقدار واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔ دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں، پیداوار کی مقدار میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا سمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصلی پیداوار سے منہا نہیں کئے جائیں گے۔

۲- حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض احادیث کے عموم کے پیش نظر وجوب عشر کے لئے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں ہے۔ ہر وہ شئ جو زمین سے پیدا ہو، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ ودیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث ''لیس فیما دون خمسۃ أوسق صدقۃ'' کی روشنی میں پانچ وسق سے کم اگر پیداوار ہوتو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ سمینار کی رائے میں چھوٹے کاشت کار، یا قدرتی آفات کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوب عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسے حالات میں جبکہ کسی کاشت کار کی کل پیداوار پانچ وسق یعنی چھ کوئنٹل ۵۳ کلوگرام سے کم ہوتو صاحبین ودیگر جمہور ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ بعض شرکاء کا رجحان ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہے۔

مکھانہ، مچھلی وریشم پرعشر:

۱- پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ زمینی پیداوار میں سے ہیں، اوران سے استغلال ارض ہوتا ہے، اس لئے ان پرعشر واجب ہوگا۔

۲- تالابوں میں بغرض تجارت مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے۔ یہ زمینی پیداوار میں سے نہیں بلکہ اموال تجارت میں سے ہیں، اس لئے ان پر عشر کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ مال تجارت کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۳- اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشم پیدا کرنے کے لئے کی جاتی ہے، اور شہتوت کے پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی غذا حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، تو یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ جن اراضی کو شہتوت کے پتوں کے ذریعے ذریعہ آمدنی بنایا جاتا ہے ایسی اراضی پر شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے میں پتوں پر عشر واجب نہیں، اس سے حاصل شدہ ریشم پر زکوٰۃ اموال اپنی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی۔

مکان، چھت، گردوپیش کی افتادہ اراضی اور اراضی اوقاف پرعشر:

مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گردوپیش کی افتادہ اراضی میں ہونے والی سبزیاں، پھلوں وغیرہ، اسی طرح اوقاف کی اراضی خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں عشر واجب ہے یانہیں؟ ان مسائل پر غور وخوض کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا:

۱- چونکہ وجوب عشر کے لئے زمین کا عشری ہونا شرط ہے، اور مکان کی زمین نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی، اس لئے مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان

کے گردوپیش کی افتادہ اراضی کی سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۲- چونکہ وجوب عشر کے لئے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے۔ نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں، اس لئے اراضی اوقاف میں بھی عشر واجب ہوگا، خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔

اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے چھٹے فقہی سمینار میں بینکنگ اور شیئرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث آئے اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے:

۱- اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزروبینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فیصد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے، اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے، تو شرکاء سمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا جائے، اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے۔

۲- ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے، اسلامی مالیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان ان کے شیئرز خرید سکتا ہے۔

۳- ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، ان کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

بینکنگ وشیئرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سمینار میں پیش کئے گئے، ان کے

متعلق یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پورے طور پر تحقیق و تنقیح کے لئے ماہرین وعلماء کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے، تاکہ وہ غور وخوض کے بعد کسی آخری رائے تک پہنچ سکیں۔

✧✧✧

ساتواں فقہی سمینار

☆ ضرورت وحاجت شرعی

☆ مشینی ذبیحہ

☆ رؤیت ہلال

ساتواں فقہی سمینار

منعقدہ: ۲۶-۲۹ / رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۳۰ / دسمبر ۱۹۹۴ تا ۲ / جنوری ۱۹۹۵، دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ، گجرات

ساتویں فقہی سمینار میں صوبہ گجرات کے مدارس کی بھرپا ر نمائندگی کے علاوہ ملک کے گوشہ گوشہ سے تقریباً تین سو علماء وفضلاء اور اہل دانش نے درج ذیل موضوعات پر غور وخوض کیا:

☆ ضرورت وحاجت شرعی

☆ مشینی ذبیحہ

☆ رؤیت ہلال

ضرورت و حاجت کے موضوع پر تفصیلی فیصلے کئے گئے، مشینی ذبیحہ سے متعلق دیگر تفصیلات تو طے پاگئیں، لیکن مشین کے ذریعہ ذبح کی مخصوص شکل کے سلسلہ میں اختلاف رائے باقی رہا، اور اس خاص جزئیہ میں مزید غور وفکر کے لئے فیصلہ کو ملتوی کردیا گیا۔ رؤیت ہلال کے مسئلہ کو خصوصاً ہندوستان میں علمی سے زیادہ انتظامی اعتبار سے قابل غور محسوس کرتے ہوئے اسے بھی آئندہ کے لئے ملتوی کردیا گیا، جن موضوعات اور مسائل پر فیصلے طے پائے وہ درج ذیل ہیں:

ضرورت وحاجت:

اسلامی شریعت کا دائرہ کسی زمانہ یا ملک وقوم تک محدود نہیں ہے، بلکہ قیامت تک آنے والے تمام مسلمانوں کے لئے اسلامی شریعت پر عمل کرنا واجب ہے، اسلامی شریعت جس طرح ان ممالک کے لئے ہے جن کی زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے، اسی طرح غیر مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے بھی لازم العمل ہے۔

دور حاضر میں حکومت کا دائرہ کار چند میدانوں تک محدود نہیں رہ گیا ہے، بلکہ زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں قانون سازی، منصوبہ بندی اور نگرانی حکومت اپنا فرض اور حق سمجھتی ہے، مغرب کے برپا کئے ہوئے غیر اسلامی نظام و ماحول میں رہنے والے کروڑوں مسلمان (خصوصاً غیر مسلم ممالک کے مسلمان) سخت گھٹن اور تنگی میں ہیں، بہت سے اسلامی احکام پر عمل ان کے لئے حکومت کے قوانین کی وجہ سے دشوار تر ہوگیا، اگر اسلامی احکام کو چھوڑتے ہیں تو ان کا دل انہیں ملامت کرتا ہے، آخرت میں بازپُرس اور عذاب کا خوف ان کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے، اور اگر ان اسلامی احکام کی کامل پابندی کرتے ہیں تو انتہائی ضیق اور تنگی میں مبتلا ہوتے ہیں، مروجہ قوانین ان پر قدغن لگاتے ہیں، زندگی کے بہت سے میدانوں سے انہیں دست کش ہونا پڑتا ہے۔

ان حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ شریعت کے رفع حرج، دفع ضرر، ضرورت و اضطرار کے اصول کی روشنی میں ان بنیادی رہنما خطوط کی نشاندہی کردی جائے جن کی بنیاد پر علماء اور اصحاب افتاء دور حاضر کے عمومی ابتلاء اور حاجت کے مسائل کے بارے میں صحیح فیصلہ کرسکیں تاکہ شرعی اصول وقواعد کی روشنی میں جن مسائل میں شرعی جواز اور گنجائش موجود ہو، ان کے بارے میں امت مسلمہ کو غیر معمولی ضیق وحرج سے نکالا جائے، شریعت کے دائرے میں مسلمانوں کے لئے یسر وسہولت پیدا کی جائے، اور اصول ضرورت وحاجت کے بے محابا استعمال سے اباحیت اور ہوا پرستی کا جو سنگین خطرہ درپیش ہے اس کا سدّ باب بھی کیا جاسکے۔

اس سلسلے میں شرکائے سمینار بہ اتفاق آراء درج ذیل تجاویز منظور کرتے ہیں:

محور اول:

۱- بنیادی طور پر پانچ مصالح ہیں جن کا حصول احکام شرعیہ کا مقصود ہے۔ دین، حیات وزندگی (بشمول عزت وآبرو)، نسل، عقل اور مال کا تحفظ، جو امور ان مصالح کے حصول کے لئے اس قدر ناگزیر ہوجائیں کہ ان کے فقدان کی وجہ سے ان مصالح کے

فوت ہوجانے کا یقین یا ظن غالب ہو، وہ ضرورت ہیں، ضرورت فقہاء کے یہاں ایک مستقل اصطلاح ہے، جس میں ''اضطرار'' بھی داخل ہے، تاہم یہ اصطلاح بمقابلہ اضطرار کے عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہے۔

۲- حاجت ایسی کیفیت ہے جس میں انسان ان مصالح پنجگانہ کے حاصل کرنے میں ایسے قابل لحاظ مشقت وحرج میں مبتلا ہوجائے جن سے بچانا شریعت کا مقصود ہے۔ البتہ فقہاء کے یہاں کبھی ضرورت پر حاجت اور کبھی حاجت پر ضرورت کا اطلاق کردیا جاتا ہے۔

۳- ضرورت وحاجت دونوں کا تعلق بنیادی طور پر مشقت سے ہے، مشقت کا ایک درجہ وہ ہے جو تمام ہی احکام شرعیہ میں لازم ہوتا ہے، اس کا اعتبار تبدیلی احکام میں نہیں ہے، اور مشقت کبھی اس درجہ شدید ہوجاتی ہے کہ اگر اس کی رعایت نہ کی جائے تو ضرر شدید لاحق ہوجانے کا یقین یا غالب گمان ہو، یہ ضرورت ہے۔ کبھی اس سے کم درجہ کی مشقت ہوتی ہے، لیکن شریعت نے جس طرح کی مشقتوں کا انسان کو پابند کیا ہے وہ اس کے مقابلہ میں غیر معمولی ہوتی ہے، یہ کیفیت حاجت ہے۔ بس ضرورت وحاجت کی حقیقت میں بنیادی فرق مشقت کی کمی وزیادتی کا ہے۔

۴- ضرورت وحاجت کے احکام میں بھی فقہاء نے فرق کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ضرورت کے ذریعہ ایسے منصوص احکام سے بھی استثناء کی گنجائش ہوتی ہے جن کی ممانعت قطعی ہو اور جو بذات خود ممنوع ہوں۔ حاجت اگر عمومی نوعیت کی نہ ہو تو اس کے ذریعہ ان ہی احکام میں استثناء کی گنجائش پیدا ہوتی ہے جن کی ممانعت بذات خود مقصود نہ ہو بلکہ دوسری محرمات کے سدّ باب کے لئے ان سے منع کیا جاتا ہے۔

۵- حاجت اگر عمومی نوعیت کی ہو اور لوگ عام طور پر اس میں مبتلا ہوں تو یہ ضرورت کے درجہ میں آتی ہے، اور اس سے نصوص میں تخصیص واستثناء کی گنجائش ہوجاتی ہے۔

۶- ضرورت وحاجت کی بنیاد مشقت پر ہے اور مشقت ایک اضافی چیز ہے، اس لئے

ضرورت وحاجت کی تعیین میں علاقہ ومقام، احوال زمانہ، لوگوں کی قوت برداشت، مسلم اکثریتی ممالک اوران ممالک کے لحاظ سے جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں فرق واقع ہوسکتا ہے، اس لئے ہندوستان اور اس جیسے ممالک میں جہاں مسلمان اس موقف میں نہیں ہیں کہ قانون سازی کے کام میں موئثر کردار ادا کرسکیں، ضرورت وحاجت کی تعیین میں اس پہلو کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

۷- کسی امر کے بارے میں یہ متعین کرنا کہ وہ موجودہ حالات میں ضرورت یا حاجت کا درجہ رکھتا ہے، یہ نہایت نازک، احتیاط اور دقّت نظر کا متقاضی ہے، اس لئے ہر عہد کے علماء، ارباب افتاء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھ کر طے کریں کہ اب کون سے امور ہیں جو ضرورت وحاجت کے درجہ میں آگئے ہیں اور ان کی وجہ سے احکام میں تخفیف ہوسکتی ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں افراد واشخاص کے بجائے علماء کی ایک مقتدر جماعت ہی فیصلہ کرے، تاکہ دفع حرج کے نام پر اباحیت کا راستہ کھلنے نہ پائے۔

۸- محرمات کی کسی خاص صورت کو نص کے ذریعہ صراحتاً یا دلالۃً حرمت سے مستثنیٰ کردیا گیا ہو تو اس صورت میں حرمت باقی نہیں رہتی ہے، اور اس رخصت سے فائدہ اٹھانا واجب ہے، اس کے علاوہ جن صورتوں میں نص کے ذریعہ یا فقہاء کے اجتہاد کے ذریعہ رخصت وسہولت ثابت ہوتی ہے وہاں صرف رفع اثم ہوتا ہے۔

۹- ضرورت وحاجت کی بنا پر جو سہولت دی جاتی ہے، اصولی طور پر ان کی حیثیت استثنائی ہوتی ہے۔

محور دوم:

ضرورت کی بنا پر اباحت ورخصت کا حکم حرام لعینہ از قبیل حق العبد، قتل نفس اور زنا کے

ماسواحقوق العباد، معاملات اور تمام ابواب فقہیہ پر اثر انداز ہوگا، اور اس کی تاثیر کے حدود درج ذیل تفصیلات کے مطابق مختلف ہوں گے:

۱- احکام اگر مامورات کے قبیل سے ہوں اور ان کے عدم امتثال سے صرف حق شارع متاثر ہوتا ہو، جیسے کلمہ کفر وغیرہ، تو حالت اضطرار میں فی نفسہ حرام ہوتے ہوئے بھی ان امور کے ارتکاب کی رخصت ہوگی، یعنی بقائے حرمت کے باوجود صرف رفع اثم ہوگا۔

۲- اگر احکامات از قبیل منہیات ہوں اور ان کی خلاف ورزی سے صرف حق شارع متاثر ہوتا ہو، جیسے اَکل میتہ، لحم خنزیر، شرب خمر وغیرہ، تو بحالت اضطرار یہ چیزیں مباح ہوجاتی ہیں، یعنی رفع اثم و رفع حرمت دونوں ہوجاتے ہیں، اور محظور پر عمل واجب ہوگا۔

۳- اگر احکامات از قبیل منہیات ہوں اور ان کی خلاف ورزی سے حق العبد متاثر ہوتا ہو، جیسے ناحق قتل، زنا، اتلاف مال مسلم، تو اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: اگر حق العبد کی تلافی ممکن ہو جیسے اتلاف مال مسلم، کہ اس کی تلافی بصورت ضمان ممکن ہے، تو اضطرار کی صورت میں بقائے حرمت کے ساتھ رخصت ہوگی۔

ب: لیکن اگر تلف شدہ حق العبد کی تلافی ممکن نہ ہو جیسے قتل و زنا، تو اس کی رخصت بصورت اضطرار بھی حاصل نہ ہوگی، اور اس پر عمل کرنا حرام ہوگا۔

محور سوم:

محرمات کی اباحت میں ضرورت کی طرح کبھی کبھی حاجت بھی موثر ہوتی ہے، اور بعض حالات میں حاجت کو ضرورت کے قائم مقام قرار دیا جاتا ہے، البتہ اس کے لئے کچھ حدود و قیود ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

الف: حاجت کے وقت محرمات کی اباحت میں دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، محض جلب منفعت کی غرض سے کسی حرام کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

ب: حاجت کی بنا پر غیر عادی مشقت کو دفع کرنا مطلوب ہو، وہ مشقت حاجت معتبرہ کے حدود میں نہیں آتی جو عام طور پر انسانی اعمال اور شرعی احکام میں پائی جاتی ہے۔

ج: مقصد کے حصول کے لئے کوئی جائز متبادل طریقہ موجود نہ ہو، یا موجود تو ہو مگر مشقت شدیدہ سے خالی نہ ہو۔

د: حاجت کی بنا پر جو حکم ثابت ہوگا وہ بقدر حاجت ہی ثابت ہوگا، اس سے زیادہ اس میں توسع پیدا کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

ھ: کسی مفسدہ کو دور کرنے میں کوئی اس سے بڑا مفسدہ لازم نہ آئے۔

و: حاجت واقعی ہو، محض موہوم نہ ہو۔

محور چهارم:

اباحت محظورات کے سلسلہ میں ضرورت معتبرہ کے لئے درج ذیل شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے:

۱- ضرورت بالفعل موجود ہو، مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتوں کا اندیشہ وخطرہ معتبر نہیں۔

۲- کوئی جائز مقدور متبادل نہ ہو۔

۳- ہلاکت وضیاع کا خطرہ یقینی ہو یا مظنون بظن غالب ہو۔

۴- محرمات کے استعمال یا ارتکاب سے ضرر شدید کا ازالہ یقینی اور نہ استعمال کرنے کی صورت میں اس کا وقوع یقینی ہو۔

۵- بقدر ضرورت استعمال کیا جائے۔

۶- اس کا ارتکاب اس کے مساوی یا اس سے کسی بڑے مفسدہ کا سبب نہ بنے۔

محور پنجم:

۱- ''ضرورت وحاجت'' جس کی وجہ سے شریعت بہت سے احکام میں رخصت

وسہولت دیتی ہے اس کے پیچھے متعدد اسباب ہوتے ہیں، یہ وہ اسباب ہیں جن کو فقہاء وعلماء ''اسباب رخصت'' اور'' اسباب تخفیف'' کے عنوان سے ذکر کیا کرتے ہیں۔

معروف قول کے مطابق یہ اسباب سات ہیں:

سفر، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، عسر وعموم بلویٰ اور نقص۔

۲- ''عرف وعموم بلویٰ'' پر مبنی ہونے والے احکام میں اکثر وبیشتر'' ضرورت وحاجت'' اور'' رفع حرج'' ملحوظ ہوتا ہے، اگرچہ فقہی طور پر'' عرف وعموم بلویٰ'' اور اس پر مبنی ہونے والے احکام کا دائرہ کچھ وسیع ہے۔

محور ششم:

۱- شرکاء سمینار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی معاملہ میں عمومی حرج وتنگی اور حاجت عامہ پیدا ہونے کی صورت میں بعض اوقات اسے ضرورت واضطرار کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور سماج کو غیر معمولی ضرر اور تنگی لاحق ہونے کی صورت میں ممنوع وحرام چیز مباح قرار پاتی ہے۔

۲- جن چیزوں کی حرمت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے، اگر ان میں سے کسی کے بارے میں حاجت عامہ اور عمومی حرج وضیق پیدا ہو تو انہیں ضرورت کا درجہ دے کر منصوص حرمت سے استثناء بہت ہی نازک اور ذمہ داری کا کام ہے، تمام اجتماعی اور ملی حاجات ایک درجہ کی نہیں ہوتیں، ان کا دائرہ اور ناگزیریت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، اس لئے اجتماعی حاجتوں کا شرعی حکم متعین کرنے سے پہلے ان میں سے ہر ایک کا انتہائی گہرا مطالعہ ضروری ہے۔

۳- جب کوئی اجتماعی حاجت اس درجہ اہمیت حاصل کرلے کہ اس سے لوگوں کا بچنا انتہائی دشوار اور اس کا کوئی جائز قابل عمل متبادل موجود نہ ہو یا قانونی جبر کی وجہ سے اس سے

چارہ کار نہ ہوتو اس کی بنا پر منصوص حرمت پائے جانے کے باوجود اجتماعی حاجت موجود رہنے تک جواز کی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

۴- کسی اجتماعی حاجت کے بارے میں اس طرح کا فیصلہ کرنے سے پہلے اس کا انتہائی گہرا اور عمیق جائزہ ضروری ہے۔ اس جائزے میں حسب ضرورت ماہرین قانون، ماہرین سماجیات وغیرہ سے مدد لی جائے، اجتماعی حاجت جس شعبۂ زندگی سے متعلق ہے اس سے تعلق رکھنے والے افراد سے ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی مقاصد شریعت اور احکام شریعت پر نظر رکھنے والے خدا ترس اصحاب بصیرت علماء اور فقہاء اس بات کا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ کون سی اجتماعی حاجت اس درجہ کو پہنچ گئی ہے کہ اسے نظر انداز کرنے میں فوری طور پر یا مستقبل میں ملت کو غیر معمولی ضرر لاحق ہونے کا خطرہ ہے، لہذا اس کے جواز کا فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

۵- جن معاملات میں اجتماعی حاجت کی بنیاد پر نصوص میں تخصیص یا استثناء کا مرحلہ درپیش ہے ان کا فیصلہ علماء اور اصحاب افتاء انفرادی طور پر نہ کریں، بلکہ علماء اور فقہاء کی معتد بہ تعداد پورے غور وخوض کے بعد مقاصد شریعت، احکام شریعت، فقہی اصول وقواعد کی روشنی میں باہمی مشورہ سے اس کا فیصلہ کریں، اجتماعی فیصلہ ہی ایسے نازک معاملات میں محتاط اور قابل اطمینان ہوتا ہے۔

نوٹ: مفتی شبیر احمد صاحب مرادآباد کو حرمت منصوص قطعی کی صورت میں حاجت عامہ کی وجہ سے گنجائش کے بارے میں اختلاف ہے۔

مشینی ذبیحہ:

محور اول:

۱- ذبح لغت میں چیرنے پھاڑنے کو، اور شرع میں قابو یافتہ جانور کے غذا وسانس کی

نالیاں اور دونوں شہ رگ یا ان میں سے اکثر کے کاٹنے، اور غیر قابو یافتہ جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کرنے کو کہتے ہیں۔

۲- ذبح کی دو قسمیں ہیں: ذبح اختیاری اور ذبح غیر اختیاری۔

ذبح اختیاری میں جانوروں کی چاروں رگیں (حلقوم، مرئ، ودجین) یا ان میں سے اکثر کاٹ دی جاتی ہیں، اور یہ ان جانوروں میں ہوتا ہے جو عمل ذبح کو انجام دیتے وقت ذابح کے قابو میں ہوں، پالتو جانوروں میں عام طور پر ذبح اختیاری ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ جانور قابو سے باہر ہو جائے۔

ذبح غیر اختیاری جانور کے بدن کے کسی بھی حصہ کو زخمی کر کے خون بہا دینے کو کہتے ہیں۔ ذبح غیر اختیاری ان جانوروں میں ہوتا ہے جو عمل ذبح کو انجام دیتے وقت ذابح کے قابو میں نہ ہوں۔ غیر پالتو (شکاری) جانوروں میں ذبح غیر اختیاری ہوتا ہے، اِلا یہ کہ ایسے جانور کو پال لیا جائے یا وہ کسی اور طریقہ سے زندہ حالت میں قابو میں آ جائے۔

۳- ذبح اختیاری اور غیر اختیاری کے مشترکہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱- ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔

۲- ذابح کا عاقل ہونا۔

۳- بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔

۴- اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام شامل نہ کرنا۔

۵- بوقت ذبح جانور کا زندہ رہنا۔

۶- جانور کی موت ذبح کی وجہ سے ہونا۔

۷- آلہ کا تیز دھار دار کاٹنے والا ہونا۔

ذبح اختیاری کے مخصوص شرائط:

۱- متعین مذبوح پر تسمیہ پایا جانا۔

۲-متعین رگوں کا کاٹنا۔

۳-تسمیہ اور عمل ذبح میں زیادہ فاصلہ نہ ہونا۔

ذبح غیر اختیاری کے مخصوص شرائط:

۱- شکاری حالت احرام میں نہ ہو۔

۲-جانور حرم کا شکار نہ ہو۔

۳-شکار کرنے والا جانور یا پرندہ تربیت یافتہ ہو۔

۴-شکار اگر شکاری جانور کے ذریعہ ہو تو اس کو شکار کے لئے چھوڑتے وقت، اور اگر تیر و نیزہ وغیرہ سے کیا جائے تو اس کو پھینکتے وقت تسمیہ کہا گیا ہو۔

۴- ذبح اختیاری اور غیر اختیاری دونوں کے مواقع علیحدہ علیحدہ ہیں، جب ذبح اختیاری ناممکن ہو اسی وقت ذبح غیر اختیاری کی اجازت ہوتی ہے، لہذا اختیاری کی جگہ غیر اختیاری کی گنجائش بالاتفاق نہیں ہے۔

محور دوم:

۱- ذبح کرنے والے کے لئے شریعت میں جس اہلیت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا عاقل ہو، بالغ ہو، یا اگر نابالغ ہو تو باشعور ہو، اور مسلمان ہو یا کتابی ہو۔

۲-کتابی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب ہو جس کی تصدیق قرآن نے کی ہو، آج کے دور میں یہود و نصاریٰ کتابی ہیں۔

۳- آج کے زمانہ میں جو لوگ اپنے کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں انہیں کتابی تصور کیا جائے گا اور ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، اِلا یہ کہ ان کا ملحد، منکر خدا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔

۴- قادیانی کا ذبیحہ حلال نہیں ہوگا، چاہے وہ اپنے کو احمدی کہے یا لاہوری۔

۵- واضح رہے کہ ذبح کی شرعی حقیقت کا پایا جانا ضروری ہے، چاہے ذابح مسلم ہو یا

کتابی، اس لئے وہ تمام صورتیں جن میں براہ راست یا کسی مشین کے ذریعہ کسی جانور کو اس طرح ہلاک کیا جائے کہ اسے شرعاً ذبح نہیں قرار دیا جاسکتا تو وہ ہلاک شدہ جانور ذبیحہ نہیں کہا جائے گا اور حلال نہیں ہوگا، مثلاً گولی مار کر ہلاک کر دینا، یا بجلی کی لہروں کے ذریعہ ذبح کی جگہ کو جلا دینا، یا جسم کے کسی اور حصہ کو زخمی کر کے خون نکال دینا، یا اس جیسی دوسری صورتیں۔

محور سوم:

۱- ازروئے شرع اسلام ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا جانا چاہئے، اور غیر اللہ کے نام پر اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے تو وہ حلال نہیں رہتا۔

اگر کوئی جانور ذبح کیا جائے اور اس پر بسم اللہ نہیں کہی گئی تو ایسا یا تو بھول کر ہوا ہوگا یا قصداً بسم اللہ ترک کی گئی ہوگی، اگر بسم اللہ بھول کر چھوڑی گئی تو وہ ذبیحہ حلال ہوگا، اور اگر بسم اللہ قصداً چھوڑی گئی تو جمہور فقہاء کے مسلک کے پیش نظر وہ ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر بطور استخفاف بسم اللہ نہیں پڑھی جائے تو ذبیحہ حلال نہیں ہوتا، لیکن اگر مقصود استخفاف نہ ہو مگر جان بوجھ کر کوئی شخص بسم اللہ نہ کہے تو چونکہ بسم اللہ کہنا ان کے نزدیک سنت ہے، ایسا ذبیحہ حلال ہوگا۔

واضح رہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک بسم اللہ کہنا واجب ہے اور سیدنا امام شافعیؒ کے نزدیک مسنون ہے، بہرحال تسمیہ واجب ہو یا مسنون، ہر مسلمان سے یہی امید کی جاتی ہے کہ وہ جان بوجھ کر بغیر اللہ کا نام لئے ذبح نہیں کرتا۔ لہذا ذبیحہ کسی بھی مسلمان کا ہو اس کے بارے میں ہم اس تحقیق کے مکلّف نہیں ہیں کہ آیا اس پر قصداً بسم اللہ چھوڑی گئی ہے، اس لئے ہر مسلمان کے ذبیحہ کو حلال تصور کرنا چاہئے۔

۲- واضح رہے کہ بسم اللہ کہنا عمل ذبح پر واجب ہے، اس لئے اگر عمل ذبح متعدد ہوگا تو بسم اللہ بھی متعدد ہوگا، اور اگر عمل ذبح ایک ہوگا تو بسم اللہ بھی ایک بار کہنا کافی ہوگا۔

مثلاً: ایک جانور کو بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا گیا لیکن عمل ذبح مکمل ہونے سے پہلے وہ

بھاگ کھڑا ہوا، اب اگر دوبارہ اسے ذبح کیا جائے گا تو دوبارہ بسم اللہ کہنی ہوگی۔

اور اگر ایک ہی بار چھری چلائی جائے اور اس ایک عمل ذبح سے بیک وقت کئی جانور ذبح ہوجائیں تو ایک بار کہی ہوئی بسم اللہ کافی ہوگی۔

واضح رہے کہ ذبح اختیاری میں ہر بار ذبح اور بسم اللہ کہتے وقت ذبیحہ کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ ایک یا زائد جن جانوروں کی نیت کرکے بسم اللہ کہی گئی ہے ان کی جگہ دوسرے جانور ذبح ہوں گے تو وہ حلال نہیں ہوں گے۔

۳- بعض اوقات جانور ذبح کرتے ہوئے ایک سے زائد افراد ذبح کے عمل میں شریک ہوتے ہیں، مثلاً چھری کے قبضہ پر دو آدمیوں کا ہاتھ ہو یا ایک کمزور شخص کے ہاتھ کے اوپر دوسرے شخص کا ہاتھ ہو، تو ایسی صورت میں دونوں ہی افراد کو بسم اللہ کہنی ہوگی، جانور کا ہاتھ پیر وسر پکڑنا ذبح کرنے میں شرکت نہیں ہوگی۔

محور چہارم:

۱- آج یہ طریقہ رواج پا رہا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرنے سے پہلے بجلی یا کسی اور ذریعہ سے بے ہوش کیا جاتا ہے اور اسے جانوروں کے لئے الم اور تکلیف کم کرنے کا ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔ سمینار کو اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں ہے، اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ بغیر بے ہوش کئے عمل ذبح پورا کیا جائے۔

لیکن اگر کہیں یہ عمل رائج ہو اور جانور کو بے ہوش کرکے ہی ذبح کیا جاتا ہو، اور اس کا اطمینان ہو کہ الیکٹرک شاک یا دوسرے بے ہوشی کے ذرائع کے استعمال کی وجہ سے جانور محض وقتی طور پر بے ہوش ہوا ہے، مرا نہیں ہے، اور اس کا اطمینان ہو کہ پوری احتیاط کے ساتھ الیکٹرک والٹیج اس طرح ایڈجسٹ کیا جاتا ہے کہ اس سے صرف بے ہوشی عمل میں آتی ہے، تو ایسے بے ہوش جانور کو اگر ذبح کیا جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا۔

آٹھواں فقہی سمینار

☆ طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض

☆ عرف وعادت

☆ اشتراط فی النکاح

آٹھواں فقہی سمینار

۲۷-۲۹/ جمادی الاول ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۲-۲۴/ اکتوبر ۱۹۹۵ء، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

طبی اخلاقیات، عرف وعادت اور اشتراط فی النکاح اس آٹھویں سمینار کے موضوعات تھے جن پر پورے ہندوستان سے مختلف دینی مراکز اور مسالک کی نمائندگی کرنے والے علماء وفقہاء اور جدید علوم کے ماہرین نے تین دنوں تک غور وفکر کیا اور فیصلے کئے۔ طبی اخلاقیات پر مختلف پہلوؤں سے غور کرنے کے بعد ڈاکٹروں کے لیے اسلامی نقطۂ نظر سے ضابطہ اخلاق مدون کرنے کے لیے علماء اور ڈاکٹروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی گئی۔ نیز ایک قرارداد پاس کرکے صوبہ اتر پردیش میں نافذ زرعی اراضی سے متعلق اس قانون کی برخاستگی کا مطالبہ کیا گیا جس کی رو سے مسلم عورتیں ان اراضی میں حصہ پانے سے محروم رہتی ہیں۔ اس سمینار میں جو فیصلے کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض:

پیشۂ طب سے چونکہ صحت انسانی کی حفاظت جیسا فریضہ متعلق ہے، اس لیے اطباء کی ذمہ داریاں بھی بہت نازک ہیں، ہمدردی وبہی خواہی، صبر وحلم، شخصی کمزوریوں اور راز کی حفاظت، اجتماعی مفادات کا خیال اور اپنے فن میں مہارت وحذاقت، بصیرت مندی وحاضری دماغی اور خدمت خلق کا جذبہ ان کے اخلاقی فرائض میں داخل ہے، چنانچہ اس اہم موضوع پر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں غور وفکر اور بحث وتبادلۂ خیالات کے بعد سمینار درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

۱: الف- علاج کرنے کا حق اس شخص کو حاصل ہے جو فن کا علم رکھتا ہو اور تجربہ کار ہو، اور اس کے علم اور تجربہ کی کسی مستند ومعتبر ذریعہ نے تصدیق کی ہو، صحیح علم وتجربہ کے بغیر علاج

معالجہ کرنا جائز نہیں۔

ب- جس شخص کو علاج معالجہ کی شرعاً اجازت نہیں ہے، اگر اس کے علاج کی وجہ سے مریض کو غیر معمولی ضرر لاحق ہو جائے تو ضمان عائد ہوگا۔

۲- اگر کسی مستند معالج نے علاج میں کوئی کوتاہی کی اور اس کی وجہ سے مریض کو ضرر پہنچ گیا تو معالج ضامن ہوگا۔

۳- اس طرح قدرت کے باوجود مریض یا اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر اگر ڈاکٹر مریض کا آپریشن کر دے اور آپریشن مضر یا مہلک ثابت ہو تو ضمان لازم آئے گا۔

۴- اگر مریض بے ہوش ہے اور اس کے اولیاء وہاں موجود نہ ہوں اور ڈاکٹر یہ محسوس کرتا ہو کہ اس کی جان یا عضو کی حفاظت کے لئے فوری آپریشن ضروری ہے، اور اس نے اجازت کے بغیر آپریشن کر دیا مگر مریض کو نقصان پہنچ گیا تو ڈاکٹر ضامن نہ ہوگا۔

۵- اگر کسی شخص کے رشتہ نکاح کی بات چل رہی ہے اور وہ کسی مرض یا عیب میں مبتلا ہے جس پر مطلع ہونے کے بعد مخطوبہ عورت اس سے نکاح کرنے پر راضی نہ ہوگی، ڈاکٹر کو اپنے مریض کے مرض یا عیب کا علم ہے، اس صورت میں اگر عورت یا اس کا ولی ڈاکٹر سے ملاقات کر کے مریض کے مرض یا عیب کے بارے میں رشتہ نکاح کے حوالہ سے مریض کی صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہیں تو ڈاکٹر کے لئے ضروری ہے کہ صحیح صورت حال کی خبر دے دے، لیکن ڈاکٹر سے اگر اس بارے میں عورت یا اس کے اولیاء نے رابطہ قائم نہیں کیا تو اس کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ عورت یا اس کے اولیاء کو اس مرض یا عیب کی اطلاع دے۔

۶- ڈرائیور کی بینائی کے متاثر ہونے کی صورت میں ڈاکٹر پر ضروری ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو باخبر کر دے، اسی طرح ہوائی جہاز کا پائلٹ یا ٹرین اور بس کا ڈرائیور اگر نشہ کا عادی ہو اور اس سے مسافروں کو خطرہ لاحق ہو تو ڈاکٹر پر لازم ہوگا کہ وہ متعلقہ محکمہ کو آگاہ کر دے۔

۷۔ اگر ڈاکٹر کو اپنے مریض کے جرم کی اطلاع ہو اور جرم میں کوئی بے گناہ شخص ماخوذ ہو رہا ہو تو اس بے گناہ شخص کی براءت کے لئے ڈاکٹر پر حقیقت حال کا اظہار ضروری ہے، رازداری سے کام لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔

اسلامی نقطۂ نظر سے اطباء کے لئے ضابطہ اخلاق کی تدوین:

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اس وقت جو مہلک اور خطرناک بیماریاں موجود اور معروف و مشہور ہیں، ان میں ''ایڈز'' کو سب سے نمایاں مقام حاصل ہے، یہ مرض بتدریج انسان کو گھلا دیتا ہے، جسم کی قوت مدافعت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، اور ہر نئی بیماری اپنے لیے انسانی جسم میں بڑی آسانی کے ساتھ راہ بنالیتی ہے، زندگی دراصل حوصلہ، نشاط اور امنگ سے عبارت ہے، لیکن ایڈز کا مریض ان عالی صفات سے عاری و خالی ہو کر بے حسی اور بے کیفی کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھتا چلا جاتا ہے، اس لحاظ سے ایڈز کیا ہے؟ وحشت ناک موت کا سفر اور زندگی کے عبرت ناک خاتمہ کا نقیب ہے، اس لئے آج کی دنیا اس مرض سے سب سے زیادہ ڈری اور سہمی ہوئی ہے، اور معالجین اس کے اسباب و علل پر غور و خوض کرتے ہوئے اس کے تدارک اور انسداد پر اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں صرف کر رہے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ اب تک دنیا بھر کے معالجین نت نئے انکشافات، ایجادات اور طبی تحقیقات کے اس دور میں اس ''زہر'' کا کوئی ''تریاق'' دریافت نہیں کر سکے، اور اس وقت حال یہ ہے کہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

مرض ایڈز کے بارے میں جو معلومات فراہم کی جارہی ہیں اور گردوپیش پر نظر ڈال کر جو نتائج سامنے لئے جارہے ہیں ان کی روشنی میں اس مرض کو ''عذاب الٰہی'' سے تعبیر کیا جائے تو مناسب نہیں ہوگا۔

خالق کائنات نے جنسی تسکین اور آسودگی کے لئے جو فطری ضابطے مقرر کئے ہیں ان

کی خلاف ورزی بلکہ باغیانہ روش اور طور طریقے، اسی نے دراصل اس خطرناک مرض کو جنم دیا ہے، اس سلسلہ میں مغربی ممالک میں مرد و عورت کا جو آزادانہ میل جول ہے، ٹی وی پر جو بے حیائی کے مناظر سامنے آرہے ہیں، سینما کے پردے جس طرح غیر اخلاقی حرکتوں کی ٹریننگ کا کام انجام دے رہے ہیں، فحش لٹریچر اور عریاں اشتہارات ذہن و دماغ کو جس طرح پراگندہ کر رہے ہیں، ایڈز دراصل ان مذموم اور ناپاک اعمال اور اخلاق کا لازمی نتیجہ ہے، جسے ''خود کردہ را علاجے نیست'' کا مصداق بھی قرار دیا جاسکتا ہے، مرض ایڈز کے پھیلاؤ کو روکنے کا مؤثر ذریعہ بھی یہی ہے کہ ماحول اور سماج کو پاکیزہ بنایا جائے، جنسی آوارگی پر بندشیں لگائی جائیں، جنسی جذبات برانگیختہ کرنے والے مناظر پر پوری جرأت کے ساتھ پابندی عائد کی جائے، اور جنسی تسکین کے اس راستے کی طرف دعوت دی جائے جو شریعت کی نظر میں مقصود اور مطلوب و محمود ہے، یہ اجتماع مرض ایڈز کے انسداد اور روک تھام کے لئے اطباء، ڈاکٹرس، علماء، مصلحین، اہل قلم، اہل صحافت، عالمی ادارۂ صحت عامہ، ذرائع ابلاغ، رفاہی ادارے اور حکومت کو توجہ دلانا چاہتا ہے کہ وہ اپنے اپنے لحاظ سے اس سلسلہ میں کوشش کریں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ علم ادیان اور علم ابدان کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اور یہی دو علم، علم کا نچوڑ اور خلاصہ ہیں، اس کے پیش نظر ضرورت اس کی محسوس کی جارہی ہے کہ ''پیشۂ طبابت'' کے سلسلہ میں اسلامی نقطۂ نظر سے ایک ضابطۂ اخلاق ترتیب دیا جائے، اس لئے مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو تمام پہلوؤں اور جہتوں کو سامنے رکھتے ہوئے طبی ضابطۂ اخلاق مرتب کرے گی:

ڈاکٹر سید مسعود اشرف صاحب — ڈاکٹر امان اللہ خان صاحب
پروفیسر سید ظل الرحمٰن صاحب — ڈاکٹر عبدالقادر صاحب
ڈاکٹر سعود عالم قاسمی صاحب — مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحب
ڈاکٹر یوسف امین صاحب

ایڈز:

۱- اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو، مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون سے نکاح کرلیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو خاتون کے لئے فسخ نکاح کا حق ہوگا۔

۲- ایڈز کی مریضہ اگر حاملہ ہو جائے اور مستند ڈاکٹروں کی رائے میں غالب گمان یہ ہے کہ بچہ بھی اس مرض سے متاثر ہوگا، تو ایسی صورت میں حمل میں جان آنے سے پہلے جس کی مدت فقہاء نے ۱۲۰ دن لکھی ہے، اسقاط کرانے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۳- ایڈز کے مریض کو اگر مرض نے پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا ہو اور وہ زندگی کے معمولات کو ادا کرنے سے معذور ہو گیا ہو تو ایسے شخص کو مرض موت کا مریض سمجھا جائے گا۔

۴- ایڈز کے مریض کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر والوں یا متعلقینکو اس مرض سے مطلع کردے اور خود بھی احتیاطی تدابیر ملحوظ رکھے۔

۵- ایڈز کا مریض اگر اپنے مرض کو چھپانے پر ڈاکٹر سے اصرار کر رہا ہے اور ڈاکٹر کی رائے میں اس کے مرض کو راز میں رکھنے سے اس کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کو ضرر لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہے تو ڈاکٹر کی ذمہ داری ہے کہ محکمہ صحت اور متعلقہ حضرات کو اس کی اطلاع کردے۔

۶- ایڈز اور دوسرے متعدی امراض میں مبتلا افراد کے بارے میں ان کے اہل خانہ، متعلقین اور سماج کی یہ ذمہ داری ہے کہ ان کو تنہا اور بے سہارا نہ چھوڑیں، طبی احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی پوری نگہداشت کریں اور انہیں علاج معالجہ اور احتیاطی تدابیر

فراہم کرنے میں پورا تعاون کریں۔

۷- ایڈز زدہ بچے بچیوں کو تعلیم سے محروم کرنا درست نہیں ہے، ضروری احتیاطی طبی تدابیر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی تعلیم وتربیت کا نظم کیا جائے۔

۸- طاعون زدہ علاقہ میں آمدورفت پر پابندی مستحسن چیز ہے، البتہ ضرورت ومجبوری کے حالات مذکورہ پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔

۹- ایڈز کے مرض میں مبتلا شخص کا اپنے مرض کی نوعیت سے واقف ہونے کے باوجود اس مرض کو کسی بھی صحت مند انسان کی طرف عمداً منتقل کرنا حرام ہے اور ایسا کرنا گناہ کبیرہ ہے، اس طرح کے عمل کا مرتکب اس عمل کی نوعیت اور اس کے فرد یا معاشرے پر بُرے اثرات پڑنے کے اعتبار سے سزا کا مستحق ہے۔

عرف وعادت:

حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی کی سب سے بڑی خصوصیت مسائل زندگی کی بابت عدل اور اعتدال ہے، شریعت اسلامی کا مزاج یہ نہیں ہے کہ وہ وضعی قوانین کی طرح ہر روز اور ہر آن تبدیلی قبول کرتی رہے، اور ایک بات خواہ کسی قدر بھی نامعقول اور مصالح اور اخلاقی قدروں کے مغائر ہو، لیکن اگر اس نے رواج کا درجہ حاصل کرلیا ہو، لوگ اس کو برتنے لگے ہوں تو اس کو بہرحال قبول کرلیا جائے، یہ مصالح انسان کی رعایت نہیں بلکہ مفاسد کے سامنے سپر انداز ہونا ہے، اور اسلام اس کی کسی طور پر اجازت نہیں دے سکتا، تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جو قانون زندگی کے ساتھ چلنا چاہتا ہو اور اپنی ابدیت اور دوام واستمرار کا مدعی ہو اس کے لئے ایک خاص حد میں سماجی رواجات اور عرف کو قبول کرنا ناگزیر ہے، چنانچہ فقہ اسلامی میں بہت سے احکام کی بنیاد عرف پر رکھی گئی ہے، قرآن وسنت، آثار صحابہ اور قیاس سے عرف وعادت کے معتبر ہونے کا ثبوت ملتا ہے، اور اس کے معتبر ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

اسی پس منظر میں فقہ اسلامی میں عرف کی حیثیت، اس کے مقام اور اس کے معتبر ہونے کی صورت واصول وشرائط پر تفصیلی بحث اور غور وفکر کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

عرف کی حقیقت اور اس کی مختلف اقسام:

۱- عرف لغوی طور پر جانی پہچانی چیز کو کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع کے اندر عرف سے مراد وہ اقوال وافعال ہیں جو معاشرہ میں رائج ہوں اور لوگ ان پر عمل پیرا ہوں۔

۲- ''عادت'' کا لغوی معنیٰ کسی امر کے مکرر پیش آنے کے ہیں، اور اصطلاحی طور پر عقلی رشتہ کے بغیر کسی امر کا اس طرح بار بار پیش آنا کہ طبعی امور کی طرح اس کی انجام دہی آسان ہوگئی ہو، عادت کہلاتی ہے۔

۳- عرف وعادت کے درمیان کوئی حقیقی فرق نہیں ہے، مصداق کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں گو مفہوم کے اعتبار سے جدا جدا ہیں۔

۴- عرف اور اجماع کے درمیان فرق یہ ہے کہ عرف عام لوگوں کے قول وعمل سے وجود میں آتا ہے جبکہ اجماع مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے۔

۵- موضوع کے اعتبار سے عرف کی دو قسمیں ہیں: عرف قولی، عرف فعلی۔

بعض الفاظ یا تراکیب لوگوں کے درمیان کسی خاص معنیٰ میں مروج ہوجائیں اور جب وہ بولا جائے تو کسی قرینہ اور عقلی دلیل کے بغیر وہ معنیٰ سمجھا جائے، عرف قولی ہے۔ اور کسی عمل کے بارے میں لوگوں کی عادت ورواج عرف عملی ہے۔

۶- عرف لفظی اور عرف عملی دونوں احکام شرعیہ میں معتبر ہیں۔

دنیا کی بیشتر مسلم آبادیوں میں جو امر معروف ومروج ہوجائے وہ عرف عام ہے، اور جو کسی ایک شہر یا صوبہ یا کسی خاص آبادی یا ایک مخصوص طبقہ تک محدود ہو وہ عرف خاص ہے۔

۷- ہر وہ رواج وعرف جو شریعت کی کسی نص، یا مقصد ومصلحت معتبرہ سے ٹکراتا ہو وہ فاسد

قرار پائے گا، جیسے مروجہ جہیز یا نقد رقم کا مطالبہ کرنا، لڑکیوں کو میراث سے محروم رکھنا، گروی زمینوں وغیرہ سے فائدہ اٹھانا۔

عرف کے معتبر ہونے کی شرطیں:

شریعت میں عرف کے معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں:

۱- عرف کلی یا اکثری ہو، یعنی معاشرہ میں سو فیصد اس کا رواج ہو یا معاشرہ کی غالب اکثریت اس عرف پر عمل پیرا ہو۔

۲- کسی تصرف یا معاملہ کے پیش آنے سے پہلے وہ عرف موجود رہا ہو اور پیش آنے کے وقت تک موجود ہو۔

۳- معاملہ کرنے والوں کی طرف سے عرف کے خلاف کوئی صراحت موجود نہ ہو۔

۴- عرف کو اختیار کرنے کی صورت میں شریعت کی کوئی صریح قطعی نص یا شریعت کا کوئی قطعی اصول متاثر نہ ہوتا ہو۔

عرف اور شرعی دلائل میں تعارض:

۱- عرف عام اگر کسی نص عام سے اس طور پر متعارض ہو کہ عرف عام پر عمل کرنے سے نص کا ترک لازم نہ آئے بلکہ نص کی تخصیص لازم آئے تو اس صورت میں عرف عام کی بنا پر نص عام کی تخصیص درست ہے۔

۲- اگر عرف عام نص سے متصادم ہو یہاں تک کہ عرف عام کا اعتبار کرنے میں نص کا ترک لازم آئے تو عرف عام شرعاً نا قابل قبول اور غیر معتبر ہوگا۔

۳- جن نصوص کا عرف پر مبنی ہونا ثابت اور متحقق ہو ان میں عرف کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، لیکن کسی نص کے بارے میں یہ طے کرنا کہ اس کی بنیاد عرف پر ہے، بڑا نازک اور انتہائی ذمہ داری کا کام ہے، یہ فیصلہ علوم اسلامیہ میں غیر معمولی

مہارت رکھنے والے دقیق النظر، محتاط اور خداترس علماء اور فقہاء اجتماعی طور پر ہی کر سکتے ہیں۔

۴- اگرعرف عام ایسے مسئلہ سے متصادم ہو جس کا ثبوت قیاس سے ہے تو عرف عام کو ترجیح ہوگی اور اس کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جائے گا۔

۵- اگرعرف خاص کا دائرہ بہت محدود ہو تو اس کی بنیاد پر قیاس کا ترک کرنا درست نہیں۔

۶- اگرعرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہو تو اس کی بنا پر قیاس کا ترک کرنا درست ہے۔

۷- اگرعرف شریعت کے بنیادی مقاصد و مصالح سے متصادم ہو تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

عرف کی تبدیلی سے حکم میں تبدیلی:

۱- ظاہر روایت کے جو مسائل صریح نصوص (کتاب وسنت) سے ثابت ہوں انہیں عرف کی بنیاد پر ترک نہیں کیا جائے گا، البتہ ظاہر روایت کے دوسرے مسائل کو عرف کی بنا پر ترک کیا جا سکتا ہے۔

۲- اگر ایک مکتب فقہ میں منقول اقوال عرف کے خلاف ہوں اور دوسرے مکتب فقہ میں ایسی رائے موجود ہو جو عرف و عادت کے مطابق ہو تو ایسی صورت میں عرف کے مطابق حکم کو (اعتبار عرف کی شرطوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اختیار کرنا ''عدول عن المذہب'' نہیں ہے، بلکہ عرف کو ہی اختیار کرنا ہے۔

۳- جو احکام فقہیہ نصوص کی بجائے محض عرف و عادت پر مبنی ہوں ان میں عرف کی تبدیلی کی صورت میں نئے عرف کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت:

۱- نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں

اور حقوق ہی کو موکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲- نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو، غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا یا جہیز و تلک کی شرط لگانا۔

۳- نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو نہ لازم وواجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔

یوپی زمینداری ایکٹ میں ترمیم کی بابت تجویز (خواتین کی میراث):

ملک بھر سے آئے ہوئے علماء اور فقہاء اور اصحاب افتاء کا یہ اجتماع اس بات پر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ صوبہ اتر پردیش میں ابھی تک خواتین کے ساتھ وراثت کے معاملہ میں بے انصافی اور ظلم جاری ہے۔ یوپی کے موجودہ قانون کے مطابق خواتین کو زراعتی اراضی میں مرد وارثان کی موجودگی میں وراثت کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔ یہ قانون ہندوستان کے آئین اور شریعت اسلامیہ سے متصادم ہے۔

اس سمینار کے شرکاء اس بات پر بھی اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلم پرسنل لا (شیعت) اپلی کیشن ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفعہ ۲ سے زراعتی اراضی کو نکال دیا گیا ہے جس کی بنیاد پر مسلمان خواتین اپنے شرعی حق وراثت سے قانونی طور پر محروم ہوگئی ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ علماء کرام نے اس سلسلہ میں کئی فتاوی جاری کئے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ تر مسلم خاندانوں میں وراثت کی تقسیم قرآن وسنت کی روشنی میں کی جاتی رہی ہے۔

اس سب کے باوجود بھی اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یوپی زمینداری ایکٹ اور شریعت ایکٹ میں فوراً ترمیم کی ضرورت ہے تاکہ خواتین کو عام طور سے اور مسلم خواتین کو خاص طور سے ان کے حق وراثت سے محروم نہ کیا جاسکے۔

نواں فقہی سمینار

☆ شیئرز کی شرعی حیثیت

☆ پانی میں رہتے ہوئے مچھلیوں کی تجارت

☆ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

☆ نکاح نامہ

☆ اوقات سحر برائے راجستھان

نواں فقہی سمینار

۲۷-۳۰ر جمادی الاول ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴ر اکتوبر ۱۹۹۶ء، جامعۃ الہدایہ، جے پور

اکتوبر کی ۱۱ تا ۱۴ر تاریخیں اس لحاظ سے انتہائی اہم ہیں کہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں ہندوستان کا نمائندہ قرار دیا جانے والا نواں فقہی سمینار متعدد بیرون ملک کے علاوہ ہندوستان کے ۱۴ صوبوں کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ۹۷ مدارس وعلمی مراکز سے تشریف لانے والے تین سو سے زائد فقہاء واصحاب دانش کی شرکت سے انعقاد پذیر ہوا۔

☆ شیئرز کی شرعی حیثیت

☆ پانی میں رہتے ہوئے مچھلیوں کی تجارت

☆ قبضہ سے پہلے خرید وفروخت

☆ نکاح نامہ

☆ اوقات سحر برائے راجستھان

یہ سمینار کے موضوعات تھے جن پر ہر پہلو سے غور وخوض کیا گیا، نکاح نامہ پر کوئی اتفاقی رائے طے نہ پاسکی، دیگر موضوعات کی بابت اہم فیصلے کئے گئے۔

ساتویں سمینار میں مشینی ذبیحہ کے جس جزء پر فیصلہ نہیں ہوسکا تھا اس کی بابت بھی اس سمینار میں فیصلہ کیا گیا، طے شدہ فیصلے درج ذیل ہیں:

شیئرز کی شرعی حیثیت:

۱- کسی کمپنی کا خرید کردہ اکویٹی شیئر کمپنی میں شیئر ہولڈر کی ملکیت کی نمائندگی کرتا ہے، وہ

محض اس بات کی دستاویز نہیں ہے کہ اس نے کمپنی کو اتنی رقم دی ہے۔

۲- ایسی کمپنیوں کے شیئرز کی ابتدائی خریداری جو ابھی سرمایہ اکٹھا کرنے کے مرحلے سے گزر رہی ہیں، شرعاً خریداری نہیں بلکہ اس کمپنی میں شرکت ہے۔

۳- عام طور پر کمپنیوں کی دوسری املاک نقد سرمایہ سے زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے کمپنیز کے شیئرز کی خریداری درست ہے، لیکن اگر معلوم ہوجائے کہ ادا کردہ نقد اس مقدار نقد کے برابر یا اس سے کم ہے جس کی شیئرز نمائندگی کرتا ہے تو ایسی صورت میں شیئرز کی خریداری اس کی مقررہ قیمت سے کم یا زیادہ پر درست نہ ہوگی۔

۴- جن کمپنیوں کا بنیادی کاروبار حرام ہے، مثلاً شراب وخنزیر کے گوشت کی تجارت یا سودی قرضے دینا وغیرہ، ان کے شیئرز کی خرید وفروخت ناجائز ہے۔

۵- شرکاءِ سمینار کا احساس ہے کہ ہندوستان میں ایسی کمپنیز کا قیام قابل عمل ہے جو خالص اسلامی اصول تجارت کے اعتبار سے کاروبار کریں، سمینار مسلم تجّار اور ماہرین معاشیات کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنی دینی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ایسی کمپنیز کے قیام کی جدوجہد کریں جو کامل طور پر اسلامی احکام پر کاربند ہوں۔

لیکن چونکہ فی الحال ایسی کمپنیاں ہندوستان میں موجود نہیں ہیں یا بہت کم ہیں جو خالص اسلامی بنیادوں پر کاروبار کرتی ہوں، اس لئے جن مسلمانوں کے پاس نقد سرمایہ ہو اور اپنے مخصوص حالات کی بنا پر ان کے لئے جائز تجارت میں اس سرمایہ کو لگانا قابل عمل نہ ہو ان کے لئے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدنے کی گنجائش ہے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہو (مثلاً انجینیرنگ کے سامان یا عام استعمال کی مصرفی چیزیں تیار کرنا) اگرچہ انہیں بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے سودی معاملات میں ملوث ہونا پڑتا ہو۔

۶- جن مسلمانوں نے ایسی کمپنیز کے شیئرز خریدے جن کا بنیادی کاروبار حلال ہے لیکن وہ

کمپنیز ضمنی طور پر بعض ناجائز تصرفات میں بھی ملوث ہوتی ہیں، ان مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ شیئر ہولڈرس کی سالانہ میٹنگ میں کمپنی کو آئندہ ایسے ناجائز تصرفات سے روکنے کی کوشش کریں، اور دوسرے شیئر ہولڈرس کو افہام وتفہیم کے ذریعہ اس بات پر آمادہ کرنے کی سعی کریں کہ وہ بھی ان کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے ہوئے میٹنگ میں ان کی تائید کریں۔

۷- اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور اس کی مقدار معلوم ہو تو شیئر ہولڈر کے لئے منافع میں سے اس کے بقدر صدقہ بلا نیت ثواب کر دینا ضروری ہے۔

۸- اگر کمپنی کے منافع میں سود بھی شامل ہو اور حاصل ہونے والی سودی آمدنی کو کاروبار میں لگا کر نفع کمایا گیا ہو تو جتنا فیصد کل آمدنی میں سود مخلوط ہو گیا ہے اسی تناسب سے ملنے والے منافع سے نکال کر بلا نیت ثواب اپنی ملک سے نکال دینا ضروری ہے۔

نوٹ: دفعہ ۷ اور ۸ میں مولانا رئیس الاحرار ندوی صاحب کے نزدیک سود کی رقم غیر مسلم ہی کو دی جائے)

۹- کمپنی کی اپنی قانونی شخصیت ہے جو شیئر ہولڈرس کی اجتماعی حیثیت کی نمائندگی کرتی ہے، بورڈ آف ڈائرکٹرس کمپنی کے منتخب کردہ افراد کا مجموعہ ہے جو کمپنی کی طرف سے تصرفات کرتا ہے اور اس طرح شیئر ہولڈر کے مجموعہ کا وکیل ہے، لہذا بورڈ آف ڈائرکٹرز کے تصرفات جو کمپنی کے مقرر کردہ اصول وضوابط کی حدود میں ہوں، کی بالواسطہ ذمہ داری سبھی شیئر ہولڈرس پر آتی ہے۔

۱۰- حلال کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی تجارت کرنا درست ہے۔

۱۱- فیوچر سیل (Future Sale) جس کا مقصد شیئرز خریدنا نہیں ہوتا بلکہ بڑھتے گھٹتے دام کے ساتھ نفع نقصان برابر کر لینا مقصود ہوتا ہے، اسلامی شریعت کی نگاہ میں ناجائز ہے کیونکہ یہ کھلا ہوا جوا ہے۔

۱۲- غائب سودا (Forward Sale) جس میں بیع تو ہوجاتی ہے لیکن اس کی اضافت مستقبل کی طرف کی جاتی ہے، بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، مقررہ تاریخ آنے پر ایجاب وقبول ہونے کے بعد ہی بیع وجود میں آئے گی۔

۱۳- حاضر سودے (Cash Sale - Spot Sale) میں شیئر سرٹیفکٹ پر قبضہ سے پہلے خرید کردہ شیئرز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

۱۴- شیئر سرٹیفکٹ حاصل ہونے کے بعد خریدار کا اس پر قبضہ متحقق ہوجاتا ہے، اگرچہ بعض انتظامی دشواریوں کی وجہ سے کمپنی میں اس کا نام اندراج نہ ہوسکا ہے، لہذا اس شیئر کو خریدار فروخت کرسکتا ہے۔

۱۵- جن شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے ان کی خرید وفروخت میں بروکر کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے، ناجائز اور حرام کاروبار کرنے والی کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت میں بحیثیت بروکر کام کرنا جائز نہیں ہے۔

پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت:

رسول اللہ ﷺ نے پانی میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے، فی زمانہ مچھلیوں کے کاروبار کی بعض ایسی صورتیں مروج ہوگئی ہیں جن کے اس زمرہ میں شامل ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سیمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور طے پائے:

۱- ندی، نالے، نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں بلکہ سرکار ان کو اشخاص یا کوآپریٹو سوسائٹی یا گرام پنچایت کو مخصوص مدت کے لئے بندوبست کردیتی ہے، یہ مچھلی کے حق شکار پر ہوتا ہے، اس لئے یہ معاملہ عقد اجارہ کی صورت ہے اور جائز ہے۔ لیکن سرکار کے لئے مناسب ہے کہ ایسے تالاب کا بندوبست نہ کرے جس سے

عام لوگوں کو ضرور پہنچ سکتا ہو۔

۲- پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کر دینا جائز نہیں ہوگا۔ اگر بائع تالاب کی ان مچھلیوں کا مالک ہو تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر بائع حسب حکم شرع ان مچھلیوں کا مالک بھی نہیں اور اسے پانی سے نکالے بغیر فروخت کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہوگی، البتہ اگر حوض چھوٹا ہو اور وہ مچھلیاں آسانی کے ساتھ نکال کر خریدار کو حوالہ کی جاسکتی ہوں تو ایسی صورت میں پانی میں رہتے ہوئے مچھلی فروخت کی جاسکتی ہے۔

۳- مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں:

الف- تالاب میں مچھلیاں قدرتی طور پر آ گئی ہوں اور تالاب کے مالک نے ان مچھلیوں کو روکنے کی تدبیر کی ہو۔

ب- مچھلیوں کی غرض سے تالاب بنوایا گیا ہو۔

ج- کسی شخص نے تالاب میں مچھلی کی افزائش کے لئے مچھلی کے زیرے ڈالے ہوں۔

نوٹ: مولانا شاہین جمالی صاحب (مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ) کے نزدیک موجودہ وسائل ماہی گیری، تعامل اور حاجات انسانی کی رعایت کے نقطۂ نظر سے مملوکہ مچھلیاں پانی کے اندر ہوں اور تالاب ایسا ہو کہ جال اس کا احاطہ کرلے، تب ان کو پانی کے اندر بھی فروخت کرنا جائز ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت:

دور حاضر میں خرید و فروخت کی بہت سی ایسی صورتیں مروج ہیں جن میں فروخت شدہ شئ پر قبضہ کے بغیر خریدار دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، اسی پس منظر میں ایسے مروجہ معاملات کی بابت اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں درج ذیل باتیں طے پائیں:

۱- اصولی طور پر قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضہ سے پہلے بیع کردی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲- کتاب وسنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۳- فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں ''تخلیہ'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴- بیع قبل القبض کی ممانعت ''غرر انفساخ'' کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آ ہی نہ پائے، اور وہ خریدار دوم کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵- بیع قبل القبض کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایا جاتا ہو۔

۶- اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کردے، اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو، تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷- اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جہاز، ٹرانسپورٹ، پرمٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آرڈر دے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کردیا جائے اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہے، تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالۃً قبضہ متصور ہوگا، لہذا اس صورت میں مال پہونچنے سے پہلے خریدار

کوفروخت کرنا جائز ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہنچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں، اور اگر بیع کرے تو یہ بیع قبل القبض کے زمرہ میں داخل ہوگی۔

مشینی ذبیحہ:

مشینی ذبیحہ کے مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کے ساتویں سمینار منعقدہ بھروچ میں بحث کی گئی تھی اوراس کی بعض صورتوں کے جواز اور بعض صورتوں کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہوگیا تھا۔ ایک صورت کی بابت علماء ومفتیان کرام کی رائیں مختلف تھیں، اور سمینار کا احساس تھا کہ اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا جائے اور مجوزین ومانعین کے دلائل کا خلاصہ دوبارہ مندوبین کی خدمت میں بھیجا جائے تاکہ وہ پھر غور کرکے مسئلہ پر رائے دے سکیں۔ چنانچہ اکیڈمی نے دوبارہ اسی سلسلہ میں مفصل سوالنامہ بھیجا اوراس پر جو جوابات آئے ان کی روشنی میں درج ذیل امور طے پائے:

۱- اگر جانور بجلی کے ذریعہ چلنے والی زنجیر یا پٹہ سے لٹک کے بے ہوشی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ذابح کے سامنے پہنچتا ہے اور ذابح بسم اللہ کہہ کراس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کردیتا ہے، اور جانور کے ذبح کے وقت اس کے زندہ ہونے کا یقین ہے، تو یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ اس لئے کہ اس میں صرف جانور کا نقل وحمل مشین کے ذریعہ ہورہا ہے، باقی فعل ذبح ہاتھ سے انجام دیا جاتا ہے۔ اکیڈمی مسلمان ارباب مسالخ سے خواہش کرتی ہے کہ وہ اسی طریقہ کو رواج دیں، اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ذبح کی رفتار کو تیز کرنے کے لئے کئی ذابح کا تقرر کیا جائے۔

۲- مشینی ذبیحہ کی ایسی صورت جس میں جانور کے نقل وحمل اور ذبح دونوں کام مشین سے انجام پائیں، اس طرح کہ بٹن دبانے کے ساتھ مشین حرکت میں آجائے اور اس مشین پر باری باری جانور آتا جائے۔ اس صورت کی بابت تین رائیں ہیں:

الف- پہلا جانور حلال ہوگا۔ اس کے بعد جو جانور ذبح ہوتے جائیں وہ جائز نہیں ہیں، یہ اکثر شرکاء سمینار کی رائے ہے۔

ب- پہلا جانور بھی حلال نہ ہوگا، یہ بعض حضرات کی رائے ہے جو درج ذیل ہیں:

مفتی شبیر احمد قاسمی، مراد آباد | مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، بنارس

مولانا بدر احمد مجیبی، پٹنہ | مولانا ابوالحسن علی، گجرات

ج- پہلا جانور بھی حلال ہوگا، اور بعد میں جو جانور اس فعل ذبح کے منقطع ہونے سے پہلے پہلے ذبح ہو جائیں وہ بھی حلال ہیں۔ یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا رئیس الاحرار ندویؒ، مولانا صباح الدین ملک فلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحیؒ، مولانا جلال الدین انصر عمری، مولانا یعقوب اسماعیل، مولانا صدر الحسن ندوی، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی نسیم احمد قاسمیؒ اور مولانا اعجاز احمد قاسمی۔

۳- جن حضرات کے نزدیک مشین کے ذریعہ ذبح کی صورت میں پہلا جانور حلال ہو جاتا ہے ان کے نزدیک اگر ایسی مشین ایجاد ہو جائے جس سے بڑی تعداد میں چھریاں متعلق ہوں، اور بٹن دباتے ہی بیک وقت چل کر ایک ایک جانور کو ایک ساتھ ذبح کر دیتی ہوں تو یہ تمام جانور حلال ہو جاتے ہیں۔

۴- واضح رہے کہ مشینی ذبیحہ کے بارے میں یہ احکام مشین کی مخصوص ہیئت اور وضع کو سامنے رکھ کر طے کئے گئے ہیں، ہر طرح اور ہر وضع کی مشین پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا، بلکہ مشین کی مخصوص ہیئت اور طریقہ کار کی روشنی میں اس کا حکم مقرر کیا جا سکتا ہے۔

✧✧✧

دسواں فقہی سمینار

- ☆ اوقاف سے متعلق مسائل
- ☆ حج وعمرہ کے مسائل
- ☆ قسط پر خرید وفروخت
- ☆ کلوننگ
- ☆ اعلامیہ برائے اتحاد

دسواں فقہی سمینار

۲۱-۲۴/جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷/اکتوبر ۱۹۹۷ء، حج ہاؤس، ممبئی

عروس البلاد ممبئی میں اکیڈمی کے فقہی سمیناروں کے دس سالہ سفر کی دسویں منزل تھی، تجارت کے اس مرکزی شہر میں ایک اہم تجارتی موضوع ''بیع بالتقسیط'' (قسطوں پر خرید وفروخت) بھی زیر بحث تھا، اس کے علاوہ ''ہندوستان میں اوقاف کے مسائل'' اور ''حج وعمرہ'' کے نئے مسائل زیر غور تھے، ایک بالکل ہی جدید اور پیچیدہ موضوع ''کلوننگ'' پر بھی شرعی فیصلے طے پائے۔

اس سمینار میں اندرون ملک کی بھرپور نمائندگی کے علاوہ بیرون ملک بالخصوص کویت سے ایک مؤقر وفد نے بھی شرکت کی تھی۔

سمینار نے مقررہ چاروں موضوعات پر انتہائی اہم اور مفصل فیصلے کئے، ان کے علاوہ آج کی بکھرتی، ٹوٹتی اور سطحی باتوں پر باہم برسرپیکار امت مسلمہ کے لئے بڑے پُرسوز وپُر درد طریقہ پر انتہائی اہتمام کے ساتھ ایک ''اعلامیہ برائے اتحاد امت'' جاری کیا۔

اس سمینار میں جو فیصلے طے پائے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

اوقاف سے متعلق مسائل:

۱- اسلام میں نیکی کے کاموں اور خیراتی مقاصد کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرنا بہت بڑا کار ثواب اور صدقۂ جاریہ ہے، اس لئے مسلمان جس ملک اور جس علاقہ میں بھی آباد ہیں نیک کاموں کے لئے زمین، جائداد اور مال وقف کرتے ہیں، ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ بہت پرانی ہے، سیکڑوں سال سے

ہندوستان کے ہر علاقہ میں آباد ہیں، اس لئے ہندوستان کے ہر صوبہ اور علاقہ میں مختلف دینی اور رفاہی وخیراتی مقاصد کے لئے مسلم اوقاف موجود ہیں، ان اوقاف کی حفاظت، انہیں ترقی دینا اور ان کی آمدنی وقف کرنے والوں کے مقاصد کے مطابق خرچ کرنا، نیز اوقاف کی املاک سے غاصبانہ قبضہ ختم کرنا ہندوستانی مسلمانوں اور حکومت ہند کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

۲- اوقاف کے بارے میں اسلام کا اصل نقطہ نظر یہ ہے کہ اوقاف دائمی ہوتے ہیں، اس لئے عام حالات میں ان کو فروخت کرنا یا منتقل کرنا جائز نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا وقف کے بارے میں ارشاد ہے: ''لاتباع ولا توھب ولا تورث'' (نہ فروخت کیا جاسکتا ہے، نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے) لہذا اوقاف کی جائدادوں کو حسب سابق باقی رکھتے ہوئے انہیں نفع آور اور مفید بنانے کی ہر ممکن کوشش کی جانی چاہئے، اور اس سلسلہ میں ایسے قانون بننے چاہئیں جن سے اوقاف کی جائداد کا پورا تحفظ ہو اور وقف کرنے والوں کے مقاصد کی رعایت کے ساتھ اوقاف کی افادیت اور نافعیت میں اضافہ ہو۔

۳- دوسرے اوقاف کے مقابلہ میں مساجد کو زیادہ تقدس واحترام حاصل ہے، مساجد کی فروخت اور منتقلی کسی حال میں درست نہیں، حتی کہ اگر مسجد ویران ہوجائے اور وہاں نماز ادا کرنے کا سلسلہ موقوف ہوجائے تو بھی وہ زمین جہاں مسجد کی عمارت تھی مسجد ہی رہتی ہے، اور اسے مسجد کا تقدس واحترام حاصل ہوتا ہے، وہاں مسجد بنانے اور آباد کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ فَلاَ تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ أَحَدًا} [سورہ جن/۱۸]۔ {إِنَّمَايَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ} [سورہ توبہ/۱۸]۔

۴- مساجد میں نماز کی ادائیگی سے روکنا بدترین ظلم اور گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد

ہے:{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا }[سورۃ بقرہ/ ۱۱۴]۔کسی مسجد میں مسلمانوں کوخواہ کتنے طویل زمانہ سے نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا ہو یا اس پر غاصبانہ قبضہ کرلیا گیا ہو یا عمارت منہدم کردی گئی ہو، اسلامی شریعت کی نظر میں وہ مسجد ہی رہتی ہے۔

۵- آثارقدیمہ کے تحت جو مساجد ہیں ان میں نماز کی ادائیگی کو روکنا شرعاً ظلم ہے، ارشاد باری ہے:{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا}[سورۃ بقرہ/ ۱۱۴]۔

۶- تقسیم ہند کے موقع پر ہندوستان کے بعض علاقوں (خصوصاً پنجاب، ہریانہ، دہلی اور مغربی یوپی کے بعض علاقے) سے بڑے پیمانے پر مسلمان پاکستان منتقل ہوگئے، ان علاقوں میں مسلمانوں کے مختلف النوع بڑے بڑے اوقاف (مساجد، مدارس، خانقاہیں، قبرستان، سرائے وغیرہ) ہیں، ان علاقوں میں اگر کچھ بھی مسلمان آباد ہیں تو ان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ان اوقاف کے تحفظ اور انہیں نفع آور بنانے کی جدوجہد کریں، جو آبادیاں مسلمانوں سے کلیۃً خالی ہوچکی ہیں وہاں کے اوقاف کا تحفظ وہاں کے وقف بورڈ کی ذمہ داری ہے، اور قریبی مسلم آبادی کو ان کے تحفظ کی جدوجہد کرنی چاہئے۔

۷- مساجد کے علاوہ دوسرے وہ اوقاف جو ان مقامات میں واقع ہیں جہاں پر دور دور تک مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی وجہ سے ان اوقاف کو آباد کرنا اور واقف کے مقاصد کے مطابق انہیں بروئے کار لانا ناقابل عمل ہوگیا ہے اور ان اوقاف پر قبضۂ غاصبانہ کا پورا خطرہ ہے، ایسے اوقاف کو فروخت کر کے دوسرے مقامات پر اسی نوع کے اوقاف قائم کرنا درج ذیل شرطوں کے ساتھ درست ہے:

الف: اس بات کی تحقیق کرلی گئی ہو کہ مسلمانوں کی آبادی ان مقامات سے کلیۃً ختم ہوچکی

ہے، اور مستقبل قریب میں وہاں مسلمانوں کے آباد ہونے کی کوئی توقع نہیں ہے۔

ب: وقف جائداد کی فروختگی مناسب قیمت پر مارکیٹ ویلو کا لحاظ کرتے ہوئے کی جائے، اتنی کم قیمت پر اسے فروخت نہ کی جائے جتنی کم قیمت قیمتوں کے ماہرین نہیں لگا سکتے۔

ج: وقف کو فروخت کرنے والے متولی یا وقف افسر اس کی فروختگی اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا کسی ایسے شخص کے ہاتھ نہ کرے جس سے اس کا مفاد وابستہ ہو، اسی طرح کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروختگی نہ کرے جس کا قرض یا مالی دین فروخت کرنے والے کے ذمہ لازم ہے۔

د: وقف جائداد کی فروختگی روپیہ پیسہ کے بجائے جائداد سے کی جائے، اور اگر کسی قانونی یا عملی دشواری کی وجہ سے نقد روپیوں سے فروختگی کی جائے تو جلد سے جلد اس کے ذریعہ جائداد خرید کر متبادل وقف قائم کر دیا جائے۔

ھ: وقف کے تبادلہ اور فروختگی کی اجازت شرائط استبدال کی تحقیق کر کے شرعی قاضی یا اوقاف کی ایسی شرعی کمیٹی دے جس میں مسائل اوقاف سے واقف متقی وخدا ترس علماء اور مسلمان متدین ماہرین قانون ضرور شامل ہوں، موقوفہ جائداد کی فروختگی اور تبادلہ کے لئے وقف بورڈ یا وقف آفیسر کی اجازت شرعاً کافی نہیں ہے، اس سلسلہ میں وقف ٹریبونل (Tribunal) کی اجازت شرعاً اس وقت معتبر ہوگی جب اس نے کم سے کم تین مستند مفتیان کرام کی رائے لینے اور مشورہ طلب کرنے کے بعد ان کے مشورہ کے مطابق فیصلہ کیا ہو۔

نوٹ: یہ وضاحت ضروری ہے کہ موقوفہ دوکان، مکان، زمین، جائداد کو فروخت کر کے جو دوکان، مکان، زمین، جائداد خریدی جائے گی وہ بھی انہیں مقاصد کے لئے وقف ہوگی جن کے لئے پہلا وقف پراپرٹی وقف تھی۔

۸-الف: ویران غیر آباد اوقاف کی آمدنی مقاصد واقف کی رعایت کرتے ہوئے وقف نامہ

میں مذکورمدّات پرصرف کی جائے،اوراگر یہ مدّات موجود نہ ہوں تو ان سے قریب ترین مدّات پرصرف کیا جائے،منشاء واقف کا لحاظ کئے بغیر دیگر مصارف پرصرف کرنا درست نہ ہوگا۔

ب: اگرویران غیرآباداوقاف فروخت کرنے پڑیں توان کا متبادل وقف قائم کرنا ضروری ہوگا۔

۹- مسجد پروقف زائداراضی جن کی نہ مسجد کو فی الحال ضرورت ہےاورنہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے،ان اراضی پر دینی تعلیم کا مدرسہ یا مکتب قائم کرنا درج ذیل صورتوں میں درست ہوگا:

الف: مسجدآبادنہ ہواورمدرسہ یا مکتب قائم ہونے میں مسجد کےآباد ہونے کی امید ہو۔

ب: مسجد پرموقوف زائداراضی پرقبضۂ غاصبانہ کا شدیدخطرہ ہےاوردینی مدرسہ یا مکتب قائم ہونے کی صورت میں قبضہ کا خطرہ ٹل جائے گا۔

ج: جس آبادی یا محلّہ میں مسجد واقع ہے وہاں مسلمان بچوں کے لئے کوئی دینی مدرسہ یا مکتب قائم کرنے کے لئے کوئی مستقل بندوبست بھی نہ ہوتو مسجد پروقف زائداراضی میں دینی مدرسہ یا مکتب قائم کیا جاسکتا ہے،لیکن اس کے لئے مسجد کے متولی یا منتظمہ کمیٹی سے اجازت لے لی جائے،بہتر یہ ہے کہ خود مسجد کی کمیٹی ہی اس مکتب یا مدرسہ کا بندوبست کرے۔

۱۰- مساجد پروقف اراضی جن کا مقصد مساجد کے لئے آمدنی فراہم کرنا ہے،ان کو مناسب کرایہ پرمسلمانوں کی دینی،عصری یا ٹیکنکل تعلیم کےادارے قائم کرنے کے لئے دیا جاسکتاہے،لیکن معاملات اس طرح طے کئے جائیں کہ مساجد کی مالکانہ حیثیت مجروح نہ ہو۔

۱۱- جن مساجد کے پاس ان کے مصارف سے کہیں زیادہ آمدنی ہےاور یہ آمدنی سال بہ سال جمع ہوکر بڑا سرمایہ بنتی جارہی ہے،مستقبل قریب میں بھی مساجد کواس زائدسرمایہ

کی ضرورت پیش آنے کی امید نہیں ہے، مساجد کی ایسی زائد آمدنی کو دوسرے مقامات پر (جہاں ضرورت ہو) مساجد تعمیر کرنے یا محتاج مساجد کی امداد میں صرف کیا جائے، کیونکہ ہندوستان میں اب بھی ایسی بہت سی آبادیاں ہیں جہاں کوئی مسجد اور دینی مکتب نہیں ہے، مسلمان اذان کی آواز کو ترستے ہیں، مالدار مساجد کی فاضل آمدنی سے ایسی آبادیوں میں مساجد قائم کئے جائیں۔

۱۲- مساجد کے مصارف کے لئے موقوفہ اراضی اور جائدادوں سے حاصل ہونے والی آمدنی کا ایک اہم مصرف مساجد کے ائمہ، مؤذنین اور دوسرے خدّام بھی ہیں، شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ بسا اوقات مساجد کی آمدنی میں گنجائش ہونے کے باوجود ائمہ ومؤذنین وغیرہ کی تنخواہیں بہت کم رکھی جاتی ہیں جو ان کی ضروریات کے لئے بالکل ناکافی ہوتی ہیں، اس لئے سمینار سفارش کرتا ہے کہ متولیان اور مساجد کے ذمہ داران ائمہ ومؤذنین وخدّام مساجد کو بہتر سے بہتر اکرامیہ پیش کریں، اور ان کی تنخواہوں کے مسئلہ کو مساجد کے ضروری مصارف میں شمار کریں۔

۱۳- دیگر اوقاف کی زائد آمدنی جن کی اوقاف کو نہ فی الحال ضرورت ہے اور نہ آئندہ ضرورت پیش آنے کی امید ہے اور اس کی حفاظت متولیان کے لئے بہت مشکل ہے، حکومت یا بددیانت افراد کی طرف سے دست اندازی یا قبضۂ غاصبانہ کا خطرہ ہے، اوقاف کی ایسی زائد آمدنی کو اسی نوع کی مدّات میں صرف کیا جائے، مثلاً مدارس کی زائد آمدنی کو مدارس میں، مسافر خانوں کی زائد آمدنی کو مسافر خانوں میں صرف کیا جائے۔

۱۴- اگر کسی وقف کی آمدنی معقول ہو تو محض زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کے لئے اس کی فروختگی درست نہیں کہ اصل وقف کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، البتہ اگر موقوفہ جائداد کی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ وقف پراپرٹی کے ضروری اخراجات اس سے پورے نہ ہوتے ہوں بلکہ اس کے لئے قرض لینا پڑتا ہو اور اس موقوفہ جائداد کی آمدنی بڑھانے

کی کوئی شکل نہ ہو، ایسی صورت میں تجویز (۷) میں ذکر کردہ شرائط (ب، ج، د، ہ،) کی پابندی کے ساتھ موقوفہ جائداد کو فروخت کر کے زیادہ منفعت بخش جائداد خریدنا درست ہوگا، اگر واقف زندہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہوگا۔

۱۵- جن اوقاف کی عمارتیں مخدوش حالت میں ہیں اور وقف کے پاس تعمیر کے لئے سرمایہ موجود نہیں ہے، اور نہ ہی مستقبل قریب میں حاصل ہونے کی امید ہے، ایسے اوقاف کے متولیان کسی بلڈر سے ایسا معاملہ کر سکتے ہیں کہ بلڈر اس شرط کے ساتھ عمارت تعمیر کرے کہ ایک خاص مدت تک وہ پوری عمارت یا اس کا ایک حصہ اس کے پاس بطور کرایہ رہے گا، اور اس طرح اسے سرمایہ کاری کا فائدہ حاصل ہو جائے گا، اس طرح معاملہ کرنا درست نہیں کہ چند منزلہ عمارت کی ایک منزل یا دو منزل کی ملکیت بلڈر کی طرف ہو جائے۔

۱۶- قبرستان کی حفاظت کے لئے اس کے اردگرد چہار دیواری تعمیر کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو، ایسا کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اطراف میں دوکانوں کی تعمیر کرا دی جائے، لیکن دوکانوں کا راستہ قبرستان کے باہر سے ہونا چاہئے، اس کے لئے پیشگی کرایہ کے طور پر رقم لے کر دوکانوں کی تعمیر کرائی جائے، دوکانوں سے حاصل ہونے والی آمدنی قبرستان کی حفاظت وضروریات میں صرف کی جائے، لیکن اس کا لحاظ رکھا جائے کہ دوکانیں تعمیر کرنے میں ایسی قبریں متأثر نہ ہوں جن کے نشانات باقی ہیں۔

۱۷- حکومت ہند نے مسلم اوقاف کے لئے جو پارلیمانی کمیٹی بنائی ہے اس کے سامنے وقف ایکٹ میں ضروری ترمیمات کا مسودہ پیش کرنے اور مفید تجاویز کے لئے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے سکریٹری جنرل قاضی مجاہد الاسلام قاسمی سے سفارش کرتا ہے کہ اس کام کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دیں، جو جلد از جلد ضروری ترمیمات اور تجاویز مرتب کر کے پارلیمانی کمیٹی کے سامنے پیش کرے، اور اس مسئلہ میں فقہ اکیڈمی کی نمائندگی کرے۔

حج وعمرہ کے مسائل:

۱- حج اسلام کا ایک اہم رکن ہے، جو عمر بھر میں ایک ہی دفعہ فرض ہے، عام طور پر حجاج کو اس کے لئے طویل سفر کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے اور کثیر اخراجات بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا اجر وثواب بھی بے حد رکھا ہے اور آپ ﷺ نے اس عبادت کو ایک طرح کا جہاد قرار دیا ہے، پس حجاج کو چاہئے کہ وہ اس راہ کی مشقتوں کو ایک سعادت سمجھ کر برداشت کریں، افعال حج میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کے پہلو کو ملحوظ رکھیں اور جن مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے اور ایک میں توسع اور دوسرے میں احتیاط کا پہلو ہے، تو ایسی صورت حتی الوسع اختیار کرنے کی کوشش کریں کہ اس کا عمل دونوں ہی آراء کے مطابق درست قرار پائے، اور اس عظیم عبادت کی انجام دہی میں تن آسانی اور سہل انگاری سے بچا جائے۔

۲- حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حِل میں رہنے والے، اگر حدود میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کر کے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں، خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے۔

موجودہ حالات میں جبکہ تجّار، دفاتر میں کام کرنے والے، ٹیکسی چلانے والے اور دیگر پیشہ وارانہ کام کرنے والے کبھی ہر روز، کبھی ہر دوسرے تیسرے دن، اور بعض لوگوں کو تو ایک دن میں ایک سے زیادہ دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے، ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور اداء عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے، اس لئے ان حضرات کے لئے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔

۳- جو لوگ مکہ کے اصلاً رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں، اصلاً ان کے لئے تمتع نہیں ہے،

اس لئے انہیں اُشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے، وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اُشہر حج میں میقات کے باہر جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، اور اگر وہ تجارتی، دفتری اور اپنی پیشہ وارانہ مجبوریوں کے باعث باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز (۲) پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے۔

مکہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُشہر حج کے شروع ہونے سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آکر مقیم ہوگئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت پذیر ہوں۔

۴- تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے ہیں۔

۵- رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پا رہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لئے نائب بنانا جائز ہے۔

۶- محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کر سکتا ہے، اس کے لئے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

۷- حنفیہ کے قول راجح کے مطابق ۱۰؍ ذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے، اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ

سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔

۸- دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں۔

الف: حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے، اس کو نظم وضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام و سفر، ان کی صحت، جان و مال کا تحفظ بغیر نظم وضبط کے ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جاسکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہوسکے، حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے، لہذا حکومت سعودیہ کے احکام وضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی شرعاً ضروری ہے۔

ب: اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کردے تو اس کا حکم وہی ہوگا جو شرعاً محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا، اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائے گا اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آسکے گا۔

۹- اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہو تو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج اِفراد ادا کیا جانا چاہئے، لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہئے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت حاصل کرلے، اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لئے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا ہے، خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا، لہذا عرف و

عادت کے پیش نظر مامور کے لئے حج تمتع کی اجازت ہوگی، اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔

۱۰- اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آ جائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض یا نفاس سے پاک ہو کر طواف زیارت کر سکے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تا کہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جا سکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہو جائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر ہو جائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کر سکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا، اور وہ پورے طور پر حلال ہو جائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنایت حدود حرم میں لازم ہوگی۔

۱۱- سفر حج میں کسی خاتون کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس نے ابھی احرام نہیں باندھا ہے اور اس کے لئے وطن واپسی ممکن ہے تو وہ اپنے وطن واپس جا کر عدت گزارے، اور اگر احرام باندھ چکی ہے یا واپسی کا سفر دشوار ہے تو وہ ایام عدت میں حج وعمرہ ادا کرلے۔

۱۲- حج کا سفر کرنے والا ایام حج سے اتنا پہلے مکہ مکرمہ پہنچ رہا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام سے پہلے ہی حج شروع ہو جاتا ہے اور منیٰ چلا جاتا ہے تو وہ مسافر ہوگا، اسے چار رکعت والی نمازوں میں قصر کرنا ہوگا۔

۱۳- بلاد عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کی جاتی ہیں، احناف کے لئے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نماز وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے، اگر امام وتر کی تین رکعتیں دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام نہ پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

قسط پر خرید وفروخت:

۱- خرید وفروخت کے معاملہ میں ادھار فروخت کی صورت میں بمقابلہ نقد قیمت کا اضافہ جائز ودرست ہے، اور اس طرح کی خرید وفروخت بھی درست ہے بشرطیکہ معاملہ کومکمل کرتے وقت بات اس پر ختم کی جائے کہ یہ خرید وفروخت ادھار اتنی قیمت پر اور اتنی مدت کے لئے ہورہی ہے(۱)۔

۲- ادھار قیمت یکمشت ادا کی جائے یا چند حصوں وقسطوں میں، دونوں صورتیں درست ہیں۔

۳- اس طرح کی خرید وفروخت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ معاملہ کومکمل کرتے وقت قیمت متعین ہوجائے، ابتداءً خواہ صرف ادھار قیمت ذکر کی جائے یا نقد وادھار دونوں۔

---

(۱) تیسرے فقہی سمینار منعقدہ جون ۱۹۹۰ء میں مرابحہ کے ذیل میں فیصلہ نمبر ۴ کے شق ب میں کہا گیا ہے کہ ''یہ درست نہیں ہوگا کہ معاملہ کرتے وقت یہ کہا جائے کہ اگر نقد خریدا جائے تو یہ قیمت ہوگی اور ادھار خریدا جائے تو دوسری قیمت، یا ادھار کی مدت کے کم یا زیادہ ہونے پر قیمت کی کمی اور زیادتی کا ذکر معاملہ کرتے وقت کیا جائے، بلکہ بینک خریدار کو مطلوبہ سامان کا نمونہ دکھا کر وضاحت کرے کہ اس کی قیمت اتنی مدت میں اتنی قسطوں میں ادا کرنی ہوگی، اور بینک کو اس کی لاگت پر اتنا منافع دینا ہوگا (اور یہی بینک سے خریداری کی قیمت ہوگی)''۔

معاملہ کی اصل معیاری اور احسن صورت وہی ہے جس کا ذکر بذیل تجویز مرابحہ کیا گیا ہے یعنی ادھار اور نقد کی علاحدہ علاحدہ قیمتیں معاملہ کرتے وقت نہیں بتائی جائیں ایسا کرنا درست نہیں۔لیکن اگر اس کے باوجود یہ اصل معاملہ طے کرنے سے پہلے ہوئیں اور مجلس عقد میں ہی معاملہ کسی ایک صورت پر متعین طور پر کرلیا گیا تو یہ عقد صحیح ہوجائے گا۔

یہ واضح رہے کہ ادھار اور قسطوار بیع میں مثلاً تین مہینہ یا ایک سال مدت قیمت کی ادائیگی کے لئے مقرر کی گئی اور خریدار نے وقت مقرر پر قسط ادا نہیں کی اور تین ماہ کے بجائے چھ ماہ یا ایک سال کے بجائے ڈیڑھ سال ادائیگی میں لگ گئے تو اس زائد مدت کی وجہ سے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں ہوسکتا۔

۴- ادھار خرید وفروخت میں نقد معاملہ کے مقابلہ میں قیمت کی زیادتی ربا کے تحت نہیں آتی، جیسے نقد خرید وفروخت میں جو بھی قیمت ہو وہ مبیع یعنی خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے، اسی طرح ادھار خرید وفروخت کے مقابلہ میں بھی طے شدہ قیمت خرید کردہ سامان کے بالمقابل ہوتی ہے۔

۵- متعینہ مدت میں قیمت یا قسط کے ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید کسی طرح کی زیادتی کا مطالبہ اور معاملہ سود کے تحت داخل ہے، خواہ معاملہ کرتے وقت اس طرح کی شرط لگائی گئی ہو، یا یہ کہ بعد میں اس طرح کا مطالبہ کیا جائے۔

۶- جس شخص نے بطور رہن کوئی سامان اپنے پاس رکھا ہو، اس کا رہن رکھے ہوئے سامان سے نفع اٹھانا سود ہے جو کسی حال میں جائز نہیں ہے۔

۷- رہن کا سامان اگر رہن رکھنے والے کے پاس ہلاک ہوجائے تو سامان کی قیمت اگر دَین کے برابر ہے، تو کسی کے ذمہ کوئی حق نہیں رہا، اگر سامان کی قیمت کم ہے، تو دَین کی باقی رقم دَین والے (جس کے پاس رہن تھا اس) کے ذمہ واجب ہوگی، اگر سامان کی قیمت زیادہ ہے، تو اگر رہن لینے والے کے عمل ولا پرواہی کو اس میں دخل ہے تو دَین سے زیادہ قیمت رہن لینے والے کے ذمہ واجب ہوگی۔

۸- دَین کو وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں قرض دار کو بار بار متوجہ کرنے کے بعد جب کہ اس کا ٹال مٹول ظاہر ہو، قرض خواہ کو اجازت ہے کہ سامان کو واجبی قیمت پر بیچ کر اپنا حق وصول کرلے۔

۹- قسط وار خرید وفروخت کی صورت میں فروخت کردہ سامان کو اگر بائع اس وقت تک کے لئے روکتا ہے جب تک کہ اس کو تمام قسطیں وصول نہ ہوجائیں، تو یہ درست نہیں، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ فریقین یہ طے کرلیں کہ خرید کردہ سامان بطور رہن فروخت کنندہ کے قبضہ میں اس وقت تک رہے گا جب تک اس کی جملہ اقساط ادا نہ ہوجائیں۔

۱۰- طے شدہ مدت تک بعض قسطوں کو ادا کر دینے کے بعد بقیہ قسطوں کے ادا نہ کرنے کی صورت میں بائع (فروخت کنندہ) کو یہ حق نہیں ہے کہ فروخت کردہ شئ کو واپس لے لے اور ادا کردہ قسطوں کو واپس نہ کرے۔

۱۱- خرید کردہ سامان کو مشتری (خریدار) کے قبضہ میں دے کر رہن قرار دینا درست نہیں ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ خریدار سے بیچنے والا بطور رہن لے لے، اور اس کے بعد پھر مشتری کو عاریۃً دے دے۔

۱۲- کریڈٹ لیٹر کی اجرت کی بابت کمیٹی نے یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں مزید غور وخوض کیا جائے۔

۱۳- قرض کی دستاویز (رسیدات، پرچیاں وغیرہ) کا کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کرنا کہ اب وہ قرض وصول کرے اور مالک ہوجائے، قرض دینے والا یا واجبات کا مستحق واجب رقم سے کم لے کر اس معاملہ سے علیحدہ ہوجاتا ہے، اس طرح کی خرید وفروخت جائز نہیں ہے۔

۱۴- واجب الاداء رقم کی مقدار کم کر کے فوری وصول کر لینا جسے "ضع و تعجّل" کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر اصل معاملہ میں کوئی مدت اداء دَین کی معین نہ ہو تو جائز ہے کہ یہ ایک طرح کا تبرع ہے، اور اگر مدت معین ہو تو اس طرح کا معاملہ جائز نہیں ہوگا کہ جس پر دَین واجب ہے وہ مدت کا فائدہ اٹھا کر واجب الادا دَین کو کم کرا رہا ہے۔

۱۵- دَین کی ادائیگی کے لئے طے شدہ مدت سے قبل دَین کی ادائیگی کا مطالبہ جبکہ قسطیں وقت پر ادا نہ کی جارہی ہوں، درست ہے، اس لئے کہ فریقین نے جو معاہدہ کیا ایک فریق نے جب اس کی خلاف ورزی کی تو دوسرے پر بھی اس کی پابندی لازم نہیں رہ گئی۔

۱۶- جملہ اقساط کی ادائیگی سے قبل اگر مدیون (خریدار) کی موت ہوجائے تو بھی معاملہ علی

حالہ باقی رہے گا، جیسا کہ دائن کی موت کی صورت میں باقی رہتا ہے، بشرطیکہ بائع (دائن) اس پر راضی ہو۔

کلوننگ:

اسلام نے علم و تحقیق کے دروازے کھلے رکھے ہیں، انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل و خرد کے ذریعہ جن باتوں کی تحقیق کرتا ہے وہ ایجاد نہیں ''اکتشاف'' ہے، اور تخلیق میں شرکت نہیں بلکہ پہلے سے موجود فطرت کے حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔

اسلام نے ہر ایسی تحقیق کی حوصلہ افزائی کی ہے جو انسان کے لئے نافع ہو اور شریعت اسلامی کے مقاصد خمسہ حفظ دین، حفظ نفس، حفظ نسل، حفظ عقل اور حفظ مال میں معاون ہو، اور مضرت رساں نہ ہو، شریعت اسلامی کے انہیں تصورات اور اصولی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے اجلاس منعقدہ ممبئی ۲۴ تا ۲۷/ اکتوبر ۱۹۹۷ء نے کلوننگ کے مسئلہ پر غور کیا اور جدہ کی مجمع الفقہ الاسلامی کی اس موضوع پر تجویز کو سامنے رکھ کر اصولی طور پر اس سے اتفاق کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کیں:

۱- کلوننگ کے سلسلہ میں جو تفصیلات اور صورتیں اب تک سامنے آئی ہیں، اور ان کی وجہ سے جن اخلاقی اور سماجی نقصانات کا خطرہ ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے کسی بھی طریقہ پر انسانی کلوننگ حرام ہے۔

۲- نباتات وحیوانات میں ایسی کلوننگ جو انسانی مفاد میں ہو اور جو انسان کے لئے دینی اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے مضرت رساں نہ ہو، جائز ہے۔

۳- اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ ایسے قوانین وضع کئے جائیں جن کی رو سے ملکی یا غیر ملکی تحقیقاتی ادارے یا تجارتی کمپنیاں ہمارے ملک کو انسانی کلوننگ کی تجربہ گاہ نہ بنائیں۔

اعلامیہ برائے اتحاد امت:

(اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے دسواں فقہی سمینار حج ہاؤس ممبئی میں ۲۱-۲۴ر جمادی الثانی ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۴-۲۷؍اکتوبر ۱۹۹۷ء کو منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے علماء، فقہاء اور اہل افتاء نے بڑی فکرمندی اور دردمندی کے ساتھ اپنے دستخط سے درج ذیل اعلامیہ برائے اتحاد امت جاری کیا)۔

ہندوستانی مسلمان اس وقت نت نئے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، ان مسائل میں سب سے بڑا مسئلہ اپنے دین و ایمان اور تہذیبی شناخت و پہچان کو ہندوستان کے موجودہ ماحول میں باقی رکھنا ہے، اور اسی جذبہ کو اپنی نئی نسل میں منتقل کرنا ہے اور یہ کام سب کو مل جل کر کرنا ہے، تاکہ اس سرزمین میں اسلام کی کھیتی ہری بھری اور سرسبز و شاداب رہے اور ہم اپنے وجود سے برادران وطن کو بھی نفع پہنچاتے رہیں۔

اس اہم ضروری اور بنیادی کام کے لئے ہم سب کو ذات، برادری، خاندان کی تقسیم سے اونچا اٹھ کر اور مسلک و مشرب کے تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر خدا کی رسی کو مضبوط پکڑنا ہے، رنگ و نسل کے فرق کو مٹانا ہے، زبان اور علاقہ کے بت کو آستین سے نکالنا ہے، اور اس حقیقت کو دل و دماغ میں بٹھانا ہے کہ اتحاد و اتفاق ہی زندگی ہے اور انتشار و اختلاف موت، مگر افسوس کہ کچھ دنوں سے یہ بات شدت کے ساتھ محسوس کی جارہی ہے کہ ہندوستانی مسلمان زندگی کی شاہراہ (اتحاد و اتفاق) کو چھوڑ کر موت (انتشار و اختلاف) کی طرف بڑھ رہے ہیں جو ہماری دینی، ملی اور اسلامی زندگی کے لئے حد درجہ خطرناک ہے، اس لئے عالم اسلام کے باوقار ادارہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی مجلس فقہی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۴ تا ۲۷ر صفر ۱۴۰۸ھ میں دنیا بھر کے مسلمانوں سے اخوت و اتحاد کی اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مسلمان اپنے فقہی اور مسلکی اختلافات میں اعتدال اور توازن کے دامن کو نہ چھوڑیں اور ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کریں۔

آیئے اس موقع پر ہم اپنے اس سبق کو تازہ کریں کہ:

ہم ایک خدا کے بندے ہیں، ہم سب حضرت محمد ﷺ کو اپنا آخری رسول مانتے ہیں، ہمارا ایمان ہے کہ قرآن حکیم خدا کی آخری کتاب ہے، ہم جب نماز پڑھتے ہیں تو کعبہ ہی کو اپنا قبلہ بناتے ہیں، ہمارا دین ''اسلام'' ہے جس سے قیامت تک کے لئے اللہ راضی ہوگیا، اور ہم نے اپنی نجات کے لئے اس دین اسلام کو اپنا لیا۔

اس لئے ہم عہد کرتے ہیں کہ:

۱- ہم تمام مسلمان خواہ کسی ذات، برادری، خاندان اور مسلک و مشرب سے وابستہ ہوں، ایک رہیں گے، اور اپنی عملی زندگی سے اسلامی اخوت اور مساوات کا ثبوت دیں گے۔

۲- اپنے مسلک اور مشرب کے اختلاف کو علمی دائرہ تک محدود رکھتے ہوئے امت کی اجتماعیت کو متاثر نہ ہونے دیں گے۔

۳- ایک دوسرے کے امام، رہنما اور پیشوا کے احترام کو ملحوظ رکھیں گے، اور ان کی شان میں ایسی باتوں کے اظہار سے پرہیز کریں گے جن سے ان کی عزت وتوقیر میں فرق آتا ہو۔

۴- ہم لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کا احترام کریں گے، نہ کسی کا مذاق اڑائیں گے اور نہ دل آزاری کریں گے، ایک دوسرے کی جان و مال اور عزت و آبرو کا پاس و لحاظ رکھیں گے۔

۵- اچھے اور نیک کام میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی، اخباری بیان بازی اور پوسٹر بازی سے گریز کریں گے، اور ہم اپنی زندگی سے اس حقیقت کو اجاگر کریں گے کہ ہم ایک دوسرے کے رفیق ہیں نہ کہ فریق۔

۶- اپنے اختلافی اور نزاعی مسائل آپسی گفتگو سے حل کریں گے، اور جہاں شرعی دارالقضاء قائم ہو وہاں اپنے مسئلہ کو پیش کریں گے۔

۷- ہم اپنی اجتماعی زندگی میں صبر،تحمل، برداشت اور رواداری کا ثبوت دیں گے۔

۸- ذات، برادری، قبیلہ اور خاندان کی تقسیم میں الجھ کر اپنی زندگی اور اجتماعی شیرازہ بندی کو ہرگز نقصان نہ پہنچنے دیں گے، اور اس حقیقت کا اظہار کریں گے کہ اللہ کے یہاں بڑائی کا معیار تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔

۹- اپنے فروعی اور جزوی اختلافات کو دین اور عقیدہ کی بنیاد اور اساس نہیں بنائیں گے، اور اپنی اجتماعی اور ملی زندگی میں ایک مستحکم عمارت کی طرح رہیں گے جس کی اینٹیں ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتی ہیں۔

۱۰- بعض فرقہ پرست عناصر اور سیاسی استحصال کرنے والی قوتیں منظّم سازش کے تحت مسلمانوں کو مختلف قسم کی گروہ بندی اور فرقہ بندی میں مبتلا کر رہی ہیں، ہم مسلمان اپنے شعور اور مؤمنانہ فراست سے ان سازشوں اور منصوبوں کو ناکام بنائیں گے۔

نوٹ: اس اعلامیہ کی خواندگی و باضابطہ منظوری ممتاز علماء کی موجودگی میں ہوئی۔

✧ ✧ ✧

گیارھواں فقہی سمینار

☆ نکاح میں ولایت کے مسائل
☆ نکاح میں کفاءت کے مسائل
☆ ضعیف احادیث کے احکام

گیارہواں فقہی سمینار

۲۹/ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ-۲/محرم ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷-۱۹/اپریل ۱۹۹۹ء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے گیارہویں فقہی سمینار کا مقام ہندوستان کی ایک اہم و مؤقر دینی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ طے پایا تھا، لیکن ندوۃ العلماء کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کی اچانک شدید علالت کی وجہ سے آخری دنوں میں سمینار کا مقام تبدیل کیا گیا۔

نازک وقت میں اتنی بڑی تبدیلی کے باوجود خدائے ذوالجلال کا ہزارہا کرم واحسان اور کارکنان کی مسلسل جدوجہد نے ساری مشکلات کافور کردی، اور امارت شرعیہ کے بالکل جدید تعمیر شدہ المعہد بلڈنگ کے خوبصورت ہال میں پورے وقار وتاب اور اہتمام کے ساتھ تین روزہ یہ سمینار منعقد ہوا۔

موسم کی شدت اور پروگرام کی تبدیلی کا کوئی بھی اثر سمینار کے فاضل شرکاء گرامی پر بھی الحمد للہ نہیں ہوا، بلکہ مختلف حلقوں کی نمائندگی کے اعتبار سے یہ سمینار کافی ممتاز تھا، بیرون ملک سے جناب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اور جناب ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب وغیرہ کی تشریف آوری نے بھی اس کی افادیت ورونق میں اضافہ کردیا تھا۔

اس سمینار میں وقت کے دو اہم ترین سماجی موضوعات زیر بحث تھے:

☆ نکاح میں ولایت کے مسائل

☆ نکاح میں کفاءت کے مسائل

ان کے علاوہ ایک اہم ترین اصولی موضوع بھی زیر غور تھا، یعنی:

☆ ضعیف احادیث کے احکام

اس تین روزہ سمینار میں ملک بھر سے آئے ہوئے ممتاز علماء وفقہاء اور ارباب افتاء نے مذکورہ تینوں موضوعات پر مفصل فیصلے فرمائے جو مندرجہ ذیل ہیں:

نکاح میں ولایت کے مسائل:

ا: الف- شریعت اسلامیہ میں ولایت نکاح کا مفہوم یہ ہے: کسی کو دوسرے کے عقد نکاح کا اختیار حاصل ہونا۔

ب- اس کی دوصورتیں ہیں: ا-ولایت اجبار، ۲-ولایت استحباب۔

ولایت اجبار: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہ ہو۔

ولایت استحباب: ایسا اختیار جو دوسرے کی رضامندی پر موقوف ہو۔

ج- شرعاً ولی کے لئے حسب ذیل صفات ضروری ہیں:

دماغی توازن کا درست ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، وراثت کا استحقاق ہونا، مسلمان ہونا۔

اولیاء کی ترتیب عصبات میں وراثت کی ترتیب کے مطابق ہے۔

۲- ہر عاقل وبالغ کو خواہ مرد ہو یا عورت، خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، اور جو بالغ نہیں یا جس کا دماغی توازن صحیح نہ ہو تو ان کے نکاح کا اختیار اولیاء کو حاصل ہے، اور اس سلسلہ میں لڑکی ولڑکے کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۳- عاقلہ بالغہ لڑکی کو ولی کی مرضی کے بغیر خود اپنا نکاح کرنے کا حق حاصل ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اولیاء اور لڑکی کی رضامندی سے نکاح ہو۔

۴- عاقلہ بالغہ لڑکی اپنے نکاح میں کفاءت یا مہر کے مطلوبہ معیار کا لحاظ نہ کرے تو اولیاء

کو قاضی کے ذریعہ تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

۵:الف- جس لڑکی کا نکاح باپ یا دادا نے نابالغی میں کردیا ہو وہ نکاح لازم ہے، الا یہ کہ وہ لڑکی اس وجہ سے اس نکاح کو پسند نہ کرے کہ باپ دادا نے اس کا نکاح کسی لالچ میں آ کر یا لاپرواہی سے کام لے کر یا بدتدبیری کے ساتھ کردیا ہے، یا ولی اعلانیہ فاسق ہے تو اس کو قاضی کے ذریعہ حق تفریق حاصل ہے۔

ب- باپ اور دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کا کرایا ہوا نکاح درست ہے، البتہ اگر لڑکی اس نکاح پر مطمئن نہ ہو تو بوقت بلوغ اس کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

ج- کنواری لڑکی کے لئے اس حق (خیار بلوغ) کا استعمال بوقت بلوغ ضروری ہے، بشرطیکہ بلوغ سے پہلے اس کو نکاح کا علم ہو چکا ہو اور حکم شرعی کا بھی علم ہو، بصورت دیگر اس کو یہ اختیار نکاح کا علم ہونے تک یا مسئلہ کا علم ہونے تک باقی رہے گا ۔

د- شوہر دیدہ یعنی ثیبہ لڑکی کو یہ حق (خیار بلوغ) اس وقت تک حاصل رہے گا جب تک کہ اس کی طرف سے رضامندی کا اظہار نہ ہو، خواہ یہ اظہار صراحۃً ہو یا قرائن کے ذریعہ، اسی طرح یہ حق واختیار اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اس کو مسئلہ کا یا نکاح کا علم نہ ہو۔

۶- (الف) ایک سے زائد یکساں درجہ کے اولیاء موجود ہوں تو جو ولی پہلے نکاح کردے اس کا نکاح صحیح ہے۔

ب- اور قریب تر ولی کی موجودگی میں نسبتاً دور کا ولی نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح کردے تو قریب تر ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، البتہ اگر قریب تر ولی کی رائے سے بروقت واقف ہونا ممکن نہ ہو اور تاخیر میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو دور کے ولی کا کرایا ہوا نکاح درست ہے۔

نکاح میں کفاءت کے مسائل:

١- اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک اور برابر تسلیم کرتا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتا اور بحیثیت انسان ہر ایک کو برابر عزت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ} [حجرات/١٣]۔

اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے انسانوں کی طبقاتی تقسیم اور رنگ ونسل کی بنیاد پر انسانوں کو اعلیٰ اور گھٹیا سمجھنا گوارہ نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ} [الاسراء/٧٠]۔

٢- اسلام نے بہت صاف لفظوں میں اخوت اسلامی کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ} [حجرات/١٠]۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "المؤمن للمؤمن كالبنيان يشدّ بعضه بعضا"، اور فرمایا: "مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى"۔

اس لئے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، کسی کا دوسرے کو ذات برادری کی بنیاد پر حقیر سمجھنا اور نسب ونسل اور زبان پر فخر کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لا يحلّ لمسلم أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه"۔

٣- نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد وعورت زندگی بھر کی رفاقت کا عہد وپیمان کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے راز دار، پردہ پوش اور وجہ سکون بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ} [بقرہ/۱۸۷]۔ اور ارشاد ہے: {وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً} [الروم/۲۱]۔

اسلام نکاح کو استوار اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تا حیات خوشگوار زندگی گذار سکیں۔

۴- کفاءت کی حقیقت مماثلت اور یگانگت ہے، میاں بیوی کے درمیان فکر وخیال، معاشرت، طرز رہائش، دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گذرے، اور رشتہ نکاح مستحکم ہو، بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں، اور اس ناکامی کے بُرے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہوکر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں، اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفاءت کی رعایت کی ہے۔

۵- مسلمان عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے کیا گیا عقد نکاح شرعاً منعقد ہوجاتا ہے، کفاءت لزوم عقد میں مؤثر ہے، صحت وانعقاد نکاح میں نہیں۔

۶- کوئی بھی غیر مسلم اسلام قبول کرلینے کے بعد مسلم سوسائٹی کا معزز فرد بن جاتا ہے، اسے پشتینی مسلمانوں کے برابر حقوق واحترام حاصل ہوجاتا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کا نکاح اگر نومسلم نوجوانوں سے کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوگا بلکہ موجب اجر وثواب ہے۔

۷- مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت مرد کی کفو ہو یا نہ ہو، واضح رہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہے، یعنی ضروری ہے کہ شوہر عورت کے معیار کا ہو یا اس سے بڑھ کر۔ عاقل بالغ مرد نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، شرعاً منعقد اور لازم

ہے، اس پر مرد کے اہل خانہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

٨- اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا، لیکن اولیاء کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق ہوگا۔

٩- کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بیان کرکے نکاح کرلیا لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی ظاہر ہوئی تو وہ نکاح منعقد ہوگا، لیکن لڑکی یا اس کے اولیاء کو مرافعہ کا حق ہوگا۔

١٠- مسئلہ کفاءت میں دینداری کا اعتبار تو ضروری ہے، دیگر امور ایسے ہیں جن کا تعلق عرف وعادت اور سماجی حالات سے ہے، اس لئے پوری دنیا اور تمام ممالک واقوام کے لئے امور کفاءت کی تعیین وتحدید یکساں نہیں ہوسکتی، لہذا ہر ملک وعلاقہ کے علماء وفقہاء وہاں کے عرف وعادات اور سماجی احوال کے پیش نظر امور کفاءت کی تحدید وتعیین کریں گے، بلا اس کے کہ کفاءت کو آپس میں عزت وذلت وشرافت اور ذلالت کے ساتھ جوڑا جائے۔

ضعیف احادیث کے احکام:

١- اس موضوع پر غور کرتے ہوئے سمینار اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ فی زمانہ اہل علم کے یہاں اس باب میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ بعض حضرات کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہر قسم کی معتبر ونامعتبر روایات کو صحیح وثابت روایات کا درجہ دے رکھا ہے جو کسی بھی طرح "من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار" کے تحت مطلوبہ احتیاط سے ہم آہنگ نہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو محض کسی حدیث کے سند کے

اعتبار سے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو یکسر ناقابل اعتبار اور لائق رد سمجھتے ہیں، حالانکہ ضعیف احادیث بھی بعض مواقع پر مقبول ہیں، اور حدیث کا سند کے اعتبار سے ضعیف ہونا اس کے متن و مضمون کے مردود و نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔

۲- جو روایات موضوع ہیں وہ قطعاً غیر معتبر ہیں، نہ ان سے استدلال کی گنجائش ہے اور نہ ان کے موضوع ہونے کی صراحت و وضاحت کے بغیر ان کو نقل کرنا جائز ہے۔ البتہ اگر کسی سند میں واضع حدیث راوی آجائے تو جب تک متن حدیث کے دوسرے طرق کی تحقیق نہ کر لی جائے محض اس سند کی وجہ سے حدیث کے متن و مضمون کو موضوع قرار دینا درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کسی ایسی سند سے بھی یہ متن منقول ہو جس میں واضع حدیث راوی نہ آیا ہو۔

۳- اگر کسی حدیث کو متعدد فقہاء و مجتہدین اور محدثین نے بطور استدلال نقل کیا ہو یا اس روایت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہو یا اس حدیث کو رد کرنے کے بجائے اس کے متن میں تاویل کا راستہ اختیار کیا ہو، اور ظاہر و متبادر معنیٰ کے بجائے دوسرا معنیٰ متعین کیا ہو، تو یہ ''تلقی بالقبول'' ہے۔

۴- تلقی بالقبول کی وجہ سے سنداً ضعیف احادیث بھی مقبول کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں۔

۵- تلقی بالقبول کے علاوہ احادیث صحیحہ سے اور صحابہ کے فتاویٰ سے مطابقت کی بنا پر بھی احادیث ضعیفہ درجہ اعتبار حاصل کر لیتی ہیں۔

۶- جن احادیث کے رواۃ متہم بالکذب اور فاسق نہ ہوں، لیکن راوی کے خفت ضبط کے باعث روایت ضعیف ہو، ان کے لئے تعدد طرق مفید ہے، اور ایسی روایت ''حسن لغیرہٖ'' کے درجہ میں آجاتی ہے، بشرطیکہ دوسرے طرق میں بھی راوی پر خفت ضبط ہی کی تہمت ہو نہ کہ کذب و فسق کی۔ ایسی ضعیف حدیثیں جو دوسری نصوص ثابتہ سے

متعارض ہوں یا جن میں ضعف راوی کے متہم بالکذب یا فسق کی وجہ سے ہو، تو یہ نہ فضائل میں معتبر ہوں گی اور نہ احکام میں۔

۷- ترغیب وترہیب میں ضعیف روایات معتبر ہیں، بشرطیکہ ان میں ضعف شدید نہ پایا جاتا ہو، اور وہ شریعت کی کسی اصل عام کے تحت آتی ہوں، اوران پر عمل کرتے ہوئے اس میں بیان کئے ہوئے ثواب وعقاب کی امید تو رکھی جائے لیکن یقین جازم نہ ہو۔

۸- موجودہ علمی انحطاط کو دیکھتے ہوئے مناسب ہے کہ اہل علم اپنی تحریروں اور تقریروں میں صحیح وثابت احادیث کے نقل کا اہتمام کریں، اور جہاں ایسی ضعیف حدیثیں پیش کرنی پڑیں وہاں مناسب انداز پر ایسی حدیث کا درجہ اور مقام بھی واضح کردیں، تاکہ ضعیف وبے اصل روایات کے نقل کرنے کا چلن نہ ہوجائے۔

۹- ایسی احادیث جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہوں، لیکن ان میں ضعف خفت ضبط کی وجہ سے ہو نہ کہ فقدان عدالت کی وجہ سے، اور کسی نص صحیح وثابت سے متعارض نہ ہوں، ان سے احتیاطی احکام یعنی کراہت واستحباب ثابت کئے جاسکتے ہیں۔

۱۰- نیز جن احکام میں کوئی دوسری دلیل شرعی موجود نہ ہو، ان میں ایسی ضعیف الاسناد احادیث سے دیگر احکام بھی ثابت کئے جاسکتے ہیں۔ ایسی احادیث علت غیر منصوصہ پر مبنی قیاس سے اولیٰ ہیں، یہی جمہور سلف کا مسلک ہے۔

نوٹ: مولانا عبداللہ جولم صاحب کو شق ۹ اور ۱۰ سے اتفاق نہیں ہے۔

✧ ✧ ✧

بارھواں فقھی سمینار

☆ اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت

☆ طلاق سکران (حالت نشہ کی طلاق)

☆ انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال

بارہواں فقہی سمینار

۵-۸/ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰ء، دارالعلوم الاسلامیہ، بستی، یوپی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا بارہواں فقہی سمینار اتر پردیش کے مشہور معروف دینی ادارہ دارالعلوم الاسلامیہ بستی (یوپی) میں منعقد ہوا۔

اس سمینار میں مندرجہ ذیل تین اہم موضوعات زیر بحث آئے:

☆ اختلافات ائمہ

☆ طلاق سکران

☆ انٹرنیٹ کا استعمال

اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے بارہویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۱ تا ۱۴/فروری ۲۰۰۰ء بمقام دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے موضوعات میں ایک موضوع ''اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت'' تھا، اس موضوع پر ۳۷ مقالات اکیڈمی کو موصول ہوئے جن کی تلخیص شرکاء کے سامنے پیش کی گئی اور پھر بحث ومباحثہ کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جن کے ارکان کے نام یہ ہیں:

۱-جناب مولانا زبیر قاسمی صاحب

۲-جناب مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب

۳-جناب مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی صاحب

۴-جناب مفتی نسیم احمد قاسمی صاحب

۵-جناب مولانا احمد دیولوی صاحب

☆جناب مولانا ابوسفیان مفتاحی صاحب

۷-جناب مولانا ابوالعاص وحیدی صاحب

۸-جناب مولانا اختر امام عادل صاحب

شرکائے سمینار کے درمیان کمیٹی کے پیش کردہ تجاویز پر بحث ومباحثہ کے بعد باتفاق علماء جو فیصلے کیے گئے وہ درج ذیل ہیں:

۱- احکام شرعیہ کے دو حصے ہیں: منصوص اور غیر منصوص، منصوص سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جو کتاب وسنت میں مذکور ہیں، اور غیر منصوص سے مراد وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کے اجتہاد واستنباط سے ہے۔ بلاشبہ ائمہ وفقہاء کے اجتہادات واستنباطات اور ان کا فقہی ذخیرہ ہمارا قیمتی سرمایہ اور شریعت اسلامیہ کا حصہ ہیں۔

۲- ائمہ مجتہدین کے درمیان مسائل میں جو اختلاف رائے ہے وہ اختلاف حق وباطل نہیں ہے بلکہ مختلف فیہ مسائل کی ایک بڑی تعداد وہ ہے جن میں افضل، غیر افضل، راجح، غیر راجح کا اختلاف ہے، باقی مسائل میں اختلاف کی نوعیت یہ ہے کہ ایک رائے صواب باحتمال خطا اور دوسری رائے خطا باحتمال صواب پر محمول ہے۔

۳- عامی جو کتاب وسنت اور دلائل شرعیہ سے واقف نہیں ہے، اس کے لئے راہِ عمل یہ ہے کہ وہ کسی معتمد ومستند عالم دین سے مسئلہ شرعی معلوم کرکے اس پر عمل کرے، وہ اسی طرح شریعت پر عمل پیرا قرار دیا جائے گا۔

۴- ائمہ مجتہدین کی آراء پر عمل کرنے والی مختلف جماعتوں یا افراد کا ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہنا یا ان اکابر سلف کی مذمت کرنا یا ان کے فقہی استنباطات کو تمسخر کا نشانہ بنانا قطعاً حرام ہے اور یہ کسی مسلمان کے لئے دنیا وآخرت میں سخت بدنصیبی اور خسارہ کا سبب ہے۔

۵- اختلافی مسائل میں سلف صالحین کی روش رواداری، ادب واحترام، ایک دوسرے کے مقام ومنصب کوملحوظ رکھنے اور ان کے علوم ومعارف کوقدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھنے کی رہی ہے، ان حضرات نے علمی مباحثات میں ان آداب کی پوری رعایت کی ہے، بلاشبہ سلف صالحین کی روش ہمارے لئے مشعل راہ ہے، افرادامت کی ذمہ داری ہے کہ اسی روش کواختیار کریں اوراختلافی مسائل میں راہِ اعتدال پرچلیں۔

۶- اگر وقت اور حالات کی تبدیلی سے معاشرہ کسی مشکل صورت حال کا شکار ہواور ائمہ مجتہدین کی فقہی آراء میں سے ایک پرعمل حرج اوردشواری کا باعث ہواوردوسری فقہی رائے پرعمل سے یہ حرج دور ہوجائے تو ایسی صورت میں علماء وفقہاء جواصحاب ورع وتقویٰ اور ارباب علم وفہم ہوں ان کے لئے دوسری رائے پرفتویٰ دینا جائز ہے جو باعث دفع حرج ہو، البتہ اس طرح کے مسائل میں انفرادی طور پرفتویٰ دینے کے بجائے اجتماعی طریقہ اختیار کیا جائے۔

۷- ایسے مسائل جن میں مستند علماء وفقہاء کی ایک جماعت عدول کی ضرورت سمجھےاور مسئلہ مجتہد فیہ میں ایک خاص فقہی رائے کودفع حرج کے لئے اختیار کرےاوراس پرفتویٰ دے، اور دوسری جماعت اس سے اختلاف کرےاوراس فقہی رائے کواختیار کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرے، ایسی صورت میں عام لوگوں کے لئے اس رائے پرعمل کرنا جائز ہے جس میں عدول کرکے سہولت کی راہ اختیار کی گئی ہے، اوراصحاب افتاء کے لئے اس رائے پربھی فتویٰ دینا جائز ہے۔

طلاق سکران (حالت نشہ کی طلاق):

اس موضوع پرشرکاءسیمینار کے درمیان ہونے والی بحثوں کی روشنی میں درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں، اس تجویز کے پانچ دفعات پرتمام شرکاء کا اتفاق رہا، اور چھٹے شق میں

اختلاف رہا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

۱- اگر کسی شخص نے لاعلمی میں نشہ آور حرام چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا، اسی حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲- کسی شخص نے اگر کسی نشہ آور حرام چیز کا استعمال ایسی صورت میں بہ طور دوا کے کیا جب ماہر مسلم اطباء کی رائے میں اس کے مرض کا علاج اسی نشہ آور چیز سے ہی ہوسکتا ہے، یا بھوک اور پیاس کی غیر معمولی شدت میں (کوئی حلال چیز فراہم نہ ہونے کی وجہ سے) جان بچانے کے لئے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا۔ حالت نشہ میں اس شخص نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی۔

۳- کسی شخص کو شراب یا کسی دوسری نشہ آور چیز کے استعمال پر مجبور کیا گیا۔ جبر واکراہ کی وہ صورت اختیار کی گئی جس میں اس کے لئے اس حرام چیز کا استعمال کرنا جائز ہوگیا، اس لئے اس نے نشہ آور چیز کا استعمال کیا اور نشہ طاری ہونے پر بیوی کو طلاق دے ڈالی تو یہ طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

۴- جائز وحلال چیز کے استعمال سے اگر کسی شخص کو نشہ طاری ہوگیا اور حالت نشہ میں اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو یہ طلاق شرعاً معتبر نہ ہوگی۔

۵- کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے جس میں ایک قسم کا سرور طاری ہوتا ہے البتہ ہوش وحواس برقرار رہتے ہیں اور انسان بات سمجھتا ہے۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔

۶- اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہوگیا، جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا، بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا، اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال

کئے تو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اس سلسلہ میں شرکاء سمینار دو رائے رکھتے ہیں:

الف- اکثر شرکاء سمینار اس طلاق کو واقع نہیں مانتے، ان میں سے چند اہم نام یہ ہیں:

۱- مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ
۲- مولانا سید نظام الدینؒ (امیر شریعت بہار واڑیسہ)
۳- مولانا یعقوب اسماعیل منشی
۴- قاضی عبد الجلیل (امارت شرعیہ)
۵- مولانا محمد عبید اللہ اسعدی
۶- مولانا عتیق احمد قاسمی (قاضی لکھنو)
۷- مولانا ابو العاص وحیدی قاسمی
۸- مفتی جنید عالم ندوی (مفتی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ)
۹- مولانا محمد سلمان حسینی ندوی
۱۰- مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی
۱۱- مولانا زبیر احمد قاسمی
۱۲- مفتی جمیل احمد نذیری
۱۳- مولانا سلطان احمد اصلاحیؒ
۱۴- مولانا صباح الدین ملک قاسمی
۱۵- مفتی نسیم احمد قاسمیؒ
۱۶- مولانا خورشید احمد قاسمی
۱۷- مولانا شفیق احمد مظاہریؒ (بردوان)
۱۸- مولانا مبارک حسین ندوی (نیپال)
۱۹- مولانا خورشید انور اعظمی
۲۰- مولانا اعجاز احمد قاسمی
۲۱- مولانا قاری ظفر الاسلام
۲۲- مولانا راشد حسین ندوی
۲۳- مولانا ریاض احمد سلفی
۲۴- مولانا اسرار الحق سبیلی

ب- درج ذیل حضرات طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں:

۱- مولانا برہان الدین سنبھلی
۲- مفتی عبد الرحمٰنؒ (دہلی)
۳- مفتی محبوب علی وجیہی
۴- مفتی حبیب اللہ قاسمی
۵- مولانا ابو سفیان مفتاحی
۶- مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی
۷- مولانا ابو بکر قاسمی
۸- مولانا ابو جندل قاسمی
۹- مولانا اختر امام عادل
۱۰- مولانا تنویر عالم قاسمی

۱۱-مولانا عبداللطیف پالنپوری	۱۲-مفتی سعید الرحمٰن صاحب ممبئی
۱۳-مولانا عبدالقیوم	۱۴-مولانا عبداللہ مظاہری بستی
۱۵-قاضی محمد کامل	۱۶-مولانا نذیر احمد کشمیری
۱۷-مولانا احمد دیولوی	۱۸-مولانا جمال الدین قاسمی
۱۹-مولانا محمد حمزہ گورکھپوری	۲۰-مولانا ابرار خاں ندوی

انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ:

اس موضوع پر گفتگو اور بحث وتمحیص کے بعد باتفاق شرکاء سمینار درج ذیل فیصلے کئے گئے:

۱- اسلام کی نشر واشاعت اور اس کی حفاظت وبقا کے لئے ہر ممکن جدوجہد وسعی امت مسلمہ کا اہم فریضہ ہے۔

۲- "وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" کے مطابق اس فریضہ کی انجام دہی کے لئے جدید وقدیم ہر ممکن جائز ذریعہ ووسیلہ کا استعمال کرنا درست ہے، بلکہ ضرورت وحالات کے مطابق مفید وموثر وسیلہ کا استعمال کرنا ضروری ہے۔

۳- ابلاغ وترسیل کے جدید ذرائع میں ریڈیو کا استعمال دینی مقاصد کے لئے کوئی قباحت نہیں رکھتا، خواہ یہ استعمال اس کے پروگرام سے استفادہ کی صورت میں ہو، یا پروگرام میں عملاً شرکت کر کے ہو، یا یہ کہ خود اپنا ریڈیو اسٹیشن قائم کرکے۔

۴- بنیادی طور پر انٹرنیٹ آج کے زمانے کا سب سے اہم ذریعہ ابلاغ ہے، اس کی حیثیت اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لئے ایک ذریعہ اور وسیلہ کی ہے، اور ذرائع کا حکم شرعی متعین کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ ان ذرائع کا استعمال کن مقاصد کے لئے ہو رہا ہے، ذرائع ووسائل کا استعمال جائز مقاصد کے لئے شرعاً جائز اور ناجائز مقاصد کے لئے ناجائز ہے، پھر ان کا شرعی حکم اس طرح متعین ہوگا کہ ان

مقاصد کا حصول فرض وواجب ہے یا مستحب ہے یا مباح ہے۔ اور ان وسائل کا استعمال مکمل طور پر ان مقاصد کے حصول کے لئے جس حد تک ضروری ہو اسی کے بقدر ان وسائل کا استعمال فرض یا مستحب یا جائز ہوگا۔

ان اصولوں کی روشنی میں شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ انٹرنیٹ کا استعمال ایک شرعی، دینی، دعوتی، اجتماعی فلاح کے ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے جائز اور بعض دفعہ ضروری ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ عرض اور پیشکش کے طریقے میں منکرات اور محرمات شرعیہ سے بچا جائے۔

۵- ٹیلی ویژن ایک ایسا ذریعہ ابلاغ ہے جس کے ذریعہ نہ صرف آواز بلکہ بولنے والوں کی صورتیں بھی سامعین وناظرین کے سامنے پیش ہوجاتی ہیں، کبھی نقل نشر مباشر (براہ راست) کے ذریعہ چلتی پھرتی صورتیں منتقل کی جاتی ہیں، اور کبھی کسی مجلس، کسی عمل، کسی کھیل یا کسی تقریب کو ویڈیو کیسٹ میں محفوظ کرلیا جاتا ہے اور بعد میں اس کو نشر کیا جاتا ہے۔

ٹیلی ویژن کے مسئلہ میں ایک دشواری تو یہ ہے کہ اس میں جو صورتیں ناظرین تک منتقل ہوتی ہیں آیا وہ اس تصویر کشی کا محل اور مورد ہیں جن کے ممنوع ہونے کی صراحت حدیث نبوی میں آئی ہے یا نہیں؟ عام طور پر علماء ہند اس طرح کے عکس ریز کیمروں سے لی گئی تصویر کو بھی اس تصویر کشی کا حصہ مانتے ہیں۔ ممالک عربیہ کے بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ فوٹو گرافی ممنوع تصویر سازی کا محل نہیں۔

ٹیلی ویژن کے ساتھ دوسری دشواری اس کے استعمال کی ہے، تفریحات (Entertainment)، تجارتی اشتہارات کے ذریعہ عورتوں کی عُریاں تصویروں کی اشاعت، بے حیائی فحاشی کو عام کرنا، ایسی فحش فلموں کا نشر کیا جانا جس کو باپ بیٹا، ماں بیٹی ایک ساتھ دیکھ نہیں سکتے، پھر بچوں کو اس طرح اپنے سحر میں گرفتار کرلینا کہ ان کی تعلیمی دلچسپی ختم ہوجائے۔ یہ وہ

بُرائیاں ہیں جن کی وجہ سے ٹیلی ویژن موجودہ سماج کے لئے ایک بڑا ناسور بن گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ٹیلی ویژن کے ذریعہ کچھ مفید کام لئے جاسکتے ہیں اور لئے جاتے ہیں، لیکن معاشرے کو پہونچنے والا ضرر اس سے حاصل ہونے والے نفع سے کہیں زائد ہے "وإثمهما أكبر من نفعهما"۔

ان حالات میں شرکاء سمینار ٹیلی ویژن کے استعمال (اور اس کے ذریعہ ان منکرات وفواحش کی اشاعت) کو ناجائز (اور معاشرے کے لئے تباہی کا ذریعہ) قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں۔

٦- ایک اہم سوال ان چینلس کے حکم شرعی کا ہے جو خالص دینی ودعوتی مقاصد کے لئے قائم کئے گئے ہیں اور قائم کئے جارہے ہیں اور ہر طرح کی فحاشی، عُریانی سے پاک اور خالی ہیں، کیا ایسے چینلس (Channels) کا قائم کرنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

تمام شرکاء سمینار اس کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض حضرات ان حالات میں بھی اجازت نہیں دیتے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

١- مولانا عبداللطیف پالنپوری صاحب ٢- مولانا عبدالقیوم پالنپوری صاحب
٣- مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری صاحب ٤- مولانا محمد حمزہ گورکھپوری صاحب
٥- مولانا مفتی محمد زید صاحب ٦- مولانا زبیر احمد صاحب مظاہر علوم

مولانا برہان الدین سنبھلی اور مولانا ارشد قاسمی کی رائے یہ ہے اگر براہ راست نشر (Live) ہو تو جائز ہوگا، اور اگر محفوظ کیا ہوا پروگرام (Recorded Programme) نشر کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔

✧✧✧

تیرھواں فقہی سمینار

☆ انقلاب ماہیت

☆ اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری

☆ جبری شادی

☆ جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود ومعاملات کا شرعی حکم

☆ جہیز کی حرمت

☆ مسجد کی شرعی حیثیت

تیرہواں فقہی سمینار

۱۸-۲۱ر محرم ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۳-۱۶ر اپریل ۲۰۰۱ء، جامعہ سید احمد شہید، کٹولی، یوپی

انقلاب ماہیت (طہارت ونجاست وحلت وحرمت پر اس کا اثر):

اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں سمینار منعقدہ ۱۳ تا ۱۶ر اپریل ۲۰۰۱ء بمقام جامعہ سید احمد شہید واقع کٹولی، ملیح آباد، لکھنؤ میں انقلاب ماہیت کے موضوع پر مندرجہ ذیل فیصلے طے پائے:

۱- شریعت میں جن اشیاء کو حرام یا ناپاک قرار دیا گیا ہے ان کی حرمت ونجاست اس شئی کی ذات سے متعلق ہے، اگر کسی انسانی فعل، کیمیائی یا غیر کیمیائی تدبیر، یا کسی انسانی فعل کے بغیر طبی اور ماحولیاتی اثر کے تحت اس شئی کی اصل حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوگئی تو اس شئی کا سابق حکم باقی نہیں رہے گا، اس میں نجس العین اور غیر نجس العین کا کوئی فرق نہیں۔

۲- تبدیلی ماہیت سے مراد یہ ہے کہ اس شئی کے وہ خصوصی اوصاف بدل جائیں جن سے اس شئی کی شناخت متعلق ہے، دوسرے غیر مؤثر اوصاف جو اس شئی کی حقیقت میں داخل نہیں، کا اس شئی میں باقی رہ جانا تبدیلی ماہیت میں مانع نہیں۔

۳- اگر حلال و پاک اشیاء میں حرام و ناپاک شئی کا صرف اختلاط ہو، اصل حقیقت تبدیل نہ ہو، تو وہ حرام اور ناپاک ہی باقی رہے گی۔

۴- یہ سمینار محسوس کرتا ہے کہ الکحل اور جیلاٹین وغیرہ میں قلب ماہیت کے محقق ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے پہلے ماہرین کیمیاء سے مناسب معلومات حاصل کرنا ضروری ہے، اس لئے یہ سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذمہ داروں

سے خواہش کرتا ہے کہ اس موضوع پر فیصلہ کو کسی قریبی آئندہ سمینار تک ملتوی رکھا جائے۔ اور پہلے اس سلسلہ میں ماہرین سے ضروری معلومات حاصل کی جائیں اور ان سے علماء وارباب افتاء کو آگاہ کیا جائے تا کہ ان کو رائے قائم کرنے میں سہولت ہو۔

۵- یہ سمینار مسلمان میڈیکل سائنس دانوں اور خاص کر عالم اسلام کے ارباب حل وعقد سے خواہش کرتا ہے کہ وہ طبی اغراض کے لئے دواؤں میں استعمال ہونے والے حرام و ناپاک اجزاء کا متبادل نباتات، جمادات اور حلال مذبوح حیوانات سے دریافت کریں، تا کہ حرام ومشتبہ دواؤں سے اجتناب ممکن ہو سکے، کہ بحیثیت مسلمان یہ ان کا نہایت اہم مذہبی اور دینی فریضہ ہے۔

اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں فقہی سمینار منعقدہ ۱۳-۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء مطابق ۱۸ تا ۲۱/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ میں اموال زکاۃ کی سرمایہ کاری کے موضوع پر غور کیا گیا اور بعض علمی مجامع کے فیصلوں کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل فیصلے کیے گئے:

۱- بہت سے ممالک اور علاقوں میں مسلمانوں کی مفلوک الحالی اور معاشی پسماندگی نا قابل بیان ہے، مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور اقتصادی بدحالی کا استحصال کرتے ہوئے غیر مسلم مشنریاں اور قادیانی مبلغین سرگرم عمل ہیں، اور غریب اور ناواقف مسلمانوں کی امداد کر کے اور انہیں اپنے قریب لا کر ان کے ایمان وعقیدہ کو بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ محتاج و نادار مسلمانوں کی معاشی بدحالی کا فوری طور پر مداوا کیا جائے، انہیں فقر وفاقہ کے اس چنگل سے نکالا جائے جس نے ان کے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ ایسے مسلمان اموال زکوۃ کے سب سے زیادہ مستحق ہیں، ہر ملک اور

علاقہ کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے نادار اور محتاج مسلمانوں کو خاص طور پر اموال زکوۃ سے مدد کردیں، اور اگر اموال زکوۃ اس کے لئے کفایت نہ کریں تو دوسری مدات خیر سے ان کا تعاون کریں۔

۲- فقراء ومساکین کو زکاۃ کا جو مال دے دیا، انہیں اس مال پر تمام مالکانہ حقوق حاصل ہوجاتے ہیں، اس لئے اگر کسی فقیر ومسکین یا چند فقراء نے زکاۃ لینے کے بعد اسے استثمار یا تجارت وغیرہ میں لگا دیا تا کہ زکاۃ کی اس رقم سے آئندہ بھی فائدہ پہنچتا رہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اس سے زکاۃ ادا ہوجائے گی۔

۳- زکاۃ دینے والے شخص یا زکاۃ دینے والوں کی جماعت کی طرف سے زکاۃ میں نکالی ہوئی رقوم کو کسی نفع بخش کاروبار میں لگا دینا تا کہ مستقبل میں اس کا نفع فقراء ومساکین اور دیگر مستحقین زکاۃ پر تقسیم کی جاتی رہے، جائز نہیں، اس طرح زکاۃ ادا نہ ہوگی۔

۴- فقراء کو معاشی طور پر خود کفیل بنانے کے لئے اگر یہ صورت اختیار کی جائے کہ فقیر جس پیشے اور صنعت سے وابستہ ہے، یا جس پیشے کو شروع کرسکتا ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے کوئی مشین یا آلات صنعت وحرفت زکاۃ کی رقم سے خرید کر بطور ملکیت دے دیئے جائیں، یا فقیر کی تجارتی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی دوکان اسے مالکانہ طور پر زکاۃ کی رقم سے بنا کر دے دی جائے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے زکاۃ کی ادائیگی ہوجائے گی۔

۵- اگر رہائشی مکانات یا دوکانیں تعمیر کر کے فقراء کو رہائش یا تجارت کے لئے دے دی جائیں اور انہیں مکانات اور دوکانوں کا مالک نہ بنایا جائے تو اس سے زکاۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

۶- اداء زکاۃ کے وقت اس کو بہر حال ملحوظ رکھا جائے کہ مقامی محتاج ومستحقین محروم نہ رہ جائیں۔

جبری شادی:

برطانیہ وبعض مغربی ممالک کے سماجی حالات کے پس منظر میں اولیاء کی جانب سے لڑکیوں کو رشتہ نکاح کے سلسلے میں مجبور کیے جانے کے واقعات پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے تیرہویں سمینار منعقدہ جامعہ سید احمد شہید کٹولی، ملیح آباد میں غور کیا گیا اور حسب ذیل فیصلے کیے گئے:

۱- لڑکا یا لڑکی جب بالغ ہوجائے تو شریعت نے انہیں اپنی ذات کے بارے میں تصرف اور نکاح کے سلسلے میں رشتہ کے انتخاب کا حق دیا ہے۔ یہ حریت شخصیہ شریعت اسلامیہ کے امتیازات میں سے ہے، بلکہ آج مغرب ومشرق کی بہت سی قوموں نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ انہی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔

۲- اولیاء کی جانب سے بالغ لڑکی یا لڑکے کو ان کی خواہش اور رضا کا خیال کئے بغیر کسی رشتہ پر مجبور کرنا قطعاً جائز نہیں، لہذا اولیاء کا اپنی رائے پر اصرار اور اس پر مجبور کرنے کے لئے طرح طرح کی دھمکیاں دینا، اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے محروم کرنے کی ناروا کوشش ہے، جو کسی طرح درست نہیں ہے۔

۳- لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی چاہئے کہ اپنے اولیاء کے انتخاب کردہ رشتے کو ترجیح دیں، کیونکہ اولیاء کی شفقت ومحبت اور ان کے تجربہ کی وجہ سے عموماً یہی امید ہے کہ اولیاء نے ان کے لئے رشتے کا انتخاب کرتے وقت ان کے مفادات کا پورا پورا لحاظ کیا ہوگا۔

۴- نکاح کے منعقد ہونے یا نہ ہونے کا تعلق نکاح کے وقت رضامندی کے اظہار سے ہے، لہذا اگر بالغ لڑکے یا لڑکی نے نکاح کے وقت رضامندی کا اظہار کر دیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔

۵- اگر قاضی شرعی اور قضاء کے کام کرنے والے اداروں وذمہ داروں کے سامنے یہ بات بہ تحقیق ثابت ہوجائے کہ اولیاء نے بالغہ لڑکی کے نکاح کے سلسلے میں جبر وزبردستی سے

کام لیا ہے، اور اس کو مجبور کر کے بوقت نکاح ہاں کرالیا ہے، اورلڑکی رشتہ ہو جانے کے بعد اس رشتہ کو باقی و برقرار رکھنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہے اور فسخ کا مطالبہ کرتی ہے اور شوہر نہ بطور خود اسے جدا کرتا ہے اور نہ خلع وطلاق پر آمادہ ہے تو قاضی شرعی کو دفع ظلم کی غرض سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود ومعاملات کا شرعی حکم:

۱- ''مجلس'' سے مراد وہ حالت ہے جس میں عاقدین کسی معاملہ کو طے کرنے میں مشغول ہوں۔ ''اتحاد مجلس'' کا مقصد ایک ہی وقت میں ایجاب کا قبول سے مربوط ہونا ہے۔ اور ''اختلاف مجلس'' سے مراد یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ایجاب وقبول میں ارتباط کا تحقق نہ ہو سکے۔

۲-الف-فون اور ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعہ بیع میں ایجاب وقبول معتبر ہوگا، انٹرنیٹ پر بھی اگر بیک وقت عاقدین موجود ہوں اور ایجاب کے بعد فوراً دوسرے کی طرف سے قبول ظاہر ہو جائے تو بیع منعقد ہو جائے گی، اور ان صورتوں میں عاقدین کو متحد المجلس تصور کیا جائے گا۔

ب- اگر انٹرنیٹ پر ایک شخص نے بیع کی پیشکش کی، اور دوسرا شخص اس وقت انٹرنیٹ پر موجود نہیں تھا، بعد کو اس نے اس پیشکش کرنے والے کا پیغام حاصل کیا، یہ صورت تحریر وکتابت کے ذریعہ بیع کی ہوگی، اور جس وقت وہ دوسرا شخص اس پیشکش کو پڑھے اسی وقت اس کی جانب سے قبولیت کا اظہار ضروری ہوگا۔

۳- اگر خریدار اور بائع نے اپنے معاملہ کو مخفی رکھنا چاہا اور اس کے لئے سکریٹ کوڈ (Secret Code) استعمال کیا تو کسی شخص کے لئے اس معاملہ سے باخبر ہونے کی کوشش جائز نہیں ہوگی، البتہ کسی اور شخص کا حق شفعہ یا کوئی اور شرعی حق اس

عقد یا بیع سے متعلق ہوتو اس کے لئے اس مخفی معاملہ کے بارے میں واقفیت حاصل کرنا درست ہے۔

۴- نکاح کا معاملہ بہ مقابلہ عقد بیع کے زیادہ نازک ہے، اس میں عبادت کا بھی پہلو ہے، اور گواہان کی شرط بھی ہے، اس لئے انٹرنیٹ، ویڈیو کانفرنسنگ اور فون پر راست نکاح کا ایجاب وقبول معتبر نہیں، البتہ اگر ان ذرائع ابلاغ پر نکاح کا وکیل بنایا جائے اور وہ گواہان کے سامنے اپنے مؤکل کی طرف سے ایجاب وقبول کرلے تو نکاح درست ہو جائے گا، اس صورت میں یہ بات ضروری ہوگی کہ گواہان وکیل بنانے والے غائب شخص سے واقف ہوں یا ایجاب وقبول کے وقت اس کا نام مع ولدیت ذکر کیا جائے۔

جہیز کی حرمت:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں سمینار منعقدہ ۱۳ تا ۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء بمقام جامعہ سید احمد شہید واقع کٹولی، ملیح آباد میں مروجہ جہیز کے موضوع پر ملک بھر سے آئے تمام مکاتب فکر کے ایک سو سے زائد ممتاز علماء ومفتیان کرام نے اپنے دستخط کے ساتھ مندرجہ ذیل فیصلہ کیا:

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ اجلاس اس صورت حال پر اپنی سخت تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ آج ہماری عائلی زندگی میں لڑکوں کی خرید وفروخت کا مزاج ہوگیا ہے اور انہیں مال تجارت بنالیا گیا ہے، کبھی لڑکوں کی طرف سے، کبھی ان کے والدین اور اقرباء کی طرف سے، اور کبھی خود لڑکی والوں کی طرف سے نہ صرف یہ کہ قیمت لگائی جاتی ہے بلکہ بھاؤ تاؤ کیا جاتا ہے، اور کون زیادہ سے زیادہ دے گا اس کی تلاش کی جاتی ہے، شرعاً نکاح میں لڑکی والوں سے کچھ لینا، وہ چاہے تلک کے نام پر ہو یا گھوڑے وجوڑے کے نام پر ہو، یا مروج قیمتی جہیز کے نام پر ہو جائز نہیں، شریعت نے "أحل لكم ماوراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم" (قرآن کریم) کے حکم ربانی کے ذریعہ مردوں پر نکاح میں مال خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد کی ہے۔ آج ہم نے اس

حقیقت کو بدل ڈالا ہے اور عورتوں کو نکاح کے لئے مال خرچ کرنا پڑتا ہے، کبھی صریح مطالبہ ہوتا ہے اور کبھی عادت اور عرف ورواج کے تحت یہ ہوتا ہے، یہ ساری صورت حال چاہے اس طرح کا مال لینا ہو یا پیشکش کرنا ہو، شرعاً جائز ودرست نہیں ہے۔

اکیڈمی کا یہ اجلاس تمام مسلمانان ہند کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرے کو ان خطوط پر متوجہ کریں جو محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تجویز کیا ہے، اور شادیوں کو ہر طرح سادہ رکھیں اور ارشاد نبوی ''أعظم النکاح برکۃ أیسرہ مؤنۃ'' کے مطابق بغیر جبر ودباؤ اور فرمائش ومطالبہ نیز اسراف وتبذیر کے، بطریق سنت نبویہ انجام دیں۔

مسجد کی شرعی حیثیت:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے تیرہویں سمینار منعقدہ ۱۳ تا ۱۶/اپریل ۲۰۰۱ء بمقام جامعہ سید احمد شہید واقع کٹولی، ملیح آباد میں ملک بھر سے آئے ہوئے تمام مکاتب فکر کے ایک سو بیس ممتاز علماء ومفتیان کرام نے اپنے دستخط کے ساتھ مندرجہ ذیل فیصلہ کیا:

مساجد کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر بالکل واضح ہے اور اس پر جمہور امت کا اتفاق ہے کہ جس مقام پر ایک بار مسجد بنادی گئی وہ قیامت تک کے لئے مسجد ہے، اب نہ اس کی خرید وفروخت ہوسکتی ہے نہ وہ خطۂ ارض کسی اور کو ہبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی شخص یا حکومت اس کی حیثیت کو تبدیل کرسکتی ہے، مسجد دراصل وہ حصہ زمین ہے جسے ایک دفعہ مسجد کے لئے وقف کردیا گیا ہو، مسجد صرف در ودیوار اور مسجد میں استعمال ہونے والے تعمیری سامان کا نام نہیں، اس لئے اگر مسجد کی عمارت منہدم ہوجائے یا اسے ظلماً منہدم کردیا جائے یا کسی وجہ سے طویل عرصہ تک وہاں نماز نہ پڑھی جائے تب بھی وہ مسجد باقی رہتی ہے، اور مسلمانوں پر اس کو دوبارہ آباد کرنا شرعاً واجب ہے۔

مسجد کا مقصد کائنات کے حقیقی خالق ومالک کی عبادت اور غیر اللہ کی معبودیت کی نفی

ہے،اس لئے مسجد کی زمین پر بت خانہ بنانے کی اجازت ہرگزنہیں دی جاسکتی، کیونکہ یہ مسجد کے مقصد کے عین برعکس بات ہوگی، اور یہ نہ صرف مذہب وعقیدہ بلکہ تقاضائے عقل کے بھی خلاف ہوگا کہ کوئی چیز اپنے برعکس مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔

اسلام دنیا میں عقیدۂ توحید کا نمائندہ مذہب ہے اور وہ پوری انسانیت کو اس سچائی کی طرف دعوت دیتا ہے کہ اس کائنات کا خالق اور رب ایک ہی قادر مطلق ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں عدل اور رواداری کی تعلیم بھی دیتا ہے، وہ مذہب کے معاملہ میں کسی جبر و اکراہ کا قائل نہیں، اس نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کسی فرد یا قوم کی انفرادی یا قومی اور مذہبی زمین پر قبضہ کر کے اسے زبردستی مسجد بنالیا جائے، اس لئے نہ صرف تاریخ بلکہ عقیدہ اور اسلامی تاریخ کی رو سے بھی یہ بات صریحاً غلط ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں کسی زمین یا کسی قوم کی عبادت گاہ پر قبضہ کر کے اسے مسجد بنایا ہو۔

لہٰذا اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار متفقہ طور پر اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ بابری مسجد یا کسی اور مسجد کے بارے میں ایسی کوئی صلح شرعی اعتبار سے قطعاً جائز نہیں کہ جس کا مقصد مسجد کی حیثیت کو تبدیل کرنا یا نعوذ باللہ اسے بت خانہ بنانا ہو، اور یہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے۔

✦✦✦

چودھواں فقہی سمینار

☆ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے اہم مسائل

☆ اسلام اور امن عالم

☆ جلاٹین

☆ الکحل

☆ نئے وقف کا قیام

چودھواں فقہی سمینار

۱-۳/ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۲۰-۲۲/ جون ۲۰۰۴ء، حیدرآباد

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا چودھواں فقہی سمینار ہندوستان کے مشہور تاریخی شہر حیدرآباد میں واقع ممتاز دینی درسگاہ دارالعلوم سبیل السلام میں مورخہ ۲۰-۲۲/ جون ۲۰۰۴ء کو منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)، مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی (صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)، مولانا بدرالحسن قاسمی (نائب صدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) وغیرہ دیگر ممتاز علماء نے شرکت کی، اسی طرح کویت، سعودی عرب اور ایران سے تشریف لائے مہمانان ذی وقار کی بھی اس سہ روزہ سمینار میں شرکت رہی، اس سمینار میں پانچ موضوعات زیر بحث لائے گئے، جن پر بحث ومناقشہ کے بعد شرکاء سمینار نے مندرجہ ذیل تجاویز منظور کیں:

مسلم وغیر مسلم تعلقات:

۱- اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے۔ لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے۔ لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

۲- مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں۔

۳- جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

۴- جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدے کئے جاسکتے ہیں۔

۵- ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں۔

۶- مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے جہاں وہ اپنے دین وایمان اور اپنے تشخص کو برقرار رکھ سکیں اور تعلیم وتربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہئے جس سے اپنے دینی و ملی تشخص کی حفاظت کرسکیں۔

۷- اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی حقوق ہیں، اس لئے ان کی بیماری وغم کے موقعوں پر ان کی عیادت وتعزیت کی جائے گی۔

۸- وندے ماترم جیسے گیت میں شرکیہ الفاظ ہیں اور ہندوستان کی سرزمین کو معبود کا درجہ دیئے جانے کا تصور پایا جاتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کا پڑھنا شرعاً حرام ہے۔ اور ان پر اس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

۹- اگر غیر اسلامی قانون شہادت یا دوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلے ہوجائیں تو اس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے۔ یہ سمینار تمام مسلمانون سے اپیل کرتا ہے کہ اپنے تنازعات دارالقضاء ہی میں لے جائیں اور وہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعا معتبر ہے۔

۱۰- وحدت ادیان کا تصور غیر اسلامی ہے اور کتاب وسنت کی رو سے باطل اور عملی طور پر غیر مفید ہے، بلکہ یہ دراصل اسلام کے تشخص کو مٹانے کی ایک گہری سازش اور مسلمانوں کو گمراہی پر ڈالنے کی ایک ناپاک کوشش ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو ایسے فتنہ سے بچنا چاہئے۔

۱۱- اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

۱۲- مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً ہاسپیٹل وغیرہ کے ذریعہ بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت واعانت کرنی چاہئے، یہی انسانی ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ زکاۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں ہی پر خرچ کی جائے۔

۱۳- اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقع پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادران وطن کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے اور ان کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے۔

اسلام اور امن عالم:

۱- تشدد کا ہر وہ عمل جس کے ذریعہ کسی فرد یا جماعت کو کسی شرعی جواز کے بغیر خوف وہراس میں مبتلا کیا جائے یا اس کی جان ومال، عزت وآبرو، وطن ودین اور عقیدے کو خطرے سے دوچار کیا جائے دہشت گردی ہے، خواہ یہ عمل کسی فرد کی طرف سے ہو یا جماعت و حکومت کی طرف سے۔

۲- کسی بھی حکومت وریاست کی طرف سے ایسی تدبیریں اختیار کرنا جن سے کسی فرد اور

جماعت کو اس کے واجبی حقوق سے محروم کیا جائے، یا ان کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائے دہشت گردی میں داخل ہے۔

۳: الف- کسی بھی طرح کی ناانصافی کے خلاف مناسب اور موٴثر طریقہ پر آواز کا اٹھانا مظلوم کا ایک حق ہے۔

ب- مظلوم کی طرف سے ظلم کا دفاع دہشت گردی نہیں ہے۔

۴- ظلم کرنے والوں کا تعلق جس طبقہ اور گروہ سے ہو، اس کا بے قصور افراد سے ظلم کا بدلہ لینا جائز نہیں ہے۔

۵- دہشت گردی کے سد باب کی صورت یہ ہے کہ تمام لوگوں کو مساوی طریقہ پر عدل وانصاف فراہم کیا جائے، انسانی حقوق کا مکمل احترام، جان ومال اور آبرو کا مکمل تحفظ کیا جائے، نسلی، قبائلی، مذہبی اور لسانی امتیازات کا لحاظ کئے بغیر تمام انسانوں کو باعزت زندگی گذارنے کا موقع دیا جائے۔

۶- کسی کی جان ومال اور عزت وآبرو پر حملے کی صورت میں اس کو مدافعت کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔

جلاٹین:

۱- جلاٹین ایک نامیاتی (Organic) مرکب ہے، جو ایک قسم کا پروٹین ہے۔ یہ جانوروں کی کھال اور ہڈیوں میں موجود ایک دیگر قسم کے پروٹین کو لاجن (Collagen) سے کیمیائی تبدیلیوں کے بعد بنایا جاتا ہے۔ جو کیمیائی اور طبعی طور سے کولاجن سے یکسر مختلف ایک نئی قسم کے پروٹین کی شکل اختیار کرلیتا ہے، اور اپنی رنگت، بو، ذائقہ اور کاصیات میں بھی کولاجن سے جدا ہوتا ہے۔

۲- شریعت نے جن اشیاء کوحرام قرار دیا ہے اگر ان کی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہوجائے تو ان کا سابق حکم باقی نہیں رہتا ہے۔ کسی شئ کے وہ خصوصی اور بنیادی اوصاف جن سے اس شئ کی شناخت ہوتی ہے، وہی اس شئ کی حقیقت و ماہیت ہیں۔ اکیڈمی کے سامنے فنی ماہرین کے ذریعہ جو تحقیق سامنے آئی ہے، اس کے مطابق جلاٹین میں ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے جن کے کولاجن سے جلاٹین بنایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ نئی چیز ہوجاتی ہے۔ اس لئے اس کے استعمال کی گنجائش ہے۔ ماہرین کی رائے میں اختلاف کے پیش نظر شرکاء سمینار میں سے مولانا بدر الحسن قاسمی نے حرام جانوروں کے اجزائے جسم سے حاصل شدہ جلاٹین کے استعمال سے گریز کرنے کو ترجیح دی۔

۳- فقہاء کے اختلاف اور غذائی اشیاء کی اہمیت و نزاکت کو سامنے رکھتے ہوئے سمینار مسلمان صنعت کاروں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ حلال جانور اور اس کے حلال اور پاک اجزاء سے جلاٹین تیار کریں، تاکہ اس کے حلال و پاک ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

الکحل:

۱- الکحل ایک کیمیائی مادہ ہے، جو مختلف پھلوں اور اناج کے نشاستہ (Carbohydrate) یا شکر سے بنایا جاتا ہے، اس کی بہت ساری قسمیں ہیں جن میں صرف ایک قسم نشہ آور ہے۔

۲- بعض دواؤں میں ایتھائیل الکحل (Ethyl Alcohol) کا استعمال ہوتا ہے، یہ الکحل نشہ آور ہے، اور دوا میں شامل ہونے کے بعد بھی اس کی حقیقت نہیں بدلتی لیکن علاج و معالجہ کے باب میں شریعت نے جو سہولت روا رکھی ہے اس کے تحت مجبوراً

الکحل آمیز ادویہ کا استعمال درست ہے۔

۳- عطریات میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے، فنی ماہرین کی تحقیق و اطلاع کے مطابق وہ نشہ آور نہیں ہے۔ اس لئے یہ ناپاک نہیں ہے۔

نئے وقف کا قیام:

وقف کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے، اور وقف کے ذریعہ بڑے بڑے تہذیبی وتمدنی، فلاحی اور رفاہی کارنامے انجام دیئے گئے ہیں، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے سمینار نے درج ذیل امور طے کئے ہیں:

۱- ہندوستان میں مسلم اوقاف کو سرکاری وغیر سرکاری ناجائز قبضوں سے واگذار کرنے، اور وقف کی جائیداد کو جدید امکانات اور شرعی ضابطوں کی رعایت کرتے ہوئے بڑھانے، نفع آور بنانے اور ان کی سرمایہ کاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

۲- بیواؤں، مطلقہ عورتوں، یتیموں، بیماروں اور دیگر ضرورت مند لوگوں کی حاجت روائی کے لئے نئے اوقاف کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۳- ضرورت مند طلبہ کی اعانت اور ان کے لئے اسکالرشپ وغیرہ کی فراہمی کے لئے ''فنڈ برائے تعلیمی امور'' قائم کیا جائے۔

۴- دینی مراکز اور اسلامی مدارس کی تقویت کے لئے ''فنڈ برائے دینی مراکز'' کا قیام عمل میں لایا جائے۔

۵- ان تمام شعبوں کے لئے اہل خیر حضرات کو چاہئے کہ دل کھول کر حصہ لیں جو انشاء اللہ ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوگا۔

✦✦✦

پندرھواں فقہی سمینار

☆ بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ

☆ میڈیکل انشورنس

☆ جنیٹک ٹسٹ

☆ DNA ٹسٹ

پندرہواں فقہی سمینار

۱۰-۱۲/صفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶ء، دارالعلوم صدیقیہ، میسور، کرناٹک

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا بنیادی مقصد موجودہ عہد میں پیدا ہونے والے نئے مسائل کا شرعی حکم واضح کرنا ہے۔ اس کے لئے اکیڈمی اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ فیصلہ کرتی ہے، چنانچہ ۱۱-۱۳ مارچ ۲۰۰۶ء کو اس کا پندرہواں فقہی سمینار ہندوستان کے تاریخی شہر میسور کی دینی درسگاہ دارالعلوم صدیقیہ میں منعقد ہوا، اس سمینار میں پورے ملک سے تقریباً دوسو علماء، ارباب افتاء، معاشیات، بنکاری، بائیوسائنس اور میڈیکل انشورنس کے ماہرین شریک ہوئے، جس میں کشمیر سے لے کر کیرالا تک اور مشرقی ہندوستان سے لے کر وسطی ہندوستان تک ہر علاقہ کے مندوب موجود تھے۔ ہندوستان کے علاوہ متحدہ عرب امارات، ایران اور نیپال سے بھی اصحاب نظر علماء نے شرکت فرمائی۔

بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ:

اس سمینار میں بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ پر اس نقطۂ نظر سے بحث کی گئی کہ کس صورت میں سود پایا جاتا ہے اور کس صورت میں نہیں پایا جاتا؟ کیوں کہ اسلام میں غریبوں کا استحصال ہونے کی وجہ سے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اس پس منظر میں جو قراردادیں منظور ہوئیں وہ اس طرح ہیں:

۱- چونکہ معاملات میں اصل اباحت ہے، اس لئے اے ٹی ایم کارڈ جس کے ذریعہ مشین سے اپنی جمع کردہ رقم نکالی جاتی ہے، کے استعمال میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔

۲- ڈیبٹ کارڈ کا استعمال، اس کے ذریعہ خرید وفروخت اور ایک کھاتہ سے دوسرے کھاتہ میں رقم کی منتقلی درست اور جائز ہے۔

۳- اے ٹی ایم کارڈ اور ڈیبٹ کارڈ کے حصول اور استعمال کے لئے جو رقم ادا کی جاتی ہے وہ کارڈ کا معاوضہ اور سروس چارج ہے، اس لئے اس کا ادا کرنا جائز ہے۔

۴- کریڈٹ کارڈ کی مروج صورت چونکہ سودی معاملہ پر مشتمل ہے، لہذا کریڈٹ کارڈ یا اس قسم کے کسی کارڈ کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

میڈیکل انشورنس:

شریعت اسلامی میں جوئے کی کوئی بھی شکل جائز نہیں۔ اس وقت میڈیکل انشورنس کی جو صورت رائج ہے وہ اپنے نتیجہ کے اعتبار سے جوا میں شامل ہے اور اس نے علاج کو خدمت کے بجائے نفع آور تجارت بنا دیا ہے۔ اس پس منظر میں سمینار نے میڈیکل انشورنس کے بارے میں درج ذیل فیصلے کئے ہیں:

۱- میڈیکل انشورنس، انشورنس کے دوسرے تمام شعبوں کی طرح بلا شبہ مختلف قسم کے ناجائز امور پر مشتمل ہے، لہذا عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے اور اس حکم میں سرکاری وغیر سرکاری اداروں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲- اگر قانونی مجبوری کے تحت میڈیکل انشورنس لازمی ہو تو اس کی گنجائش ہے، لیکن جمع کردہ رقم سے زائد جو علاج میں خرچ ہو، صاحب استطاعت کے لئے اس کے بقدر بلا نیت ثواب صدقہ کرنا واجب ہے۔

۳- موجودہ مروج انشورنس کا متبادل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممکن ہے اور آسان صورت یہ ہے کہ مسلمان ایسے ادارے ونظام قائم کریں، جن کا مقصد علاج ومعالجہ

کے ضرورت مندوں کی ان کی ضرورت کے مطابق مدد کرنا ہو۔

جنیٹک ٹسٹ:

موجودہ سائنسی ترقی نے انسانیت کو بہت سے فائدے پہنچائے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی نقطۂ نظر سے اس میں بعض منفی پہلو بھی موجود ہیں، اسی سلسلے کی ایک کڑی جنیٹک سائنس اور DNA ٹسٹ ہے، چنانچہ جنیٹک سائنس کے سلسلے میں جو تجویزیں پاس ہوئیں، وہ اس طرح ہیں:

۱- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ ثابت ہوجائے کہ رحم مادر میں پرورش پانے والا بچہ ایسا ناقص العقل اور ناقص الاعضاء ہے جو ناقابل علاج ہے اور پیدائش کے بعد اس کی زندگی ایک بوجھ اور اس کے اور گھر والوں کے لئے تکلیف دہ رہے گی، تو ایسی صورت میں حمل پر ایک سو بیس دن گذرنے سے پہلے پہلے والدین کے لئے اس کا اسقاط جائز ہے۔

۲- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کسی شخص کی اگلی نسل میں پیدائشی نقائص کے امکانات ہیں، تو اس اندیشہ کے پیش نظر سلسلۂ تولید کو روکنا قطعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر جنیٹک ٹسٹ کے ذریعہ کسی شخص کے بارے میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ آئندہ جنون یا کسی ایسے مرض میں مبتلا ہوسکتا ہے جو شرعاً فسخ نکاح کا سبب ہے تو فسخ نکاح کے لئے محض یہ ٹسٹ کافی نہیں ہوگا۔

۴- علاج کی غرض سے امراض کی شناخت اور تحقیق کے لئے جنیٹک ٹسٹ کرانا اور اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

ڈی این اے ٹسٹ:

ڈی این اے (DNA) ٹسٹ کے سلسلے میں سمینار نے حسب ذیل فیصلے کئے ہیں:

۱- جس بچے کا نسب شرعی اصول کے مطابق ثابت ہو اس کے بارے میں ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ اشتباہ پیدا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔

۲- اگر کسی بچہ کے بارے میں چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی این اے ٹسٹ کے ذریعہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

۳- جو جرائم موجب حد و قصاص ہیں ان کے ثبوت کے لئے منصوص طریقوں کے بجائے ڈی این اے ٹسٹ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۴- حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے جرائم کی تفتیش میں ڈی این اے ٹسٹ سے مدد لی جا سکتی ہے اور قاضی ضرورت محسوس کرے تو اس پر مجبور بھی کر سکتا ہے۔

✧ ✧ ✧

سولھواں فقھی سمینار

- ☆ رمی جمار کا مسئلہ
- ☆ قیام منی کا حکم
- ☆ موت کی حقیقت اور مصنوعی آلۂ تنفس
- ☆ یوتھینیز یا کا حکم
- ☆ نیٹ ورک مارکیٹنگ

سولھواں فقہی سمینار

۱۰-۱۳؍ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۳۰؍مارچ-۲؍اپریل ۲۰۰۷ء، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڈھ

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا سولھواں فقہی سمینار مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور کی دعوت پر جامعہ ہذا کے احاطہ میں ۳۰؍مارچ-۲؍اپریل ۲۰۰۷ء کو منعقد ہوا، سمینار میں پورے ملک سے تقریباً ۲۰۰ علماء، ارباب افتاء اور ماہرین نے شرکت کی، نیز ڈاکٹر عمر حسن کاسولے پروفیسر برونائی یونیورسٹی اور مولانا عبد القادر عارفی استاذ دار العلوم زاہدان (ایران) بھی شریک ہوئے، اور شیخ الازہر سید محمد طنطاوی (مصر) قاہرہ میں منعقد ہونے والی ایک عالمی کانفرنس کی وجہ سے شریک تو نہیں ہو سکے، لیکن انہوں نے اس سمینار کے لئے پیغام بھیجا اور اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا۔

سمینار میں حجاج کرام کے بڑھتے ہوئے ازدہام کے پس منظر میں حج سے متعلق دو مسائل رمی جمار کے اوقات اور ۱۰، ۱۱، ۱۲ ذوالحجہ کو منی میں شب گذارنے کے شرعی احکام پر گفتگو ہوئی، جدید میڈیکل مسائل میں موت کی حقیقت (Brain Death) کی حیثیت، ''مریض سے مصنوعی آلہ تنفس کی علاحدگی'' اور ''یوتھینیزیا'' یعنی قتل بجذبہ شفقت کے موضوع پر غور وخوض کیا گیا، ان کے علاوہ تیزی سے رواج پانے والی ''نیٹ ورک مارکیٹنگ'' پر بھی بحث ہوئی اور درج ذیل تجاویز منظور ہوئیں:

رمی جمار کا مسئلہ:

۱- حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے، جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، اس لئے

حجاج کرام کو چاہئے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰، ۱۱، ۱۲ ذو الحجہ) کو رمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے۔ اس لئے اگر رمی کے لئے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲- ۱۰/ذوالحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لئے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لئے اس وقت بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۳- ۱۰/ذوالحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا۔

۴- ۱۱، ۱۲/ذوالحجہ کو رمی کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بنا پر اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے رمی کر لیا تو امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵- ۱۱، ۱۲/ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا ازدحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶- ۱۲/ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رکے رہنے سے ۱۳/ذوالحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منیٰ میں ۱۳/ذوالحجہ کی صبح صادق طلوع ہو جائے تو پھر ۱۳ کی رمی بھی

واجب ہو جائے گی۔

قیام منٰی کا حکم:

۱- ایام منٰی میں حجاج کے لئے منٰی میں ہی رات گذارنا مسنون ہے، اس لئے حجاج کرام کو چاہئے کہ یہ راتیں منٰی میں گذاریں اور بلاضرورت محض راحت و آرام کے لئے منٰی سے باہر قیام کر کے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۲- البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منٰی کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔

موت کی حقیقت اور مصنوعی آلۂ تنفس:

۱- جب سانس کی آمد و رفت پوری طرح رک جائے اور موت کی علامات ظاہر ہو جائیں تب ہی موت کے واقع ہونے کا حکم لگایا جائے گا اور اسی وقت سے موت سے متعلق وصیت کا نفاذ، میراث کا اجراء اور عدت کا آغاز وغیرہ احکام جاری ہوں گے۔

۲- اگر مریض مصنوعی آلہ تنفس پر ہو، لیکن ڈاکٹر اس کی زندگی سے مایوس نہ ہوئے ہوں اور امید ہو کہ فطری طور پر تنفس کا نظام بحال ہو جائے گا تو مریض کے ورثہ کے لئے اسی وقت مشین کا ہٹانا درست ہوگا جب کہ مریض کی املاک سے اس علاج کو جاری رکھنا ممکن نہ ہو، نہ ورثہ ان اخراجات کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور نہ اس علاج کو جاری رکھنے کے لئے کوئی اور ذریعہ میسر ہو۔

۳- اگر مریض آلۂ تنفس پر ہو اور ڈاکٹروں نے مریض کی زندگی اور فطری طور پر نظام تنفس کی بحالی سے مایوسی ظاہر کر دی ہو تو ورثہ کے لئے جائز ہوگا کہ مصنوعی آلہ تنفس علاحدہ کر دیں۔

یوتھنیزیا کا حکم:

شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اس لئے:

۱- کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لئے عمداً ایسی تدبیر کرنا کہ جس سے اس کی موت واقع ہو جائے حرام ہے اور یہ قتل نفس کے حکم میں ہے۔

۲- ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے تاکہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہو جائے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔

نیٹ ورک مارکٹنگ:

۱- ملٹی لیول مارکیٹنگ (نیٹ ورک مارکیٹنگ) کی مروجہ شکلیں مختلف مفاسد کو شامل ہیں، اس میں دھوکہ، غرر، بیع کو ایک غیر متعلق چیز کے ساتھ مشروط کرنا، ایک معاملہ کو دو معاملوں سے مرکب بنا دینا اور شبہ قمار وغیرہ خلاف شرع باتیں پائی جاتی ہیں، اور خریداروں کا اصل مقصد سامان خرید کرنا نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر معمولی کمیشن حاصل کرنا ہوتا ہے، اس لئے اس میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

۲- چونکہ اس میں شرکت جائز نہیں ہے، اس لئے دوسروں کو اس میں شریک کرنا اور نیچے کے ممبروں کی وساطت سے کمیشن حاصل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۳- مسلمانوں کو اس طرح کے تمام کاروبار سے بچنا چاہئے اور کسی بھی ایسی تجارت میں شامل نہیں ہونا چاہئے، جو اسلام کے مقرر کئے ہوئے اصول تجارت سے متصادم ہو۔

✦ ✦ ✦

سترھواں فقہی سمینار

☆ ماحولیات کا تحفظ

☆ تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم

☆ روزہ میں جدید طریقۂ علاج کا استعمال

☆ مسافت سفر کا آغاز

☆ جائے ملازمت کا حکم

ستر ہواں فقہی سمینار

۲۸-۳۰ / ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۵-۷/ اپریل ۲۰۰۸ء، دار العلوم شیخ علی متقیؒ، برہان پور، ایم پی

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (قائم شدہ ۱۹۸۹ء) کا ستر ہواں فقہی سمینار ہندوستان کی وسطی ریاست مدھیہ پردیش کے تاریخی شہر برہانپور کی ممتاز دینی درس گاہ دار العلوم شیخ علی متقیؒ میں منعقد ہوا، اس سمینار میں تقریباً چار سو ارباب افتاء اور بعض ماہرین نے شرکت کی، جہاں کشمیر سے لے کر آسام اور کیرالا تک ہر علاقہ کی نمائندگی رہی، وہیں ہندوستان کی تمام اہم دینی درسگاہوں اور مکاتب فکر کے علماء نے بھی شرکت فرمائی، خلیجی ریاست قطر کے علاوہ ایران سے بھی فقہاء کے وفود نے شرکت کی، یہ سمینار ۵-۷ / اپریل ۲۰۰۸ء منعقد ہوا، جس میں مجموعی طور پر آٹھ نشستیں ہوئیں، اس سمینار میں ماحولیات کے تحفظ، تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم، روزہ میں بعض جدید طریقۂ علاج اور سفر سے متعلق بعض احکام پر بحث ہوئی، ایک مسئلہ میں اختلاف رائے کے ساتھ اور بقیہ مسائل میں متفقہ طور پر فیصلے ہوئے، جو حسب ذیل ہیں:

ماحولیات کا تحفظ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس دنیا میں پیدا کیا ہے، اس میں اس کی راحت وسکون کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں، ان میں بعض ایسی چیزیں ہیں جو آلودگی کا سبب بنتی ہیں، لیکن رب کائنات نے اسی دنیا میں ایسے وسائل بھی پیدا فرما دیئے ہیں جو آلودگیوں کو تحلیل کرتے رہتے ہیں، انسان کو ان کے مضر اثرات سے بچاتے ہیں، اور جو چیزیں آلودگی کا سبب بنتی ہیں وہی تحلیل ہونے کے بعد کائنات کے فطری نظام میں تقویت اور بہتری کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس میں کوئی

شبہ نہیں کہ صنعتی انقلاب نے جہاں انسانیت کو بہت سے مفید و راحت بخش وسائل زندگی فراہم کئے ہیں، وہیں ان کی وجہ سے فضائی، آبی اور صوتی آلودگیوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے، موسموں کا توازن متاثر ہوا ہے، طرح طرح کی بیماریاں جنم لے رہی ہیں، اور سائنس دانوں کا خیال ہے کہ اگر اس پر قابو نہیں پایا گیا تو اس کے نتائج انسانیت کے لئے نہایت تکلیف دہ اور ہلاکت خیز ہوں گے، ان آلودگیوں کو جذب کرنے کے وسائل کی بھی سائنس نے رہنمائی کی ہے، لیکن کم سے کم اخراجات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے صنعت کاران کا استعمال نہیں کر رہے ہیں، جو غیر اسلامی اور غیر انسانی طرز عمل ہے، اس پس منظر میں حسب ذیل تجویزیں منظور کی جاتی ہیں:

۱- صنعت کاروں پر واجب ہے کہ اگر ایسی صنعتیں قائم کریں جو آلودگی پیدا کرتی ہوں، تو ایسے وسائل بھی استعمال کریں جو ان آلودگیوں کو تحلیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہوں، تا کہ ماحول کو اور ماحول کے واسطے سے دوسرے انسانوں کو اس کا نقصان نہیں پہنچے۔

۲- ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ملک میں آنا بعض جہتوں سے یقیناً مفید ہے، کہ اس سے مارکیٹ میں مسابقت پیدا ہوتی ہے اور صارفین کو معیاری اشیاء فراہم ہوتی ہیں، لیکن یہ صنعتیں اپنے ساتھ صنعتی فضلوں کا انبار اور مختلف نوع کی آلودگیاں بھی ساتھ لا رہی ہیں، اس لئے سمینار حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملکی کمپنیاں ہوں یا غیر ملکی ان کے لئے ایسے قوانین بنائے جائیں اور ان پر عمل کا پابند کیا جائے جو ماحول کے تحفظ میں معاون ہوں اور مضر اثرات سے بچاتے ہوں۔

۳- اس وقت ماحولیاتی آلودگی کے سبب جن خطرات سے دنیا دوچار ہے، یہ زیادہ تر ترقی یافتہ ممالک کی دَین ہے، ان ممالک نے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے اور سستی سے سستی پیداوار حاصل کرنے کی غرض سے صنعتوں کو ماحول دوست بنانے پر توجہ نہیں دی، اور آلودگیوں کو تحلیل کرنے کے وسائل اختیار نہیں کئے، یہاں تک کہ اب جب کہ آلودگی کا

مسئلہ ایک بھیانک صورت اختیار کر چکا ہے، وہ اس کے اثرات کو دور کرنے کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں قبول کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ سمینار مطالبہ کرتا ہے کہ وہ انسانیت کے تئیں اپنے رویہ کو درست کریں اور حکومت ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت اور ایک اہم عالمی طاقت ہونے کی حیثیت سے اس سلسلہ میں ترقی یافتہ ممالک کو ان کی ذمہ داریوں کا پابند کرنے کی کوشش کرے۔

۴- تمام ابناء وطن کو ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کو صاف ستھرا رکھنے کا اہتمام کریں، ایسی چیزیں جو آبادی میں آلودگی پیدا کرنے والی ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچانے والی ہیں، جیسے راستوں اور آبادیوں کے درمیان قضاء حاجت، گھر سے باہر کھلی ہوئی نالیاں نکالنا، صاف جمع شدہ پانی میں گندگیوں کا اخراج، آبادی کے درمیان بھٹی اور چمنیاں قائم کرنا، گاڑیوں میں کراسن تیل کا استعمال، بے جا طریقہ پر لاؤڈ اسپیکر کا استعمال وغیرہ، ان سے احتراز کریں، تاکہ سماج خطرناک بیماریوں اور دوسرے نقصانات سے محفوظ رہے۔

تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم:

انسانی زندگی میں مختلف مراحل پیش آتے ہیں، زندگی کا ایک اہم مرحلہ اس وقت شروع ہوتا ہے جب لڑکے اور لڑکیاں بلوغ کی منزل میں قدم رکھتے ہیں، بالغ ہونے کے بعد انسان سے جو ضروریات اور تقاضے متعلق ہوتے ہیں وہ فطری ہیں، اور اس لئے عام طور پر اس سلسلہ میں مستقل تعلیم کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ قبل از وقت بلوغ اور اس کے بعد ہونے والی تبدیلیوں اور ان تبدیلیوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ضرورتوں کا ادراک انسان کو بے راہ روی کی طرف لے جاتا ہے؛ اس لئے حکومت ہند تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم سے متعلق جو منصوبہ بنا رہی ہے، سمینار اسے نہایت تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سمینار کا احساس ہے کہ:

۱- پرائمری اور مڈل سطح سے طلبہ اور طالبات کو جنسی تعلیم دینا اور انہیں صنفی اعضاء کے وظائف کے بارے میں بتانا دراصل مغربی ایجنڈہ ہے جسے حکومت ہند نے قبول کرلیا ہے، یہ نہ صرف اسلامی تعلیمات کے مغائر ہے، بلکہ خود ہندو ملکی روایات اور مشرقی اقدار کے بھی خلاف ہے اور حکومت کو ایسی باتوں سے مکمل طور پر باز رہنا چاہئے، ورنہ اس کے اخلاقی اثرات نہایت نامناسب ہوں گے۔

۲- درحقیقت ضرورت اخلاقی تعلیم و تربیت کی ہے، جو نوجوانوں کو غیر قانونی روابط اور جنسی انحراف سے بچائے، ایڈز اور اس جیسی بیماریوں سے بچانے کا صحیح طریقہ اخلاقی تعلیم اور غیر شرعی تعلق سے مردوں اور عورتوں کو بچانا ہے، نہ کہ غیر قانونی تعلیمات کو محفوظ طریقہ پر انجام دینا، یہ تو گناہ اور بُرائی کی دعوت ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر سے قطعاً جائز نہیں، نیز یہ سماج کے لئے اخلاق اور صحت دونوں ہی اعتبار سے تباہ کن ہے۔

۳- سمینار حکومت ہند سے مطالبہ کرتا ہے کہ تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم کے منصوبہ کو بلا تاخیر واپس لے لے، ہاں، اس کے بجائے اخلاقی تعلیم کے مواد کو شامل کیا جاسکتا ہے، جو تمام مذاہب کی مشترکہ و مسلّمہ اخلاقی اقدار پر اس طرح مشتمل ہو کہ نصاب پر کسی ایک مذہب کی چھاپ محسوس نہ ہو۔

روزہ میں جدید طریقۂ علاج کا استعمال:

۱- امراض قلب سے متعلق جو دوا زبان کے نیچے رکھی جاتی ہے، اگر روزہ کی حالت میں اس کا استعمال کیا جائے اور اس کے اجزاء یا اس دواء کے ملے ہوئے لعاب کو نگلنے سے مکمل طور پر بچا جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

۲- تنفس وغیرہ کے مرض میں انہیلر کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔

۳- جو دوا بھاپ کی شکل میں منہ یا ناک کے ذریعہ کھینچی جائے، خواہ مشین کے ذریعہ کھینچی

جاتی ہو یا کسی اور طریقے سے، ان سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔

۴- انجکشن کے ذریعہ جو دوا رگوں یا گوشت میں پہنچائی جاتی ہے، خواہ اس سے محض دوا کی ضرورت پوری کی جائے یا غذا کی، روزہ اس سے نہیں ٹوٹتا ہے، البتہ روزہ کی حالت میں غذائی ضرورت کی تکمیل اور تقویت کے لئے بلاضرورت انجکشن لینا مکروہ ہے۔

۵- گلوکوز چڑھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ چوں کہ یہ ایک درجہ میں انسان کی غذائی ضرورت کو بھی پوری کرتا ہے، اس لئے بلاعذر گلوکوز چڑھانا مکروہ ہے۔

۶- (الف) اگر روزہ کی حالت میں موضع حقنہ (فضلات کے اخراج کی نالی کا آخری حصہ، جہاں سے بڑی آنت شروع ہوتی ہے)، تک اگر دوا پہنچا دی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ دوا سیال ہو یا جامد۔

(ب) بواسیری مسّوں پر دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، تاہم بلاضرورت شدیدہ روزہ میں اس کا استعمال نہیں کرنا چاہئے۔

(ج) امراض معدہ کی تحقیق کے لئے پیچھے کے راستہ سے محض آلہ داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر اس آلہ میں کوئی دوا یا تر چیز لگائی گئی ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

۷- (الف): عورت کی شرمگاہ کے باہری حصہ میں دوا لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اندر کے حصہ میں دوا رکھنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔

(ب): مرد کی شرمگاہ میں دوا یا نلکی ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

(ج): مرض کی تحقیق کے لئے رحم تک آلات پہنچائے جائیں اور ان آلات پر دوا یا کوئی اور شئ لگائی گئی ہو، تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مسافت سفر کا آغاز:

۱- جو آدمی اپنے گھر سے اپنے شہر کے اندر ہی کسی مقام پر جانے کے لئے نکلے تو خواہ وہ

کتنی ہی لمبی مسافت طے کرے، اگر اس کا ارادہ شہر کے اندر ہی اندر رہنے کا ہے، تو وہ شرعاً مسافر شمار نہیں کیا جائے گا اور اس کے لئے سفر کی وہ رخصتیں نہیں ہوں گی، جو مسافت شرعی کے سفر سے متعلق ہیں۔

۲- جو آدمی اپنی آبادی وشہر سے باہر سفر کے ارادہ سے نکلے، وہی شرعاً نماز میں قصر اور رمضان المبارک میں روزہ توڑنے کی اجازت کے مسئلہ میں مسافر ہوگا۔

۳- چھوٹے شہروں میں مسافت شرعی کا حساب اس جگہ سے ہوگا، جہاں شہر ختم ہوا ہے، یعنی شہر ختم ہونے کے بعد ۴۸ میل کا سفر کیا جائے تبھی وہ مسافر ہوگا۔

۴- بڑے شہروں میں ---جن کی آبادی میلوں تک پھیل گئی ہے --- مسافت شرعی کا شمار کس مقام سے ہوگا؟ اس میں دو نقاط نظر ہیں، زیادہ حضرات کی رائے ہے کہ جہاں شہر ختم ہوتا ہے، وہیں سے ۴۸ میل کی مسافت شمار کی جائے گی، دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جس محلّہ سے سفر شروع ہوا ہے، وہیں سے مسافت کا شمار ہوگا، البتہ اس پر سبھوں کا اتفاق ہے کہ نماز میں قصر کا حکم شہر سے باہر نکلنے کے بعد ہی شروع ہوگا اور اس طرح واپس ہوتے وقت شہر میں داخل ہونے سے پہلے پہلے تک ہی قصر کرنا درست ہوگا۔

جائے ملازمت کا حکم:

۱- جائے ملازمت وتجارت میں طویل اقامت کے ساتھ ذاتی مکان بھی بنالینا دائمی قیام کی نیت پر دلالت کرتا ہے؛ اس لئے مذکورہ جگہ وطن اصلی شمار کی جائے گی؛ کیوں کہ وطن اصلی میں تعدد ہوسکتا ہے؛ اس لئے وہاں چار رکعت والی نماز پوری کی جائے گی۔

۲- جائے ملازمت وتجارت میں ذاتی مکان تو نہیں بنایا، بلکہ کرایہ کے مکان یا ادارہ وکمپنی کے فراہم کردہ مکان میں اہل وعیال کے ساتھ مستقل قیام کی نیت سے رہائش پذیر ہے تو اس جگہ کو وطن اصلی کا حکم حاصل ہوگا اور وہاں ہر حال میں اتمام کرے گا۔

اٹھارھواں فقہی سمینار

☆ قیدیوں کے حقوق
☆ تعلیمی قرض
☆ پلاسٹک سرجری
☆ خواتین کی ملازمت

اٹھارہواں فقہی سمینار

۲-۴ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸رفروری-۲رمارچ ۲۰۰۹ء، جامعۃ الریحان، مدورائی، تامل ناڈ

''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' برصغیر کا ایک ایسا معتبر علمی وفقہی ادارہ ہے، جس کو نہ صرف ہندوستان؛ بلکہ پوری دنیا میں عزت ووقعت اور توقیر کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اکیڈمی عصر حاضر میں پیدا ہونے والے شرعی وفقہی مسائل کو اجتماعی طور پر حل کرنے کے لئے ہر سال فقہی سیمینار منعقد کرتی ہے، ان سیمیناروں میں کشمیر وآسام سے لے کر کیرالہ اور کنیا کماری تک کے اصحاب افتاء کی بڑی تعداد شریک ہوتی ہے، جو مختلف اہم تعلیم گاہوں اور فقہی مسالک کی نمائندگی کرتے ہیں، اب تک اس کے سترہ سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، جن میں ۱۷۵/ موضوعات سے جڑے ہوئے چارسو سے زیادہ مسائل پر علماء نے متفقہ طور پر فیصلے کئے ہیں۔

اکیڈمی کا اٹھارہواں سیمینار مؤرخہ ۲-۴/ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۸ فروری ویکم، ۲ مارچ ۲۰۰۹ء کو ریاست تملناڈو کے مشہور تجارتی شہر مدورائی میں ''جامعۃ الریحان'' کے زیر اہتمام منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء ومفتیان کرام نے شرکت کی، ان کے علاوہ متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور سری لنکا سے بھی ممتاز علماء شریک ہوئے، اس سیمینار میں موجودہ عالمی اور سماجی حالات وضرورتوں کے پس منظر میں چار موضوعات پر بحث ہوئی اور باتفاق رائے تجاویز منظور کی گئیں، یہ تجاویز حسب ذیل ہیں:

قیدیوں کے حقوق:

عصر حاضر میں، بیرون ملک میں قیدیوں کے ساتھ بدسلوکی کے واقعات جس کثرت

سے پیش آرہے ہیں، وہ ہر انسان دوست اور انصاف پسند شخص کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، اس تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا یہ سمینار اسلامی واخلاقی نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

۱- کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو تب بھی اس کے انسان ہونے کی حیثیت باقی رہتی ہے، اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے؛ لیکن وہ انسانی توقیر واحترام کے حق سے محروم نہیں ہو جاتا۔

۲- اگر کسی شخص پر جرم کا الزام ہو، تو جب تک وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ نہیں جائے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ اس کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک کیا جا سکتا ہے۔

۳- کسی الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے؛ بشرطیکہ کسی قوی قرینہ سے ہی الزام کی تائید ہو رہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں موجود ہوں اور ایسی صورت میں قید کی مدت عدالت کی صوابدید پر ہے؛ لیکن یہ مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہئے، جو کسی ثابت شدہ جرم پر دی جاتی ہے۔

۴- قیدیوں کے حقوق:

الف- بلا تفریق مذہب جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت وعمل کی آزادی حاصل ہوگی، نیز اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کی جائے گی اور وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے، اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

ب- قیدیوں کو جسمانی ضروریات --- مثلاً: مناسب غذا، صاف پانی اور موسم کے لحاظ سے کپڑے، نیز علاج ومعالجہ کی سہولیات --- فراہم کی جائیں گی، ان کو حفظان صحت کے لئے ورزش کی اجازت ہوگی، قیدیوں کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا

درست نہیں، جہاں ٹھیک سے کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو یا ہوا اور روشنی کا مناسب نظم نہ ہو۔

ج- قیدیوں کو سماجی حقوق --- مثلاً: تعلیم و ہنر سیکھنے، عام حالات میں دیگر قیدیوں سے ملاقات کرنے اور عزیز و اقارب سے رابطہ کرنے کے حقوق --- حاصل ہوں گے، جہاں تک ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق ہے تو یہ عموماً تفریحی چیزوں کا حصہ ہوتی ہیں؛ لہٰذا اس کی اجازت دینا ضروری نہیں؛ البتہ اخبارات پڑھنے کی اجازت دینا حکومت کی صوابدید پر ہے۔

د- مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عورتوں کے حصہ کی نگراں افسر بھی خاتون ہی ہو، زنانہ قید خانہ میں اندرونی دیکھ بھال کا کام بھی عورتیں ہی سنبھالیں اور اسی طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے۔

۵- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کا نارکو ٹیسٹ کرنا، انہیں بے لباس کرنا، الکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی کرنا یا تیز آواز سنانا یہ تمام امور ناجائز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں، اسی طرح ایسی سزائیں جن سے کسی عضو کو نقصان پہنچے، یا اس کے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہو یا ذہنی و دماغی صحت متاثر ہونے کا خطرہ ہو، بھی حرام ہے۔

٦- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا یا بیڑی ڈالنا شرعاً ناجائز ہے، البتہ اگر قیدی خطرناک اور عادی مجرم ہو، جس کے فرار ہونے کا یا خود کو یا دوسروں کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قابو میں رکھنے کے لئے قانون کی حدود میں مناسب تدبیر

اختیار کی جاسکتی ہے۔

۷- اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو اتنے دنوں کی قید تنہائی دی جاسکتی ہے، جس کی میڈیکل آفیسر اجازت دے، اور یہ اتنی طویل نہ ہو کہ قیدی ذہنی مریض ہو جائے۔

۸- جبری کام لیا جانا اگر سزا کا حصہ ہو تو بطور تعزیر قیدی سے اس کے حسب طاقت جبری کام لیا جاسکتا ہے اور اس صورت میں شرعاً وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا؛ البتہ حکومت اپنے قانون کے تحت اجرت دے تو یہ اس کے لئے حلال ہوگی، بصورت دیگر وہ اجرت کا مستحق ہوگا۔

۹- زیر سماعت قیدیوں کو اصولی طور پر بے قصور تصور کیا جائے، ایسے قیدی مجرم نہیں؛ بلکہ ملزم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ مجرموں جیسا رویہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے؛ لہٰذا ان سے جبری کام لینا درست نہیں اور دیگر قیدیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔

۱۰- زیر سماعت قیدیوں کو سماعت سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے، درست نہیں، نیز فیصلے یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے کہ دورانِ مقدمہ قید کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہو جائے اور اگر ایسا ہو تو اسے فوراً رہا کر دیا جائے۔

۱۱- بے قصور قیدی کو زمانہ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہرجانہ دینا واجب ہے۔

۱۲- قیدی کو مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ کرنے، اپنے عزیز و اقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے سارے حقوق حاصل ہوں گے۔

۱۳- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی۔

۱۴- اجلاس نے محسوس کیا کہ ملک میں قید خانوں اور قیدیوں کے تعلق سے جو قوانین اور

قواعد نافذ ہیں، ان میں اکثر ان امور کا لحاظ رکھا گیا ہے، جو اسلامی نقطۂ نظر سے اوپر بیان کئے گئے ہیں؛ تاہم عملاً ان کو بہت کم نافذ کیا جاتا ہے؛ اس لئے یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ مذکورہ تمام حقوق قیدیوں کو عملی طور پر دیئے جائیں ، اجلاس میں اس احساس کا بھی اظہار ہوا کہ عام طور پر کسی ٹھوس شہادت کے بغیر قانون اور سپریم کورٹ کی ہدایات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے شہریوں کو گرفتار کیا جاتا ہے، گذشتہ چند سالوں میں مسلم نوجوانوں کی اس طرح گرفتاری کے متعدد واقعات ہو چکے ہیں ، جنہیں گرفتار کرنے کے بعد اذیت پہنچائی جاتی ہے، ٹارچر کیا جاتا ہے، کئی دنوں تک اپنی تحویل میں رکھنے کے بعد پولیس ان کی گرفتاری درج کرتی ہے اور عدالت میں پیش کرتی ہے، پولیس اور نفاذ قانون کے اداروں کے اس رویہ اور حکومت کی چشم پوشی کے نتیجے میں ملک میں اضطراب اور بے چینی کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور ملک کی جمہوریت داغدار ہو رہی ہے ؛ اس لئے یہ اجلاس مرکزی اور ریاستی حکومتوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ پولیس کو قانون وقواعد اور سپریم کورٹ کی ہدایات کا پابند بنائے ، اس کی خلاف ورزی کرنے والے عہدہ داروں کے خلاف عبرتناک کاروائی کرے اور سخت ہدایات جاری کی جائیں کہ قوی اور ٹھوس بنیاد کے بغیر کسی کو گرفتار نہ کیا جائے اور تعذیب اور ٹارچر کا طریقہ بالکل ختم کر دیا جائے۔

۱۵- اجلاس کا یہ بھی احساس ہے کہ امریکہ اور بعض یورپی ممالک نے دہشت گردی کا بہانہ بنا کر مختلف مقامات پر جو عقوبت خانے بنائے ہیں اور جن میں وحشیانہ طریقہ پر ایذاء پہنچائی جاتی ہے ، یہ بین الاقوامی میثاقات اور اصولوں کی کھلی خلاف ورزی اور انسانیت سوز حرکت ہے، جس کا نوٹس اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں اور حقوق انسانی وشہری آزادیوں کی بین الاقوامی انجمنوں کو لینا چاہئے ، ہم ان سب سے مطالبہ کرتے

ہیں کہ ان عقوبت خانوں اوران میں روا رکھے جانے والے مظالم کے خلاف آواز بلند کریں، عالمی ادارے ان ممالک کے خلاف تہدیدات عائد کریں اور انہیں بین الاقوامی قوانین پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں۔

۱۶- سمینار اس صورت حال پر گہری تشویش ظاہر کرتا ہے کہ ملک کے بعض علاقوں میں بارکونسلیں اور وکلاء ان لوگوں کا مقدمہ لینے سے انکار کررہے ہیں، جن کے خلاف دہشت گردی کا الزام لگایا جاتا ہے؛ حالاں کہ قانونی دفاع ہر شخص کا حق ہے اور یہ ایک مسلمہ عالمی قانون ہے کہ ملزم کو مجرم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا، نہ ملک کا قانون اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ یہ اخلاقی وانسانی تقاضوں کے مطابق ہے، وکلاء اور یہ ادارے انصاف قائم کرنے کے لئے ہیں، ان کا ایسی غیر منصفانہ حرکتوں کا مرتکب ہونا نہایت افسوسناک ہے؛ اس لئے سمینار وکلاء برادری اور بارکونسلوں سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسے غیر قانونی رویہ سے گریز کریں اور حکومت سے بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کا سدباب کرے۔

تعلیمی قرض:

تعلیم انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور ہر علم نافع کی اسلام نے حوصلہ افزائی کی ہے، اس ضرورت کی تکمیل کے لئے فرد، سماج اور حکومت تینوں کو اپنا کردار ادا کرنا ضروری ہے، اس پس منظر میں یہ سمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ:

ہمارے ملک میں تعلیم اتنی مہنگی ہوچکی ہے کہ ملک کے غریب شہریوں خاص کر مسلمانوں کی اکثریت کے لئے معاشی پسماندگی کی وجہ سے اعلیٰ تعلیم کا حصول مشکل ترین امر بن گیا ہے، یہ ملک مختلف مذہبوں، زبانوں اور تہذیبوں کا گلدستہ ہے، اس میں کسی ایک طبقہ کا پچھڑ

جانا یقیناً قومی ترقی کے لئے نقصاندہ ہے؛ اس لئے حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے میں اپنا موثر رول ادا کرے، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے مسلمانوں کو بلاسودی قرض فراہم کرے، نیز تعلیم حاصل کرنے کے لئے مسلمان بچوں کو معقول اسکالرشپ فراہم کرے اور اس کے حصول کی شرائط کو آسان کرے۔

یہ اجلاس مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ:

۱- ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو اولین ترجیح دیں اور اپنی آمدنی کا معقول حصہ ان کی تعلیم و تربیت پر صرف کریں۔

۲- مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی نئی نسل کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ملکی، ریاستی اور علاقائی سطح پر اطلاعاتی ادارہ، انجمن، سنٹر قائم کریں، جو ملک اور بیرون ملک میں اعلیٰ تعلیم کے مواقع اور حکومت کی تعلیمی امدادی اسکیموں سے نئی نسل کو واقف کرائیں۔

۳- مختلف علوم اور کورسوں کے لئے اسکالرشپ فراہم کرنے والے اداروں، تنظیموں کے مابین رابطہ اور تعاون واطلاعات کے تبادلہ کا نظم قائم ہو؛ تاکہ طالب علموں کو اسکالرشپ کے حصول میں سہولت ہو۔

۴- ریاستی اور علاقائی سطح پر ایسے تعلیمی فنڈ قائم کریں، جس سے ہونہار اور ضرورتمند بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے حصول میں مدد کی جاسکے۔

۵- عصری علوم کے ماہرین خصوصا ریٹائرڈ اور پروفیشنل حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی معلومات اور تجربات سے نئی نسل کی موثر رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

۶- علماء اور اصحاب ثروت کو چاہئے کہ وہ ان حضرات کی خدمات سے فائدہ اٹھانے کی منظّم کوشش کریں۔

۷- مسلمانوں کے عصری تعلیمی ادارے، اخراجات میں ایسی سہولتیں فراہم کریں کہ

ضرورتمند و باصلاحیت طلبہ ان سے بآسانی فائدہ اٹھاسکیں ، بالخصوص ڈونیشن کے بھاری اور غیر شرعی بوجھ سے مسلمان طلبہ وطالبات کو آزاد کریں، کہ یہ نہ صرف غیر اسلامی؛ بلکہ غیر انسانی طرزِ عمل بھی ہے۔

یہ اجلاس مسلمان طلبہ وطالبات کو تلقین کرتا ہے کہ:

۱- علم مؤمن کی متاع گم گشتہ ہے؛ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پروفیشنل علوم کو انسانی خدمت کے جذبہ سے حاصل کریں۔

۲- مسلمان طلبہ وطالبات کا فریضہ ہے کہ وہ اپنی دینی پہچان کے ساتھ محنت اور تعلیمی مسابقت کو اپنا شعار بنائیں۔

۳- اپنے تعلیمی اخراجات کی تکمیل کے لئے حسب ضرورت اسکالرشپ اور غیر سودی قرض حاصل کرنے اور اپنی تعلیم مکمل کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۴- جس طرح سود کا لینا حرام ہے، اسی طرح شریعت نے سودی قرض لینے اور سود ادا کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے؛ اس لئے بنیادی طور پر تعلیم کے لئے سودی قرض حاصل کرنا جائز نہیں؛ البتہ اگر کسی کے پاس مالی گنجائش نہ ہو، غیر سودی قرض نہ مل پائے اور اس کے مطلوبہ تعلیم سے محروم رہ جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے طلبہ کو چاہئے کہ کسی معتبر مفتی کے سامنے اپنے حالات رکھ کر ان کے مشورہ پر عمل کریں۔

پلاسٹک سرجری:

۱- جسمانی عیب دور کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز ہے، اور عیب سے مراد جسم میں پائی جانے والی ایسی صورت ہے، جو معروف ومعتاد اور عمومی تخلیقی کیفیت سے مختلف ہو، چاہے پیدائشی عیب ہو یا بعد میں پیدا ہو جائے۔

۲- جسمانی تکلیف کے ازالہ کے لئے --- اگر ڈاکٹر کا مشورہ ہو --- پلاسٹک سرجری جائز ہے۔

۳- درازی عمر کی وجہ سے طبعی طور پر انسان کی ظاہری حیثیت میں جو تغیر آتا ہے، جیسے جھریوں کا پیدا ہو جانا وغیرہ، ان کو ختم کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۴- ناک اور دوسرے اعضاء، خلقی طور پر کم خوبصورت اور غیر متناسب ہوں؛ مگر انسان کی عمومی معتاد خلقت کے دائرہ سے باہر نہ ہوں تو زینت اور محض خوبصورتی کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں۔

۵- اپنی شناخت چھپانے کے لئے پلاسٹک سرجری جائز نہیں، سوائے اس کے کہ مظلوم کو ظالم سے بچنے کے لئے ایسا کرنا پڑے۔

خواتین کی ملازمت:

۱- یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام خاندانی نظام کے استحکام کو بڑی اہمیت دیتا ہے؛ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر اس نے مردوں وعورتوں کی ذمہ داریوں میں تقسیم کار سے کام لیا ہے کہ گھر سے باہر کی ذمہ داریاں --- جن میں کسبِ معاش کی تگ ودو بھی داخل ہے --- مردوں سے متعلق ہوں گی اور گھر کے اندر کے امور عورتوں سے متعلق ہوں گے، یہ وہ بہترین تقسیم کار ہے، جو مسلم معاشرہ میں آج بھی بڑی حد تک خاندانی استحکام کو باقی رکھے ہوئے ہے؛ اسلئے کسب معاش بنیادی طور پر مردوں کی ذمہ داری ہے نہ کہ عورتوں کی، عورتوں کو بلاضرورت آزادی وترقی کے نام پر کسبِ معاش پر مجبور کر دینا ایک سماجی ظلم ہے، کہ عورتیں بچوں کی پرورش ونگہداشت اور امور خانہ داری وغیرہ اپنے منصبی فرائض بھی انجام دیں اور اس دوڑ دھوپ میں بھی مردوں کی شریک ہوں۔

۲- عام حالات میں شریعت نے خواتین پر کسب معاش کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ لیکن شرعی حدود میں رہتے ہوئے ان کے لئے کسب معاش مباح ہے۔

۳- شریعت نے اصولی طور پر خواتین پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں رکھی ہے؛ البتہ بعض حالات میں ان پر نفقہ کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے۔

۴- شرعی حدود و شرائط کا پورا پورا لحاظ کرتے ہوئے عورت کے لئے معاشی جد و جہد جائز ہے۔

۵- عورت کے اندرون خانہ کسب معاش کے لئے کوئی صورت اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ اس سے شوہر اور بچوں کے حقوق متاثر نہ ہوں۔

۶-الف- شوہر یا ولی اگر عورت کی کفالت کر رہے ہوں، تو ہر عورت کے لئے کسبِ معاش کی غرض سے گھر سے باہر جانے کے لئے ان کی اجازت ضروری ہے، خواہ وہ جگہ مسافت سفر سے کم ہو یا اس سے زیادہ۔

ب- رات میں کسب معاش کی خاطر عورت کے باہر نکلنے کے لئے شوہر یا محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

۷- خواتین کسب معاش کے لئے گھر سے باہر نکلیں تو درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

الف- ولی یا شوہر کی اجازت شامل ہو، سوائے اس کے کہ ولی یا شوہر نفقہ نہ دیتا ہو اور اس کے لئے خود کسب معاش کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

ب- شرعی پردہ کی مکمل رعایت ہو۔

ج- لباس مردوں کے لئے باعث کشش نہ ہو۔

د- خوشبو کے استعمال سے پرہیز ہو۔

ھ- مردوں سے اختلاط بالکل نہ ہو۔

و- اجنبی مرد کے ساتھ تنہائی کی نوبت نہ آئے۔

ز- شوہر اور بچوں کے حقوق سے بے اعتنائی نہ ہو۔

۸- ملازمت کرنے والی خواتین ایسے اداروں میں کام کریں، جہاں خواتین ہی خدمت انجام دیتی ہوں؛ لیکن ادارہ کے ذمہ دار مرد ہوں، تو اس صورت میں ضروری ہوگا کہ ادارہ کا کوئی مرد تنہائی میں کسی خاتون کارکن سے بات نہ کرے، اگر ذمہ دار مردوں کے ساتھ تبادلہ خیال کی ضرورت ہو تو خواتین پردہ کے اہتمام کے ساتھ بیٹھیں، اپنی آواز میں لوچ سے پرہیز کریں، اسی طرح خواتین کارکن ذمہ دار مردوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور بے تکلفی کا ماحول ہرگز نہ بنائیں۔

۹- جوان عورتوں کے لئے ایسے اداروں میں کام کرنا جائز نہیں، جہاں ان کے ساتھ مرد کارکن بھی شریک کار ہوں۔

۱۰- ملازمت کی غرض سے عورت کا اپنے گھر اور اپنے اقارب سے دور تنہا مستقل قیام کرنا جائز نہیں، اگر کسی عورت کے ساتھ بہت مجبوری ہو تو پھر وہ مفتی سے رابطہ کرکے اپنی مشکل کا حل تلاش کرسکتی ہے۔

۱۱- سمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ خواتین کے لئے رات کی ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے؛ کیوں کہ رات کے وقت ڈیوٹی کے لئے جائے ملازمت تک جانا یا جائے ملازمت پر قیام کرنا ان کی جان و ناموس کے تحفظ کے لئے خطرہ ہے اور یہ ہمارے ملک کے معاشرتی اقدار کے بھی مغائر ہے۔

۱۲- سیمینار حکومت، تعلیمی و رفاہی اداروں اور خاص کر مسلمان انتظامیہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کے لئے الگ درسگاہیں (اسکول، کالج، یونیورسٹی) اور خواتین

کے لئے الگ ہسپتال، اسی طرح شعبہ ہائے زندگی میں عورتوں کے لئے علاحدہ کاؤنٹرز قائم کریں؛ تاکہ خواتین اورلڑکیاں پاکیزہ اخلاقی ماحول میں تعلیم وعلاج وغیرہ کی خدمات سے فائدہ اٹھاسکیں اورضرورت مندخواتین کے لئے روزگار کے مواقع بھی بڑھیں۔

✧✧✧

انیسواں فقہی سمینار

- ☆ غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق
- ☆ موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت
- ☆ تورّق کا مسئلہ
- ☆ ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟
- ☆ کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت

انیسواں فقہی سمینار

بتاریخ ۲۷ تا ۳۰؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ، مطابق ۱۲ تا ۱۵؍فروری ۲۰۱۰ء، جامع مظہر سعادت ہانسوٹ، گجرات

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا انیسواں سمینار صوبہ گجرات کے ضلع بھروچ کے معروف علمی ادارہ "جامع مظہر سعادت ہانسوٹ" میں ۲۷ تا ۳۰؍صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۲ تا ۱۵؍فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ تا دوشنبہ منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ملک کے تمام صوبہ جات کے ممتاز علماء، اور مرکزی اداروں کے نمائندوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، بیرون ملک سے بھی بہت سے علماء کی شرکت رہی، امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ کے علاوہ نیپال وایران نیز قطر سے وہاں کے معروف عالم ومحقق شیخ علی محی الدین قرہ داغی، اور مصر سے دار الافتاء مصریہ کے نمائندہ ونائب مفتی شیخ احمد ممدوح سعد نے بھی شرکت کی۔

اس سمینار میں پانچ موضوعات سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں، ایک موضوع "سونے اور چاندی کا نصاب" کو مزید غور وفکر کے لئے آئندہ اجلاس کے لئے ملتوی کیا گیا۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق:

۱- غیر مسلم ممالک کی عدالت کا جج اگر مسلمان ہو اور وہ فیصلہ کرتے وقت شرعی ضوابط کو ملحوظ رکھتا ہے تو اسے مسلم حاکم کے قائم مقام تسلیم کرتے ہوئے فسخ نکاح کے سلسلہ میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- جن غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے شرعی اصولوں کے مطابق قضاء کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ارباب حل و

عقد کے مشورے سے دارالقضاء، شرعی پنچایت یا ان جیسے ادارے قائم کریں اور اپنے نزاعات ومعاملات میں ان ہی کی طرف رجوع کریں۔

۳- طلاق چونکہ ابغض المباحات ہے، اس لئے اسے اختیار کرنے سے پہلے پورے طور پر مصالحت اور نباہ کی صورت نکالنی چاہئے اور حتی الامکان طلاق وخلع سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۴- غیر مسلم ممالک کی عدالت میں شوہر قانونی مجبوری کے تحت غیر مسلم جج کو درخواست دیتا ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کردیا جائے اور جج تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، تو جج کے فیصلہ تفریق کو طلاق بائن مانا جائے گا؛ البتہ بہتر ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر اپنی زبان سے بھی الفاظ طلاق کہہ دے۔

۵- اگر غیر مسلم ممالک کی عدالت میں غیر مسلم جج کے سامنے عورت رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم جج اس کی درخواست پر شوہر کی اجازت سے تفریق کا فیصلہ کرتا ہے تو معتبر ہے، ورنہ یہ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگی، ایسی صورت میں عورت یا تو شوہر سے خلع حاصل کرے یا دارالقضاء وشرعی پنچایت کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔

موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت:

۱- مؤخر مطالبات اور بقایا جات کو قیمتوں کے اشاریہ یا سونے چاندی کی قیمت سے مربوط کرنا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اشاریہ دقیق فنی اصولوں اور ظن وتخمین پر مبنی ہونے کی وجہ سے ناقابل عمل بھی ہے اور سخت نزاع کا باعث ہوسکتا ہے، نیز دونوں صورتوں میں ربا کا دروازہ بھی کھل سکتا ہے۔

۲- بہتر ہے کہ مہر مؤجل سونے یا چاندی میں مقرر کیا جائے جیسا کہ اس سے پہلے بھی

اکیڈمی فیصلہ کر چکی ہے، ایسی صورت میں بوقت ادائیگی مقررہ مقدار میں سونا یا چاندی ادا کرنا ہوگا، اور اگر اس وقت دونوں فریق اتنی مقدار سونا یا چاندی کی قیمت کے پیسوں کی ادائیگی پر اتفاق کر لیں تو یہ بھی جائز ہے، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جبکہ کسی شئ کی اجرت یا قیمت سونے یا چاندی میں طے کی جائے۔

تورّق کا مسئلہ:

بعض دفعہ انسان کو نقد رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور اسے کوئی قرض دینے والا نہیں ملتا، لہٰذا وہ شخص کوئی مال ادھار زیادہ قیمت پر خرید کر کسی تیسرے شخص کے ہاتھ نقد کم قیمت پر فروخت کر دیتا ہے تا کہ اسے نقد رقم حاصل ہو جائے، یہ صورت دور قدیم سے رائج ہے، فقہاء حنابلہ کے یہاں اس صورت مسئلہ کے لئے ''تورق'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک دو علیحدہ عقد ہونے کی بنا پر یہ صورت جائز ہے۔ دور حاضر میں بعض اسلامی بینک اور مالیاتی ادارے تورّق کے نام سے بعض معاملات کرتے ہیں جن کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس پس منظر میں سمینار میں غور وخوض اور بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل قراردادیں طے پائیں:

۱- اگر اسلامی بینک یا کوئی اور مالیاتی ادارہ قرض لینے والے کے ہاتھ سامان زیادہ قیمت میں ادھار فروخت کر کے کم قیمت میں خود ہی یا اس کا کوئی ذیلی ادارہ خریدتا ہے تو یہ ناجائز ہے۔

۲- اگر بینک حقیقت میں خرید وفروخت نہیں کرتا بلکہ یہ صرف کاغذی کارروائی ہوتی ہے تو یہ بھی شرعاً ناجائز ہے۔

۳- اگر اسلامی بینک قرض لینے والے کے ہاتھ اپنا کوئی سامان زائد قیمت میں ادھار فروخت کر کے بے تعلق ہو جائے اور خریدار اس سامان کو قبضہ میں لینے کے بعد اپنے طور پر کسی ایسے شخص کے ہاتھ کم قیمت میں نقد فروخت کر دے جس کا اس بینک سے

اس معاملہ میں کوئی تجارتی تعلق نہ ہوتو یہ صورت جائز و درست ہوگی۔

ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟:

جو شخص قربانی کا وکیل بنا رہا ہے وہ الگ مقام پر ہو اور جہاں قربانی کی جارہی ہو وہ الگ مقام ہو تو اوقات قربانی کی ابتداء وانتہا کے سلسلہ میں مقام قربانی کا اعتبار ہوگا؛ بشرطیکہ جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے، اس پر ۱۰/ ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہوگئی ہو؛ لہٰذا:

الف: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر اس کے یہاں ۱۰/ ذی الحجہ شروع نہیں ہوئی، تو اس کی طرف سے قربانی نہیں کی جاسکتی، اگرچہ قربانی کئے جانے کے مقام پر اس دن ۱۰/ ذی الحجہ ہو۔

ب: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اگر اس کے یہاں ۱۲/ ذی الحجہ کا غروب آفتاب ہو چکا ہے؛ لیکن جہاں قربانی ہو رہی ہے وہاں ابھی ۱۲/ ذی الحجہ باقی ہے تو اس کی جانب سے قربانی کرنا درست ہے۔

ج: جس شخص کی طرف سے قربانی کی جارہی ہے اس کے مقام پر ۱۲/ ذی الحجہ کی تاریخ ہے اور جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں ۱۲/ ذی الحجہ گزر چکی ہے تو اب وہاں قربانی کرنا درست نہیں ہے۔

شق ''الف'' میں درج ذیل حضرات کا اختلاف ہے:

مفتی رشید احمد فریدی، مفتی عبد الودود مظاہری، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی محمد عثمان گورینی، مولانا عبد الرب اعظمی، مفتی شوکت ثناء قاسمی، مفتی نعمت اللہ، مولانا محمد کامل قاسمی اور مولانا احتشام الحق۔ ان حضرات کے نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست ہے، البتہ ان میں سے بعض حضرات کے نزدیک احتیاط اس میں ہے کہ اس صورت میں قربانی نہ کی جائے۔

شق ''ب'' میں مفتی سلمان پالنپوری صاحب کا اختلاف ہے، ان کے

نزدیک مذکورہ صورت میں قربانی درست نہیں ہے۔

کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت:

۱- شریعت اسلامیہ نے مسلمانوں کو معاملات کی صفائی کی طرف خاص توجہ دلائی ہے، اس لئے مسلمان اپنی معاشرت میں معاملات کی صفائی کا خاص اہتمام کریں، خصوصاً تجارت اور کاروبار میں اس کی اہمیت بہت ہی زیادہ ہے۔ایک شخص تجارت کررہا ہے، اور اس کی اولاد بھی اس کاروبار میں شریک ہے تو جو بیٹے باپ کے ساتھ کاروبار میں شریک ہورہے ہیں، ان کی حیثیت (شریک، اجیر یا معاون کے طور پر) شروع سے متعین ہوجائے، تو خاندانوں میں ملکیت کے اعتبار سے جو نزاعات ہوتے ہیں ان کا بڑی حد تک سدّ باب ہوجائے گا، اس لئے اس طرح کے معاملات میں پہلے سے حیثیت متعین کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۲- اگر والد نے اپنے سرمائے سے کاروبار شروع کیا، بعد میں اس کے لڑکوں میں سے بعض شریک کار ہوگئے، مگر الگ سے انھوں نے اپنا کوئی سرمایہ نہیں لگایا اور والد نے ایسے لڑکوں کی کوئی حیثیت متعین نہیں کی، تو اگر وہ لڑکے باپ کی کفالت میں ہیں تو اس صورت میں وہ لڑکے والد کے معاون شمار کئے جائیں گے، اور اگر باپ کی زیر کفالت نہیں ہیں تو عرفاً جو اجرت عمل ہوسکتی ہے وہ ان کو دی جائے۔

۳- اگر والد کے ساتھ بیٹوں نے بھی کاروبار میں سرمایہ لگایا ہو اور سب کا سرمایہ معلوم ہو کہ کس نے کتنا لگایا ہے تو ایسے بیٹوں کی حیثیت باپ کے شریک کی ہوگی، اور سرمائے کی مقدار کے تناسب سے شرکت مانی جائے گی، سوائے اس کے کہ سرمایہ لگانے والے بیٹے کی نیت والد کے یا مشترکہ کاروبار کے تعاون کی ہو شرکت کی نہیں۔

۴- اگر کاروبار کسی لڑکے نے اپنے ہی سرمائے سے شروع کیا ہو لیکن بہ طور احترام دوکان پر والد کو بٹھایا ہو یا اپنے والد کے نام پر دوکان کا نام رکھا ہو تو اس صورت میں کاروبار کا

مالک لڑکا ہوگا، والد کو دوکان پر بٹھانے یا ان کے نام پر دوکان کا نام رکھنے سے کاروبار میں والد کی ملکیت وشرکت ثابت نہ ہوگی۔

۵- باپ کی موجودگی میں اگر بیٹوں نے اپنے طور پر مختلف ذرائع کسب اختیار کئے اور اپنی کمائی کا ایک حصہ والد کے حوالے کرتے رہے تو اس صورت میں باپ کو ادا کردہ سرمایہ باپ کی ملکیت شمار کی جائے گی۔

۶- اگر کسی وجہ سے والد کا کاروبار ختم ہوگیا لیکن کاروبار کی جگہ باقی ہو، خواہ وہ جگہ مملوکہ ہو یا کرائے پر حاصل کی گئی ہو، اور اولاد میں سے کسی نے اپنا سرمایہ لگا کر اسی جگہ اور اسی نام سے دوبارہ کاروبار شروع کیا تو اس صورت میں جس نے سرمایہ لگا کر کاروبار شروع کیا، کاروبار اس کی ملکیت ہوگی، والد کی ملکیت نہیں ہوگی، لیکن وہ جگہ (خواہ مملوکہ ہو یا کرایہ پر لی گئی ہو) دوبارہ کاروبار شروع کرنے والے کی نہیں بلکہ اس کے والد کی ہوگی، اور والد کی وفات کی صورت میں اس میں تمام ورثہ کا حق ہوگا، اور اسی طرح کاروبار کا گڈول بھی باپ کا حق ہے اور اس کی وفات کے بعد تمام ورثہ کا حق ہوگا۔

۷- اس موضوع سے متعلق سماج میں پیش آنے والے مختلف مسائل ہیں جن کو واضح کرنے اور عام مسلمانوں کو ان سے واقف کرانے کی ضرورت ہے؛ اس لئے یہ اجتماع اکیڈمی سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ایک مفصل رہنما تحریر تیار کرے اور ان میں جو مسائل قابل تحقیق ہوں حسب گنجائش آئندہ منعقد ہونے والے سمیناروں میں انہیں اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ طے کرے۔

۸- ائمہ وخطباء اور علماء کرام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اپنے علاقے میں معاملات کی صفائی کے سلسلے میں ذہن سازی کریں، اور شرکت ومیراث وغیرہ کے جو شرعی اصول واحکام ہیں ان سے ان کو آگاہ کریں، خاص طور پر والدین، اولاد، بھائیوں اور میاں بیوی کے درمیان شرکت کے مسائل سے واقف کرائیں۔

بیسواں فقہی سمینار

☆ مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام

☆ مختلف النوع ملازمتیں

☆ تفریح وسیاحت اور شرعی احکام وضوابط

☆ آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام

بیسواں فقہی سمینار

۲۹ / ربیع الاول - ۱ / ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵ - ۷ / مارچ ۲۰۱۱ء، جامع العلوم الفرقانیہ رامپور، یوپی

مؤرخہ ۲۹، ۳۰ ربیع الاول و یکم ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵ - ۷ مارچ ۲۰۱۱ء روز ہفتہ - پیر جامع العلوم الفرقانیہ کے زیر اہتمام مشہور تاریخی شہر رام پور میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا بیسواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، جس میں کشمیر سے آسام اور کیرالا تک ملک کے تقریباً سبھی علاقوں کے تین سو علماء وارباب افتاء کے علاوہ امریکہ، برطانیہ اور جنوبی افریقہ سے بھی بعض اہم علمی شخصیتوں نے شرکت کی، اس سیمینار میں چار اہم موضوعات پر بحث کی گئی اور بہ اتفاق رائے حسب ذیل فیصلے کئے گئے:

مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام:

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام سے متعلق مقالات، ان کی تلخیص اور عرض کو سامنے رکھ کر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ سے ملتا ہے؛ لہٰذا دونوں ہی نظام فی نفسہ جائز و درست ہیں۔ جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود وقوانین کی رعایت و پاسداری اور والدین ودیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور فتنہ ونزاع سے بچا جاسکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ اجلاس تمام

مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہوترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں تا کہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت وعداوت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے؛ کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

۲- مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار وقربانی اور باہمی تعاون پر ہے ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل وانصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے، لہٰذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے، اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا؛ البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں تا کہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

۳- جب آمد وخرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز میں سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

۴- جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

۵- الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو جو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔

ب: اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

ج: اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

۶- والدین کی خدمت وکفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے۔ اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت ہی انجام دے سکتی ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

۷- مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے، اور ہنسی مزاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصا اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت وتکریم کریں، اور انہیں اپنے ساتھ محبت اور الفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں۔

مختلف النوع ملازمتیں:

۱-الف: فوج کا بنیادی مقصد ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور غیر معمولی حالات میں امن و

امان کا قیام ہے، یہ دونوں مقاصد شریعت اسلامیہ میں بھی مطلوب ہیں، اس لیے مصلحت عامہ کے پیش نظر فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لیے جائز ہے، البتہ حتی الامکان غیر شرعی اقدام سے احتراز ضروری ہے۔

ب- پولیس کا محکمہ بھی دراصل امن وامان قائم کرنے اور شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی ملازمت جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے کسی طرح کا ظلم وستم وغیرہ نہ کیا جائے۔

ج- ملک کی سلامتی، امن وامان کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لیے انٹلی جینس کی ملازمت درست ہے، البتہ ہر ایسے طریقۂ کار سے اجتناب لازم ہے جو غیر شرعی اور حقوق انسانی کے خلاف ہو۔

د- عدلیہ کا مقصد انصاف کی فراہمی اور ظلم وحق تلفی کی روک تھام ہے، لہٰذا عدلیہ کی ملازمت درست ہے۔

ھ- حکومت کی طرف سے رعایا کی فلاح و بہبود کی غرض سے مختلف ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں اور ان کے لیے محکمے وادارے قائم ہیں ایسے اداروں کی ملازمت شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔

۲-الف: بینک کا بنیادی کام سودی لین دین کا ہے اس لیے اصولی طور پر بینک یا کسی سودی کاروبار کے ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ب- بینک کی ایسی ملازمت جس کا تعلق براہ راست سودی معاملات (سود کے لکھنے اور لینے ودینے وغیرہ) سے نہ ہو ایسی ملازمت کی گنجائش ہے، اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

ج- بینک کے لئے عمارت وغیرہ کا کرایہ پر دینا مکروہ ہے۔

د- انشورنس کمپنیاں عام طور سے سود وقمار کا کام کرتی ہیں لہٰذا ایسی کمپنیاں جن میں سود و قمار یا کسی ایک کا نظام ہو ان کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ھ- انشورنس کی وہ کمپنیاں جن کا نظام سود وقمار سے پاک ہو ان کی ملازمت درست ہے کہ جان ومال کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔

و- شراب سازی کے کام وکارخانہ میں کسی طرح کی بھی ملازمت ناجائز ہے۔

ز- ایسی اشیاء جن کا استعمال شراب سازی کے لیے کیا جاسکتا ہے ان کا شراب سازی کا کام کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کرنا اور ایسے کاموں کی ملازمت کی گنجائش ہے مگر اس سے بچنا بہتر ہے۔

۳-الف: ایسے سوپر مارکیٹ کی ملازمت جس میں شراب کے علاوہ اکثر جائز اشیاء فروخت ہوتی ہوں اور ملازمت کا تعلق براہ راست شراب سے نہ ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

ب- اسلامی نقطۂ نظر سے مخلوط تعلیمی نظام درست نہیں ہے؛ البتہ جہاں جداگانہ تعلیمی نظام کی سہولت نہ ہو وہاں ضرورۃً اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، اور مخلوط تعلیم گاہ نیز جہاں صنف مخالف کو تعلیم دینے کی نوبت آئے وہاں تدریسی ملازمت کی گنجائش ہے البتہ شرعی حدود وہدایات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج- یہ سمینار مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جو جداگانہ نظام پر مبنی ہوں اور ان میں شرعی حدود واحکام کی پوری رعایت ہو، نیز تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ معیار کو پورا کرتے ہوں؛ تاکہ مسلمان طلبہ وطالبات ان مفاسد سے بچتے ہوئے تعلیم حاصل کرسکیں جو آہستہ آہستہ عصری تعلیمی اداروں کا حصہ بنتے جارہے ہیں۔

د- پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ہے؛ البتہ غلط مقدمات کی پیروی اور صاحب حق کی حق تلفی

کے لیے وکالت اور کذب بیانی وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ہ- طبابت (ڈاکٹری) انسانی خدمات اور آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے، طبیب کا بطور ملازمت کسی اسپتال میں اجرت پر کام کرنا اور علاج کرنا جائز ہے۔

و- بلاضرورت کسی مریض کا ٹسٹ کرانا، آپریشن تجویز کرنا یا کسی دوا کا دینا محض اضافۂ آمدنی کے لیے جائز نہیں ہے، ایسا کرنا خیانت اور بددیانتی ہوگی اور اس طور پر حاصل کیا ہوا مال جائز نہیں ہوگا۔

۲- مرد مریض کے لیے مرد معالج اور خاتون مریض کے لیے خاتون معالج ہونا چاہئے؛ البتہ ضرورت کے موقع پر صنف مخالف کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

۳- بلاضرورت کسی کے جسم کے ایسے حصے پر نظر کرنا یا مس کرنا جو ستر میں داخل ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ بوقت ضرورت معالج کے لیے مریض کے ایسے قابل ستر حصہ کو جس کا تعلق مرض سے ہے، بقدر ضرورت دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔

۴- ہوٹل کی ملازمت فی نفسہ جائز ہے۔ ہوٹل میں قیام کرنے والے اشخاص کا اپنے طور پر اس میں محرمات کا استعمال ہوٹل مالک کے لیے حاصل ہونے والے کرایہ پر اثر انداز نہیں ہوگا، اس کی اجرت اور کرایہ جائز ہے۔

۵- ہوٹل مالک یا اس کے کسی ملازم کے ذریعہ محرمات کی فراہمی تعاون علی الاثم براہ راست شمار ہوگی اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

تفریح وسیاحت-اس کے احکام وشرعی ضوابط:

ا-فلم سازی، کارٹون اور ڈرامہ:

ا- غیر ذی روح اشیاء مثلاً تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی عکس بندی جائز ہے۔

۲- تفریحی مقاصد کے لئے ذی روح کی عکس بندی جائز نہیں ہے۔

۳- تعلیمی، اصلاحی اور دعوتی مقاصد کے لئے عکس بندی اور اس سے استفادہ کی گنجائش ہے خواہ اس میں ضمناً ذی روح کا عکس آ گیا ہو۔

۴- ایسی عکس بندی جن میں کسی عورت کی تصویر ہو یا انبیاء وصحابہ کی تمثیل ہو یا دیگر کوئی شرعی منکر ہو، بنانا اور ان کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

۵- ایسے کارٹون جن میں خدوخال واضح ہوں وہ تصویر میں شمار ہو کر ناجائز ہیں۔

۶- ایسے کارٹون بنانا جس سے کسی کی اہانت مقصود ہو جائز نہیں ہے اگرچہ اس میں خدوخال واضح نہ ہوں۔

۷- ایسے کارٹون جو عریانیت پر مشتمل ہوں یا برائی کی ترغیب دے رہے ہوں وہ بھی جائز نہیں ہیں۔

۸- تربیتی مقصد سے بچوں کے لئے ایسے کارٹون بنانا جن میں خدوخال واضح نہ ہوں اور بچوں کے لئے نفسیاتی، اخلاقی اور لسانی نقطۂ نظر سے مفید ہوں جائز ہے۔

۹- کارٹون سازی کی جو شکلیں جائز ہیں ان کو ذریعہ آمدنی بنانے اور اس مقصد کے لئے ملازمت کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۰- اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لئے مکالمات اسٹیج کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں موسیقی یا کسی کی کردارکشی یا مرد وزن کا اختلاط یا انبیاء و ملائکہ اور صحابہ کی تمثیل نہ ہو نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہو۔

۲-مزاح:

الف- مزاح جائز ہے بشرطیکہ وہ جھوٹ، فحش نیز استہزاء وایذا رسانی پر مشتمل نہ ہو۔

ب- ایسے مزاحیہ پروگرام یا مزاحیہ مشاعرے جن سے دینی یا دنیوی مصالح متاثر ہوں، جائزنہیں ہیں۔

ج- لطیفہ گوئی یا مزاح نویسی کو ذریعہ معاش بنالینا مناسب نہیں ہے۔

د- ایسے پروگرام جن کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا ہو شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں؛ البتہ بہ غرض علاج اس کی گنجائش ہے۔

۳- سیاحت:

الف- اسراف سے بچتے ہوئے تفریحی مقصد کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے۔

ب- ایسے مقامات جہاں جان یا عزت و آبرو کا تحفظ خطرے میں ہو، وہاں نہ خود جانا درست ہے اور نہ اہل وعیال کو ساتھ لے جانا درست ہے۔

ج- تفریح کے لیے ایسی جگہوں میں جانا جہاں غیر شرعی امور کا غلبہ ہو جائزنہیں ہے، اور ایسے مقامات پر جانے والوں کو سواری کرائے پر دینے یا اشیاء خورد ونوش فروخت کرنے کے لئے دکان لگانے کی گنجائش ہے۔

د- جائز مقاصد کے لیے ٹراویلس کمپنیوں کا قیام درست ہے۔

ھ- سیاحت کا تعلق مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی رشتوں کو مضبوط کرنے، اپنے گزرے ہوئے لوگوں کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور مذہبی وقومی تاریخ سے روشناس کرانے سے ہے، اس لئے جو مسلمان اس پیشہ سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے اسلامی نقطۂ نظر سے ان مقاصد کو پورا کرنے والے پیکیج تیار کریں تاکہ مسلمان نوجوانوں کو بے راہ روی اور احساس کمتری سے بچایا جاسکے اور

غیر مسلم بھائیوں کے سامنے بھی مسلمانوں کی صحیح تصویر آ سکے۔

۴- **کھیل کود:**

الف- ایسے کھیل جو انسان کے وسیع تر مفاد میں ہوں، جن سے جسمانی قوت، چستی ونشاط کی بحالی میں مدد ملتی ہو جائز ہیں بشرطیکہ وہ منکرات سے خالی ہوں۔ دینی یا دنیوی حقوق و فرائض سے غفلت یا کسی بھی جاندار کی اذیت کا باعث نہ ہوں۔

ب- عام حالات میں شریعت نے مرد و عورت کی ستر پوشی کے لیے جو اصول مقرر کیے ہیں، کھلاڑیوں کے لیے بھی ان کی پابندی ضروری ہے۔

ج- جن کھیلوں کے بارے میں احادیث میں ترغیب آئی ہے وہ مستحب ہیں، ان کے علاوہ مروجہ کھیلوں میں جو مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہوں وہ جائز ہیں۔

د- کھیل کی ہار جیت میں پیسے کی شرط اگر یک طرفہ ہو یا کسی تیسرے فریق کی جانب سے ہو تو جائز ہے، اور اگر شرط جانبین سے ہو تو ناجائز ہے۔

ھ- وقت انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے، لہٰذا از روئے شرع کوئی بھی ایسا کھیل کراہت سے خالی نہیں ہوگا جو اپنے طریقے اور لباس کے اعتبار سے تو محرمات پر مشتمل نہ ہو لیکن اس میں کھیلنے یا دیکھنے والوں کا کافی وقت ضائع ہوتا ہو۔

و- جو کھیل جائز ہیں انہیں دیکھنے اور ان کے لیے ٹکٹ خریدنے کی گنجائش ہے۔

ز- جو لوگ کھیل میں شریک نہیں ہیں لیکن کسی فریق یا فرد کے جیتنے پر آپس میں پیسوں کی بازی لگائیں تو یہ بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔

ح- کھیل کی ایک وقتی تفریح کی حد تک تو گنجائش ہے، مگر اس کو زندگی کا مقصد بنالینا جائز نہیں ہے۔

ط- تعلیم وکسب معاش کے جائز سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کھیل کے لئے وقف کر دینا مناسب نہیں ہے۔

آبی وسائل اوران کے شرعی احکام:

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی اہم نعمت ہے، یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بہت سے احکام دیئے، لہٰذا اس کی قدر کی جائے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے پانی میں اسراف کی ممانعت کردی گئی، اور اس کو آلودہ کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا ہے، اور چونکہ سبھی کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس میں کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی، نہ ہی ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت دی گئی جو کسی کی حق تلفی کا سبب ہے۔

۱- جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے ان میں بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف ہے۔

۲- موقوفہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہوگا اور اگر مملوکہ ومباح پانی ہے تو اس میں مکروہ ہوگا۔

۳- شریعت نے پانی کو صرف پاک رکھنے ہی کے احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے بھی شریعت نے متعدد احکام دیئے ہیں؛ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے۔

۴- پانی کی قلت کے پیش نظر اگر حکومتیں مفاد عامہ کی خاطر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں تو یہ درست ہے اور اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ پابندی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کو پورا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۵- مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے کسی کی ملک نہیں، بوقت ضرورت مصلحت عامہ کے پیش نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔

۶- پانی کی حفاظت اور اس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے تاہم افراد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کہ زیر زمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔

۷- بوقت ضرورت مفادہ عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی منتقل کی جاسکتی ہے بشرطیکہ فوری ایسا عادلانہ معاوضہ ادا کیا جائے جو لوگوں کے لئے تلافی مافات اور باز آبادکاری کے لئے کافی ہوسکے۔

۸- یہ ضروری ہے کہ سیلاب کے موقع سے بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔

۹- اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا بغیر دوسروں کو ضرر پہنچائے درست ہے۔

۱۰- نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔

۱۱- وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا چیز میں بالقصد محفوظ کرلیا جائے، ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کے لئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

۱۲- پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے جبکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو، لہٰذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرکے اس پانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳- نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جب کہ ضرر عام لاحق ہو، درست نہیں ہے؛ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔

۱۴- ہر شہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب

معاوضہ بھی لے سکتی ہے، اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔

۱۵- پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے ایسے نظام وقوانین کا لحاظ رکھیں۔

✧✧✧

اکیسواں فقہی سمینار

☆ شقاق بین الزوجین

☆ نشہ آور اشیاء

☆ اسلامی تکافل

اکیسواں فقہی سمینار

۹-۱۱/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۳-۵/مارچ ۲۰۱۲ء، جامعہ اسلامیہ بنجاری اندور، ایم پی

عصر حاضر میں پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لئے قائم ادارہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا اکیسواں انٹرنیشنل فقہی سمینار مشہور تجارتی شہر اندور کے قریب جامعہ اسلامیہ بنجاری میں بتاریخ ۹-۱۱/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۳-۵/مارچ ۲۰۱۲ء منعقد ہوا، سمینار میں کشمیر سے لے کر کیرالہ تک پورے ملک سے تقریباً ۳۰۰/اسلامی اسکالرس اور مفتی وقاضی حضرات کے علاوہ مصر، برطانیہ، ماریشس، جنوبی افریقہ، امریکہ اور کناڈا کے نمائندوں نے بھی شرکت کی، اس سمینار کے لئے مروجہ انشورنس کے متبادل نظام تکافل، اہم ترین بین الاقوامی مسئلہ نشہ آور اشیاء کی تیاری اور استعمال کے سدباب، اور زوجین کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کے حل کے سلسلہ میں بحث کی گئی اور باتفاق رائے درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

شقاق بین الزوجین:

۱- اسلام میں نکاح ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ ہے، اور شریعت چاہتی ہے کہ اس رشتہ میں حتی المقدور دوام واستحکام ہو، اس لئے کسی واقعی معتبر سبب کے بغیر مرد کا طلاق دے دینا یا عورت کا خلع کا مطالبہ کرنا انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم عمل ہے؛ اس لئے شوہر وبیوی کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو اس رشتہ کو ٹوٹنے سے بچائیں، اور اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو قرآن مجید نے ایسے نزاعات کو حل کرنے کے لئے جو تدابیر ذکر کی ہیں ان کو

اختیار کریں، اور ایک دوسرے کے ساتھ تحمل اور عفوودرگذر سے کام لیں۔

۲- اگر زوجین کے تعلقات خوشگوار باقی نہ رہیں، نکاح کے مقاصد سکون اور باہمی محبت ومودت فوت ہونے لگیں اور بیوی طلاق کا مطالبہ کرے تو شوہر کو چاہئے کہ طلاق دے دے، محض ایذا رسانی کی غرض سے اسے معلق بنا کر نہ رکھے، اور اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو تو بیوی خلع کا مطالبہ کرسکتی ہے اور ایسی صورت میں شوہر کو چاہئے کہ خلع قبول کرکے عورت کو آزاد کردے۔

۳- زوجین کے درمیان ایسی تلخی جس کی وجہ سے موافقت مشکل نظر آئے اسے ''شقاق'' کہتے ہیں۔

۴- زوجین کے اولیاء کا بھی فریضہ ہے کہ وہ شقاق کی صورت میں ان کے درمیان صلح کرانے اور باہمی اختلافات کو دور کرنے، نیز دونوں کو حدود اللہ پر قائم رکھنے کی کوشش کریں۔

۵- اگر زوجین کے درمیان شقاق پیدا ہوجائے اور بیوی شوہر کے ساتھ رہنے پر بالکل آمادہ نہ ہو تو قاضی اولاً صلح کرانے کی پوری کوشش کرے، اگر صلح نہ ہو پائے تو خلع کرانے کی سعی کرے۔

۶- شقاق کی صورت میں ہر ممکن کوشش کے باوجود کوئی حل نہ نکل سکے تو قاضی کے لئے ضرورتاً ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے مسلک کے مطابق ان کی شروط معتبرہ کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کی گنجائش ہے۔

نشہ آور اشیاء:

اللہ تبارک وتعالی نے انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیزوں کو حلال اور طیب بنایا اور نقصان پہنچانے والی اشیاء کو حرام وناجائز قرار دیا ہے، پورے دین اسلام میں فطرت انسانی کی

رعایت ہر موڑ پر موجود ہے، کھانے پینے کی اجازت واباحت کے ساتھ ساتھ نقصان پہنچانے والی چیزوں کی ممانعت وحرمت قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں اصولی طور پر بیان کردی گئی ہے، انہیں محرمات میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں، جو عقل کو متاثر کرنے والی اور نقصان پہنچانے والی ہیں۔

انسانی اعضاء وجوارح میں عقل وخرد کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، انسان اسی عقل وخرد کے ذریعہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے، اور اسی عقل کی بنیاد پر وہ احکام شرع کا مکلّف ہوتا ہے، انسانیت کی بقا اور اس کی نافعیت عقل ہی کی سلامتی پر قائم ہے۔

عقل وخرد کو متاثر کرنے اور اخلاقی بگاڑ پیدا ہونے کا بڑا ذریعہ نشہ ہے، خواہ وہ کسی ذریعہ وشکل سے ہو، اس میں بے حد مضرت ہے، جس کے نتیجے میں انسان عقل وخرد سے بیگانہ ہوکر دین ودنیا کی تباہی کے راستے پر چل پڑتا ہے۔

شراب کی حرمت، شریعت میں مسلم ہے؛ خواہ وہ کسی نام اور کسی عنوان سے متعارف ہو، اس سلسلے میں شریعت کا واضح اصول یہی ہے کہ ہر نشہ آور شئ حرام ہے، آج نشہ کے لئے خمر وشراب کے علاوہ بہت سی اشیاء کا استعمال ہو رہا ہے جو جامد بھی ہوتی ہیں اور سیال بھی، مقدار میں بہت کم، لیکن تاثیر میں زود سے زودتر اور شراب سے فائق، افیم، کوکین، ہیروئن، اسمیک، گانجا اور اس جیسی بہت سی اشیاء کی مضرت شراب سے کہیں بڑھ کر ہے، آج پوری عالمی برادری سماجی طور پر اس سے متاثر ہے، نشہ آور اشیاء نے سب کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، اور پوری دنیا میں اس حوالہ سے تشویش پائی جارہی ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی کے اکیسویں سمینار جامعہ اسلامیہ بنجاری اندور منعقدہ ۳-۵/ مارچ ۲۰۱۲ء میں تفصیلی بحث ہوئی اور درج ذیل تجاویز پر اتفاق ہوا:

۱- پوری دنیا میں شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء میں فرق کا جو طریقہ کار اختیار کیا جارہا

ہے وہ خطرناک، نا قابل فہم اور انسانی ہمدردی کے خلاف ہے۔ دوسری نشہ آور اشیاء پر عالمی برادری کا جو موقف ہے، وہی شراب کے لئے بھی اختیار کیا جانا ضروری ہے، امّ الخبائث شراب کے لئے بھی لائسنس نہ دیئے جائیں اور ان کی خرید وفروخت پر مکمل پابندی لگائی جائے۔

۲- دستور ہند کے رہنما اصول دفعہ ۴۷ میں مرقوم ہے کہ مملکت اس امر کی کوشش کرے گی کہ طبی اغراض کے سوا نشہ آور مشروبات اور مضر صحت مفرد ادویہ کے استعمال کی ممانعت کرے۔ اس دفعہ کے مدنظر شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کی ہلاکت خیزی اور تباہ کاری کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ سمینار حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اسے جلد از جلد نافذ کیا جائے اور اس سلسلے میں قانون سازی کی جائے۔

۳- یہ سمینار تمام انسانوں سے عموماً اور مسلمانوں سے خصوصاً اپیل کرتا ہے کہ وہ نشہ آور اشیاء سے دور رہیں، تاکہ ان کی ذہنی نشوونما اور جسمانی ارتقاء کا عمل متاثر نہ ہو اور وہ سماج پر بوجھ بننے کے بجائے اپنی گوناگوں بلکہ ہمہ جہت صلاحیتوں کی وجہ سے ملک وملت کے لئے مفید بن سکیں۔

۴- ہم سب کو یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ انسان کے پاس اس کے تمام اعضاء وجوارح، جسم وجان، عقل وشعور اور ادراک اس کی اپنی ملکیت نہیں بلکہ اللہ کی امانت ہے، اور وہ شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق ان کے استعمال کا پابند ہے، وہ کوئی ایسی حرکت نہیں کرسکتا، جس کی وجہ سے ان اعضاء کی خدمات متاثر ہوں یا کلیۃً ختم ہوجائیں۔ شراب کی حرمت منصوص ہے، خواہ وہ کسی نام اور کسی عنوان سے متعارف ہو اور وہ کسی بھی چیز سے بنے۔

۵- اس کے علاوہ اشیاء کی حرمت کا حکم نشہ پیدا کرنے پر ہے خواہ وہ نشہ سیال اشیاء سے ہو یا جامد اشیاء سے، انجکشن کے ذریعہ حاصل کیا جائے یا کسی اور طریقہ سے، یہ سب حرام ہیں اور ان سب سے احتراز لازم ہے۔

۶- افیون، بھانگ وگانجا وغیرہ کی کاشت وتجارت کا مقصود انہیں منشیات کے طور پر استعمال کرنا اور ان کی تیاری میں تعاون ہو تو یہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

۷- وہ تمام منشیات ومسکرات جو بھانگ وافیم جیسی چیزوں سے تیار کی جائیں ان کا استعمال اور خرید وفروخت ناجائز وحرام ہے۔

۸- جو لوگ شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء کے استعمال کی عادت میں گرفتار ہیں وہ قابل سرزنش ہیں اور انہیں تمام ممکنہ تدابیر کے ذریعہ بچانے کی کوشش کرنا شرعی وانسانی فریضہ ہے۔

۹- جو لوگ اس بری عادت کو پھیلانے کا سبب بنتے ہیں خواہ کاروبار وتجارت کے ذریعہ ہو یا کسی اور طریقے سے، ایسے افراد اپنی حرکتوں سے باز نہ آنے کی صورت میں سخت سے سخت سزا کے مستحق ہیں۔

۱۰- ہر ایسی جائز تدبیر اختیار کرنا جس سے نشہ کی عادت چھوٹ جائے، شرعاً مطلوب، اور انسانی واخلاقی فریضہ ہے۔

۱۱- نشہ کی عادت چھڑانے کے لئے اگر جائز اشیاء سے علاج کی کوئی صورت کارگر نہ ہو، اور حالت مجبوری کی ہو، تو ماہرین اطباء کے مشورہ سے تدریجی طور پر نشہ آور اشیاء سے بھی علاج کی گنجائش ہے۔

۱۲- جسم وجان اور صحت وصلاحیت سب اللہ کی نعمت وامانت ہیں، ان کی ہر ممکن حفاظت

انسان پر فرض ہے، اس لئے نشہ آور اشیاء سے احتراز کے ساتھ ان تمام اشیاء کے استعمال سے بھی بچنا ضروری ہے جو جسم وصحت کو نقصان پہنچاتی ہیں اور خطرناک بیماریوں کا ذریعہ بنتی ہیں مثلاً سگریٹ، بیڑی، گٹکھا تمباکو نوشی وغیرہ۔

اسلامی تکافل:

اسلامک فقہ اکیڈمی کے اکیسویں فقہی سمینار (۳-۵/مارچ ۲۰۱۲ء) منعقدہ جامعہ اسلامیہ بنجاری میں غور وخوض اور تبادلہ خیال کے بعد درج ذیل امور باتفاق رائے طے ہوئے:

انسانی زندگی خطرات سے گھری ہوئی ہے، خاص طور سے صنعتی انقلاب کے بعد جہاں معاشی ترقی کے وسیع تر مواقع پیدا ہوئے اور انسان کے لئے آسانیاں بڑھیں وہیں مشینی انقلاب نے خطرات میں بھی اضافہ کیا۔ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ ممکنہ تدابیر واسباب کے ذریعہ ایسی پیش بندی کی جائے کہ خطرات سے ممکن حد تک اس کا تحفظ ہو، اور اگر کوئی حادثہ پیش ہی آجائے تو وہ اس کے لئے مالی طور پر ناقابل برداشت نہ رہے۔

شریعت اسلامیہ انسان کی اس فطری خواہش کو نظر انداز نہیں کرتی، بلکہ اسلام میں مستقبل کی پیش بندی اور ممکنہ خطرات سے تحفظ کی تدابیر کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔ قرآن وحدیث میں اجتماعی تعاون، امداد باہم، اور تبرع وایثار کی واضح ہدایات موجود ہیں، شریعت میں خطرات کی تقسیم وتخفیف کا تصور بھی ملتا ہے، جس سے ایک فرد کا نقصان پوری جماعت میں تقسیم ہوجائے اور فرد کے لئے اس کو برداشت کرنا آسان ہوجائے۔

اسلامی تکافل کی بنیاد دراصل انہی تصورات پر قائم ہے، جس میں ہر شریک کے لئے بہتر مستقبل کی پیش بندی کی جاتی ہے، اور ممکنہ خطرات سے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے، اس بنا پر یہ سمینار محسوس کرتا ہے کہ تکافل کو مفاسد سے بچاتے ہوئے مضبوط شرعی بنیادوں پر مستحکم کرنے کی

ضرورت ہے، تاکہ جولوگ ان مقاصد کے حصول کے لئے مروجہ غیر اسلامی انشورنس کمپنیوں اور سود وقمار پر مبنی اداروں کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کو صحیح اسلامی متبادل فراہم کیا جائے۔

۱- تکافل کی سب سے بہتر اور شریعت کے اصول ومقاصد سے ہم آہنگ صورت یہ ہے کہ اس کی بنیاد خالصتاً تعاون پر ہو، اور ممبروں کے لئے سرمایہ کاری کے ذریعہ نفع حاصل کرنے کو اس کے ساتھ جوڑا نہ جائے۔

۲- اسلامی تکافل کی تشکیل کے لئے تین شرعی اساس موجود ہیں: ہبہ بالعوض، التزام بالتبرع یا وعدۂ ہبہ، اور وقف۔ مختلف قانونی احوال وظروف میں ان میں سے کسی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۳- تکافل کی مختلف صورتوں کے مروجہ طریقۂ کار کا جائزہ لینے اور اس سلسلہ میں تفصیلی ہدایات مرتب کرنے کے لئے اکیڈمی عنقریب ایک کمیٹی تشکیل کرے گی جس میں کم ازکم پانچ علماء نیز انشورنس، مالیات اور قانون سے متعلق تین ماہرین شامل ہوں، جو عمومی طور پر اس مسئلہ میں غور کریں اور ہندوستان کے قانون کے پس منظر میں بھی قابل عمل صورت کی نشاندہی کریں۔

۴- تکافل کی جو بھی صورت اختیار کی جائے یہ ضروری ہے کہ تمام امور کی نگرانی کے لئے انتظامی کمیٹی کے علاوہ ایک شرعی نگراں بورڈ بھی قائم کیا جائے جس کو تمام معاملات کے دیکھنے کا پورا اختیار ہو اور اس کا فیصلہ کمپنی کے لئے ہر حال میں واجب العمل ہو۔

۵- یہ سمینار اپیل کرتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مصیبت زدہ افراد کی اعانت کے لئے اوقاف قائم کریں، امداد باہمی کی انجمنوں کو وجود میں لائیں، اور مختلف اداروں، کمپنیوں اور پیشوں سے مربوط افراد باہمی تعاون کے ایسے نظام کو فروغ دیں کہ

حادثات سے دوچار ہونے والے ساتھیوں کے نقصانات کی تلافی ہوسکے، اور معاونین اجروثواب کے لئے اس کام کو انجام دیں۔

٦- اسلامک فقہ اکیڈمی حکومت ہند سے مطالبہ کرتی ہے کہ ربا وقمار سے پاک تکافل کمپنی اور مالیاتی ادارے کے قیام میں تعاون فراہم کرے اور قانونی رکاوٹوں کو دور کرے۔

✧✧✧

بائیسواں فقهی سمینار

- ☆ الیکشن سے مربوط شرعی مسائل
- ☆ بیع الوفا
- ☆ صکوک
- ☆ تجویز بہ سلسلہ تحفظ خواتین

بائیسواں فقہی سمینار

۲۵-۲۷ / ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۹-۱۱ / مارچ ۲۰۱۳ء، جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ

اسلامک فقہ اکیڈمی کا بائیسواں فقہی سمینار معروف شہر امروہہ کی مشہور تاریخی دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ میں ۹-۱۱ / مارچ ۲۰۱۳ کو منعقد ہوا، اجلاس میں ہندوستان کے طول وعرض سے علماء وارباب افتاء کی بڑی تعداد کے علاوہ، الجزائر، جنوبی افریقہ اور ترکی کے مندوبین نے بھی شرکت کی، مولانا سید نظام الدین صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ، مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند وصدر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)، مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مفتی اشرف علی باقوی امیر شریعت کرناٹک، مولانا عبدالخالق سنبھلی (نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)، مولانا عبداللہ مغیثی صدر آل انڈیا ملی کونسل، مفتی شبیر احمد قاسمی مفتی جامعہ اسلامیہ شاہی مرادآباد، مولانا محمد سلمان منصور پوری (مرادآباد)، مفتی محبوب علی وجیہی (رامپور)، مفتی صادق محی الدین (جامعہ نظامیہ حیدرآباد)، مولانا ڈاکٹر عبداللہ جولم (جامعہ دارالسلام عمرآباد)، مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری (ممبئی)، قاضی عبدالجلیل قاسمی (قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ)، مولانا عبداللہ معروفی (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)، مولانا شوکت قاسمی (ناظم رابطہ مدارس اسلامیہ دارالعلوم دیوبند)، اور ملک کے مختلف علاقوں سے ممتاز اہل علم اور ارباب افتاء نے شرکت کی۔

سمینار میں تین اہم موضوعات رکھے گئے تھے، ان میں سے ایک ایسی خرید وفروخت سے متعلق جو ایک محدود مدت کے لئے کی جائے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''بیع وفا'' کہتے ہیں، دوسرے ''الیکشن سے مربوط مسائل''، تیسرے جدید اسلامی مالیات کا ایک اہم مسئلہ ''صکوک'' اور اس کے ذریعہ سرمایہ کی فراہمی نیز اس کی خرید وفروخت، ان موضوعات کے علاوہ اقوام متحدہ کی خواتین کمیٹی کی جانب سے پیش کئے جانے والے مسائل کا جائزہ نیز خواتین کے تحفظ کی تدابیر کو بھی زیر بحث لایا گیا اور اس سلسلہ میں اعلامیہ بھی منظور کیا گیا۔ سمینار میں منظور ہونے والی تجاویز اور یہ تفصیلی اعلامیہ حسب ذیل ہیں:

الیکشن سے مربوط شرعی مسائل:

۱- جمہوری نظام میں ووٹ کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا بھرپور استعمال کریں۔

۲- الیکشن میں باصلاحیت اور اہل افراد کا اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز وبہتر ہے۔

۳- قانون ساز اداروں میں ملّی مفادات کے تحت مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے؛ البتہ اگر کوئی قانون ایسا بنایا جائے جو شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف ہو تو اس کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا مسلم ممبران کا دینی وملّی فریضہ ہے۔

۴- مسلم ممبران کا یہ بھی دینی وملّی فریضہ ہے کہ شرعی احکام یا انسانی مصالح کے خلاف جو قوانین پہلے سے بنے ہوں، ان میں تبدیلی کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

۵- منتخب ممبران کے لیے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں مسلمانوں کے لیے الیکشن میں حصہ لینا ایک ناگزیر

ضرورت ہے؛ لہٰذا ایسی سیاسی پارٹیوں میں شرکت درست ہے جن کا منشور فرقہ واریت پر مبنی نہ ہو۔

۷- مسلم خواتین کے لیے شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ ووٹ دینا درست ہے۔

بیع الوفا:

۱- بیع وفا کے موضوع پر تمام مقالات، تحریروں اور بحث ومباحثہ کے بعد شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ ہمارے معاشرہ سے باہمی تعاون اور قرض حسنہ کا جذبہ کم اور قرض کی واپسی میں ٹال مٹول کا مزاج بڑھتا جارہا ہے، اس لیے سمینار امت مسلمہ سے اپیل کرتا ہے کہ قرض حسنہ کی جو فضیلت ہے اس کو حاصل کرنے اور قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کی قباحت سے بچنے کی فکر پیدا کی جائے، ساتھ ہی ساتھ شریعت اسلامی سے اس بارے میں جو رہنمائی ملتی ہے اس پر عمل کیا جائے۔

۲- شریعت میں رہن کا مقصد قرض کی وصولیابی کو یقینی بنانا ہے، لہٰذا قرض دہندہ کے لیے مال مرہون سے استفادہ کرنا جائز نہیں، یہ غریبوں کا استحصال اور سودخوری کا ایک ذریعہ ہے۔

۳- اگر قرض دہندہ مال مرہون سے فائدہ اٹھائے تو انتفاع کے بقدر رقم قرض سے منہا ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اگر قرض کی پوری رقم کے بقدر انتفاع کر چکا ہو تو مال مرہون بغیر کسی مطالبہ کے مقروض کو واپس کرنا واجب ہوگا۔

۴- اگر کوئی شخص سخت ضرورت مند ہو، اس کو نہ قرض حسن ملے اور نہ ہی رہن پر قرض ملے اور وہ نقد رقم حاصل کرنے کے لیے اپنی کوئی چیز کسی کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، جب کہ اس کا ارادہ ہو کہ بعد میں اس کو دوبارہ خرید لے گا تو اس کی گنجائش ہے، البتہ واپس

خریداری کا ذکر اس معاملے کے کرنے کے درمیان نہ کیا جائے؛ بلکہ اس سے الگ باہمی معاہدہ ہوجائے کہ خریدار اسے اسی قیمت پر دوبارہ بائع کو فروخت کردے گا تو ایسا کرنا درست ہوگا، اس صورت میں کہ خریدار کے لیے مبیع سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، تاہم اس سے احتیاط کرنا بہتر ہے۔

۵- کسی بھی جائداد- دکان ومکان- کو کرایہ پر لین دین کے لیے ضمانت کے نام سے لی جانے والی رقم شرعاً قرض کے حکم میں ہے۔

٦- قرض کی بنا پر کرایہ میں مروجہ اجرت کے مقابلہ میں غیر معمولی کمی (غبن فاحش) ''کل قرض جر نفعا فھو حرام'' کے تحت ناجائز ہے۔

صکوک:

موجودہ دور میں جو مالیاتی ادارے قائم ہوئے ہیں، ان میں سے بعض انسانی ضرورتیں اور معاشی مصلحتیں متعلق ہیں، نیز اپنے بنیادی مقاصد کے اعتبار سے وہ شریعت اسلامی کے مزاج ومذاق سے متصادم نہیں ہیں؛ لیکن ان کے لئے ایسا طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے جس میں شرعی نقطۂ نظر سے بعض مفاسد داخل ہوگئے ہیں، علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ ان کا ایسا متبادل پیش کریں، جو اپنے طریقۂ کار کے اعتبار سے بھی شریعت اسلامی سے ہم آہنگ ہوں، اسی طرح کی ایک کوشش اسلامی مالیاتی اداروں نے سود پر مبنی باؤنڈز کے مقابلہ ''صکوک'' کی صورت میں کی ہے، جس کی بنیاد مختلف شرعی عقود پر رکھی گئی ہے؛ تاہم اس کی صورت میں بہت تنوع ہے اور شرکاء سمینار کا احساس ہے کہ صورت مسئلہ کو مزید سمجھنے اور اس پر حکم شرعی کی تطبیق کے سلسلہ میں مزید غور کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے ''تجویز کمیٹی'' کی رپورٹ کو ریکارڈ کیا جاتا ہے اور اس مسئلہ کو

مستقبل کے لئے موقوف رکھا جاتا ہے۔

تجویز بہ سلسلہ تحفظ خواتین:

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على خاتم النبيين
ومن تبعهم باحسان إلٰى يوم الدين ، أما بعد ۔

اس وقت پوری دنیا میں خواتین کے حقوق اور ان کے تحفظ کا مسئلہ زیر بحث ہے، خواتین کے حقوق کے سلسلہ میں مغربی دنیا کا تصور یہ ہے کہ شوہر و بیوی ایک دوسرے کے پارٹنر ہیں، ان میں کسی کی حیثیت صدر خاندان اور قوام کی نہیں ہے؛ اس لئے اہل مغرب کا خیال یہ ہے کہ حق طلاق کے معاملہ میں مرد و عورت کو یکساں درجہ حاصل ہونا چاہئے اور کوئی بھی فریق عدالت کے رابطہ کے بغیر علاحدگی حاصل نہیں کر سکتا، اسی طرح تعدد ازدواج کی اجازت نہ عورت کے لئے ہونی چاہئے اور نہ مرد کے لئے، میراث میں دونوں کا حق برابر ہونا چاہئے، حق ولایت باپ اور ماں دونوں کو حاصل ہونا چاہئے، ۱۸؍سال سے پہلے نہ لڑکیوں کو نکاح کی اجازت ہونی چاہئے اور نہ لڑکوں کو، ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت ہونا چاہئے، لڑکا ہو یا لڑکی ۱۸؍سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد وہ اپنے جسم کے مکمل طور پر مالک ہیں، اور ان کے حق میں جنسی لذت اندوزی پر کوئی ممانعت نہیں ہونی چاہئے، املاک پر مشترکہ ملکیت ہونی چاہئے اور طلاق کے بعد املاک کی دونوں کے درمیان مساویانہ تقسیم ہونی چاہئے، مرد خود اپنی منکوحہ سے اگر اس کی رضامندی کے بغیر جنسی تمتع کرے، تو اس کو بھی جرم اور زنا شمار کیا جانا چاہئے، خواتین کو مانع حمل وسائل استعمال کرنے اور اپنا حمل ساقط کرانے کی اجازت ہونی چاہئے۔

یہ وہ تجاویز ہیں جو اقوام متحدہ کی خواتین کمیٹی کے ۵۷؍ویں اجلاس منعقدہ: ۱۴-۱۵؍مارچ ۲۰۱۳ء میں پیش کی جانے والی ہیں، جس کا عنوان ہے: ’’عورتوں اور نوجوان لڑکیوں کے

خلاف تشدد اختیار کئے جانے والے تمام تر طریقوں کی روک تھام اور ان کا خاتمہ‘‘ —— نیز مغربی قوتوں کی طرف سے کوشش کی جارہی ہے کہ اقوام متحدہ کے تمام ممبر ممالک اس پر دستخط کردیں، اور جو ممالک اس پر دستخط کریں گے، اگر اُن ممالک میں اس کے خلاف قانون باقی رکھا گیا تو اقوام متحدہ کو اس میں مداخلت کرنے اور ان حکومتوں کو بین الاقوامی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اگرچہ ان قوانین کی زد تمام ہی آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب پر پڑتی ہے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ تمام مذہبی گروہوں نے اس بات کو عملاً قبول کرلیا ہے کہ مذہب سے ان کا تعلق محض رسمی ہوگا، زندگی کے دوسرے مسائل میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہوگا، یہ صرف اُمت مسلمہ ہے، جو آج بھی مذہب کو اپنی پوری زندگی میں حکمراں تسلیم کرتی ہے؛ اس لئے ٹکراؤ براہ راست مسلمانوں سے ہوگا، عالم اسلام اور ملتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ وہ حکمت اور بلند حوصلگی کے ساتھ اس صورتِ حال کا مقابلہ کریں اور ہرگز ایسی غیر اخلاقی مہم سے متأثر نہ ہوں۔

ایک اہم مسئلہ پوری دنیا میں خواتین کے ساتھ ظلم و زیادتی اور تشدد کا بڑھتا ہوا رجحان ہے، خود ہمارے ملک ہندوستان میں خواتین پر تشدد اور جنسی ہراسانی کے جو واقعات پیش آرہے ہیں، وہ انتہائی افسوس ناک بلکہ پوری قوم کے لئے باعث شرم ہیں، ہر طرف سے اس کی روک تھام کے لئے سخت قوانین بنائے جانے کا مطالبہ ہورہا ہے، اور حکومت اس پر غور کررہی ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ خود فطرت نے مردوں اور عورتوں کے درمیان صلاحیتوں کا اور قویٰ کا فرق رکھا ہے؛ اس لئے خاندانی نظام کے استحکام اور سماج کو پاکیزہ رکھنے کے لئے

مساوات کی نہیں، عدل کی ضرورت ہے، مردوں پر ان کی صلاحیتوں کے مطابق ذمہ داریاں عائد کی جائیں اور عورتوں پر ان کی صلاحیت کے لحاظ سے، پھر جس پر جو ذمہ داریاں ہوں اور ان کی جو صلاحیتیں ہوں، اسی لحاظ سے ان کے حقوق وفرائض مقرر ہوں؛ اسی لئے اسلام نے تمام مالی ذمہ داریاں، خاندان کی کفالت اور اس کی حفاظت مردوں کے ذمہ رکھی ہے، عورتوں کو اس سے فارغ رکھا گیا ہے؛ لیکن خاندانی نظام میں استحکام اور انتظام کو برقرار رکھنے کے لئے مرد کو صدر خاندان بنایا گیا ہے اور اس کی حیثیت ''قوام ونگران'' کی مقرر کی گئی ہے، عائلی زندگی سے متعلق تمام احکام کی بنیاد اسی اُصول پر ہے۔

اسی طرح اسلام کی نظر میں خواتین کے تحفظ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور مردوں پر اس کی ذمہ داری عائد کی گئی ہے؛ لیکن وہ اس بات پر بھی توجہ دیتا ہے کہ ان اسباب ومحرکات کو ختم یا کم سے کم کر دیا جائے جو انسان کو جرم پر اُکساتی ہیں، ایسا ماحول بنایا جائے جس میں لوگوں کے اندر جرم کی تحریک ہی پیدا نہ ہو، پھر اس کے ساتھ ساتھ جرائم پر سخت سزائیں مقرر کی جائیں؛ تاکہ مظلوم کے ساتھ بھی انصاف ہو اور مجرم کے ساتھ بھی ناانصافی نہ ہو، جرم کے محرکات کو روکے بغیر صرف سخت سزائیں مقرر کر دی جائیں، تو اس سے جرم کا سد باب نہیں ہوسکتا اور یہ بات تقاضاء انصاف کے بھی خلاف ہے۔

اس پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بائیسواں فقہی سیمینار منعقدہ: ۲۶-۲۸/ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ مطابق ۹-۱۱/ مارچ ۲۰۱۳ء، جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد امروہہ میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

۱- انسانی آبادی — بہ شمول مغربی اور مغرب زدہ ممالک — کا غالب ترین حصہ کسی نہ کسی مذہب سے وابستہ ہے اور سماجی وازدواجی زندگی میں عورتوں اور مردوں کے

درمیان مکمل مساوات، نیز لڑکوں اور لڑکیوں کو بغیر کسی قانونی رشتہ کے فطری اور غیر فطری طریقہ پر جنسی لذت اندوزی کی اجازت دینا تمام مذاہب کی مسلمہ تعلیمات کے خلاف ہے؛ اس لئے جب یہ ممالک جمہوریت اور رائے عامہ کے احترام پر مبنی نظام حکومت کا دعویٰ کرتے ہیں تو ان کا فریضہ ہے کہ ایسے مذہب بیزار اور اخلاق باختہ قوانین سے خود بھی اپنا دامن بچائیں اور دوسروں پر بھی ان کو مسلط کرنے کی کوشش نہ کریں۔

۲- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مساوات کا یہ تصور اپنی تفصیلات کے ساتھ قانونِ فطرت سے متصادم ہے اور جب بھی انسان قانون فطرت سے ٹکراتا ہے تو اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوتا ہے، جس کی ایک مثال ایڈز جیسی جان لیوا اور موذی بیماری ہے؛ اس لئے پوری دنیا کا فریضہ ہے کہ وہ قانونِ فطرت سے متصادم ہونے کا خیال ترک کردے اور الہامی قوانین کی برتری کو تسلیم کرے؛ کیوں کہ یہ خود خالق فطرت کا نازل کیا ہوا قانونِ زندگی ہے، جس سے بڑھ کر کوئی اور ذات انسانیت کی مصلحت اور مضرت سے آگاہ و باخبر نہیں ہو سکتی۔

۳- عالم اسلام سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مغرب کی اس سازش کو سمجھنے کی کوشش کریں، جس کا مقصد خواتین کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے؛ بلکہ خاندان سے متعلق اسلام کے بنیادی تصور کو ڈھا دینا ہے؛ اس لئے وہ پوری قوت کے ساتھ اس خدا بیزار، انسانیت مخالف اور اخلاق دشمن مہم کی مخالفت کریں اور ہرگز ایسے کسی مسودہ پر دستخط نہ کریں۔

۴- حکومت ہند سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس ملک میں بسنے والی تمام ہی مذہبی اکائیوں کے نزدیک اس طرح کے قوانین ناقابل قبول ہیں، اور ملک کے دستور میں تمام

شہریوں کو جو مذہبی آزادی عطا کی گئی ہے، سراسر اس کے مغائر ہے، اس لئے ہندوستان کو ان تجاویز پر ہرگز دستخط نہیں کرنا چاہئے۔

۵- حکومت ہند سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ جنسی جرائم کے سد باب کے لئے صرف زنا پر سخت سزا کو کافی نہ سمجھے؛ بلکہ ان اسباب ومحرکات کو روکے، جو اس گناہ پر اُکساتے ہیں، جیسے: شراب کے کارخانے بند ہوں، مکمل طور پر نشہ پر پابندی عائد کی جائے، جو دستور ہند کے رہنما اُصول کا حصہ ہے، جداگانہ نظام تعلیم کی تشکیل کی جائے، اجنبی مرد وعورت کے اختلاط کو حتی المقدور روکا جائے، لڑکوں اور لڑکیوں کو ڈھیلے ڈھالے اور ساتر لباس پہننے کا پابند کیا جائے، فحش فلموں اور میڈیا کے ناشائستہ پروگراموں کو روکا جائے، خواتین کے لئے نائٹ ڈیوٹی کو ممنوع قرار دیا جائے، نکاح کے لئے لڑکوں کے حق میں ۲۱ سال کی اور لڑکیوں کے حق میں ۱۸ سال کی شرط ختم کردی جائے اور اس طرح کی احتیاطی تدابیر کے ساتھ پھر زنا پر---خواہ وہ باہمی رضامندی سے ہو یا جبر کے ساتھ---سخت سزا مقرر کی جائے۔

۶- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صرف قانون کے ذریعہ کسی برائی کو روکا نہیں جاسکتا، جب تک کہ دل ودماغ میں تبدیلی نہ لائی جائے، اس لئے اس وقت زنا، قتل، رہزنی اور کرپشن کے بڑھتے ہوئے واقعات اور ان واقعات میں تعلیم یافتہ لوگوں کے یکساں طور پر ملوث ہونے کے اعتبار سے یہ بات ضروری ہوگئی ہے کہ حکومت اخلاقی تعلیم کو تعلیمی اداروں کے نصاب میں لازمی جزو کی حیثیت سے شامل کرے، ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اخلاق پر مبنی تربیتی پروگرام نشر کئے جائیں اور تجارتی اشتہارات کو اخلاقی قدروں کا پابند بنایا جائے۔

۷- مسلمان ایک داعی گروہ ہیں اور ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ صرف زبان ہی سے نہیں؛ بلکہ اپنے عمل کے ذریعہ بھی اسلام کی دعوت پیش کریں، خواتین سے متعلق حقوق ادا کرنے کا اہتمام کریں، ان پر مظالم کے ارتکاب سے بچیں، عورتوں کو شرعی اصولوں کے مطابق میراث میں ان کا حق دیا کریں، طلاق کے بے جا استعمال سے پرہیز کریں، نکاح کو عبادت کے بجائے تجارت نہ بنالیں اور ایک ایسے سماج کی تعمیر کریں، جو واقعی اُس حسن سلوک کا بہترین مظہر ہو، جس کا اسلام میں حکم دیا گیا ہے اور جس میں خواتین کی عزت وتوقیر کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا ہو۔

✧✧✧

تئیسواں فقہی سمینار

- ☆ ہبہ سے متعلق مسائل
- ☆ میراث ووصیت سے متعلق مسائل
- ☆ عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل
- ☆ شہریت سے متعلق مسائل
- ☆ رِحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا

تئیسواں فقہی سمینار

۲۸، ۲۹ربیع الثانی وکیم جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳/مارچ ۲۰۱۴ء، جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا ۲۳واں فقہی سمینار تاریخی وعلمی اور صنعتی ریاست گجرات میں واقع ایک معروف علمی ادارہ جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں ۲۸، ۲۹ ربیع الثانی وکیم جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱-۳/مارچ ۲۰۱۴ء منعقد ہوا جس میں ملک وبیرون ملک سے ۲۵۰ سے زائد علماء واصحاب دانش کی شرکت ہوئی، بیرون ملک سے آئے علماء میں امریکہ سے قاری عبداللہ سلیم صاحب، ساؤتھ افریقہ سے آئے مولانا زبیر بیات صاحب، مولانا احمد ساتریا صاحب، دبئی سے آئے ڈاکٹر عز الدین بن زغیبہ اور ڈاکٹر ہاشم ندوی اور برطانیہ سے مولانا یعقوب اسماعیل منشی صاحب وغیرہ شامل تھے۔اور اندرون ملک سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ،اور مسلم پرسنل بورڈ کے نائب صدر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے صدر حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی صاحب، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی صاحب، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، اور حضرت مفتی اشرف علی باقوی صاحب وغیرہ شریک ہوئے۔اس سمینار میں چار موضوعات زیر بحث لائے گئے اور ان سے متعلق درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں:

ہبہ سے متعلق مسائل:

۱- ہبہ کرنے والے کو چاہئے کہ جو شئ ہبہ کرنی ہو، اگر وہ قابل تقسیم ہو تو اسے تقسیم کر کے

ہبہ کرے۔

۲- اگر مشاع یعنی مشترکہ چیز کو ہبہ کیا جائے تو اگرچہ قیمت واہمیت کے لحاظ سے اس کے مختلف حصوں کی حیثیت میں فرق ہو،لیکن اس کی تقسیم اور قبضہ کے سلسلہ میں ان لوگوں کے درمیان کوئی باہمی نزاع نہ ہو جن کو ہبہ کی گئی ہے تو یہ ہبہ درست ہے۔

۳- ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے کہ شرط ہے کہ جس کو ہبہ کیا گیا ہو وہ اس پر قبضہ بھی کرلے۔

۴- جس کو ہبہ کیا گیا ہے، اگر وہ ہبہ کرنے کے وقت نابالغ ہو اور اس کی طرف سے ولی قبضہ کرلے تو کافی ہے۔ بالغ ہونے کے بعد دوبارہ قبضہ کی ضرورت نہیں۔

میراث ووصیت سے متعلق مسائل:

۱- قانون میراث شریعت کا ایک اہم ترین حصہ ہے اور مسلمانوں کے لئے اسی کے مطابق ترکہ کی تقسیم شرعی فریضہ ہے، لہٰذا اگر کسی ملک میں مسلمانوں کے لئے احکام شریعت کے مطابق نظام میراث نافذ نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ حکومت سے نظام میراث کے نفاذ کا مطالبہ کیا جائے، اس کے لئے پُرامن جدوجہد کی جائے اور جب تک ایسا نظام قانونی طور پر نافذ نہ ہو، رضاکارانہ طور پر اسے نافذ کرنے کی سعی کی جائے۔

۲- جن ممالک میں اسلام کا قانون میراث جاری نہیں ہے، اور وصیت کے بغیر ورثہ کو ان کا شرعی حق نہ مل سکے، وہاں اس طرح کا وصیت نامہ لکھنا واجب ہوگا، جو مورث کی موت کے بعد قانون شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کا ذریعہ بن سکے، البتہ مورث وصیت نامہ کو نافذ کرانے کے لئے اپنی زندگی میں کسی کو وکیل (وصی) بنادے تاکہ

مورث کی وصیت کے بعد اگر ورثہ میں اضافہ یا کمی ہوجائے تو حکم شریعت کے مطابق حذف واضافہ کا حق اسے حاصل رہے۔

۳- ورثہ کے حصص شرعیہ کا وصیت نامہ لکھنا حدیث: ''لا وصیۃ لوارث'' (وارث کے لئے وصیت کا اعتبار نہیں) کے خلاف نہ ہوگا، کیونکہ اس حدیث کا مصداق وہ وصیت ہے جس میں کسی وارث کو ضرر پہنچانا مقصود ہو۔

۴- وارث کے حق میں حق شرعی سے زائد کی وصیت کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر دوسرے ورثہ راضی ہوں تو اس کا اعتبار ہوگا اور ورثہ کی یہ رضامندی مورث کی موت کے بعد ہی معتبر مانی جائے گی۔

۵- کوئی مسلمان کسی کافر کا اور کوئی کافر کسی مسلمان کا شرعاً وارث نہیں ہوسکتا۔

۶- ایسے غیر مسلم ممالک جہاں مسلمان سے غیر مسلم قرابت دار کو اور غیر مسلم سے مسلمان قرابت دار کو ملکی قانون کے مطابق موت کے بعد چھوڑے ہوئے مال میں حصہ دلایا جاتا ہو، وہاں مسلمان کے لئے اس حیثیت سے اس کا لینا جائز ہوگا کہ اسے حکومت کی طرف سے یہ مال حاصل ہورہا ہے۔

۷- ترکہ کی تقسیم میں اختلاف سے بچنے کے لئے اگر مورث اپنی زندگی میں ہی اپنے ترکہ کی حصۂ شرعی کے مطابق تقسیم کے لئے تحریر لکھ دے تو جائز ہے، البتہ اگر وارث کی موت سے پہلے ورثہ کی تعداد میں اضافہ یا کمی ہوجائے تو اس نئی صورت حال کے مطابق ہی ترکہ کی تقسیم ہوگی۔

۸- شوہر کے لاولد ہونے کی صورت میں اگر بیوی کے علاوہ کوئی شرعی وارث نہ ہو تو بیوی دو طرح سے ترکہ کی حقدار ہوگی۔ ایک اپنے حصۂ شرعی کے اعتبار سے،

دوسرے علم میراث کی اصطلاح کے مطابق " من یردّ علیھم" میں داخل ہونے کی وجہ سے۔ لیکن اگر شوہر اپنی بیوہ کا حق محفوظ رکھنے کے لئے کوئی تحریر بھی لکھ دے تو کوئی حرج نہیں۔

۹- غیر وارث کے لئے ایک تہائی تک وصیت کرنے میں ورثہ کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔

۱۰- وارث کے لئے وصیت کرنے کی صورت میں یا غیر وارث کے لئے ایک تہائی ترکہ سے زیادہ کی وصیت کی شکل میں مورث کی زندگی میں ورثہ کی اجازت کافی نہیں ہے، مورث کے مرنے کے بعد تمام ورثہ کی رضامندی ضروری ہے۔

عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) سے متعلق مسائل:

۱- عقد استصناع اصلاً بیع ہے اور یہ ہر اس چھوٹی بڑی منقول اور غیر منقول چیز میں جائز ہے جن میں مندرجہ ذیل شرائط پائی جائیں:

(الف) وہ چیز قابل صنعت ہو۔

(ب) وہ چیز اس لائق ہو کہ مقدار، وصف، وزن اور سائز وغیرہ کے ذریعہ اس کو متعین کیا جاسکتا ہو۔

(ج) اس چیز کی تیاری میں میٹریل صانع (آرڈر لینے والے) کی طرف سے ہو۔

(د) اس میں استصناع (آرڈر پر خرید وفروخت) کا تعامل اور رواج ہو۔

(س) عقد کے وقت اس چیز کی جنس، نوعیت، وزن، سائز، ڈیزائن اور دیگر مطلوبہ صفات کی وضاحت اس طرح کردی جائے کہ کوئی ابہام باقی نہ رہے۔

۲- عقد استصناع کے بعد فریقین معاملہ کے پابند ہوں گے اور کسی فریق کو دوسرے فریق

کی رضا کے بغیر معاملہ کو فسخ کرنے کا حق و اختیار حاصل نہ ہوگا۔

۳- صانع (آرڈر قبول کرنے والے) کو اختیار ہوگا کہ وہ سامان خود تیار کرے یا دوسرے سے تیار کرائے، البتہ مُستَصنِع یعنی آرڈر دینے والا اس شئ کے حاصل ہونے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ نہیں فروخت کر سکتا۔

۴- عقد استصناع میں آرڈر قبول کرنے والے کے لیے بیعانہ کی رقم سے اپنے حقیقی نقصان کی تلافی کرنا درست ہے۔

۵- عقد استصناع میں مبیع کی حوالگی کی مقررہ تاریخ کی پابندی نہ کرنے کی صورت میں آرڈر دینے والے کو ہونے والے حقیقی نقصان کی تلافی کے لیے فریقین عقد کے وقت اگر کسی شرط پر اتفاق کر چکے ہوں تو اس کے پابند ہوں گے۔

شہریت سے متعلق مسائل:

۱- اسلام ایک دین اور مسلمان ایک امت ہیں، اسلام مسلمانوں کو ایک وحدت سے جوڑتا ہے اور ان کو ایک جسم و جان کا درجہ دیتا ہے، اس لحاظ سے اسلام کا اصل مزاج یہ ہے کہ مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی حصے میں ہوں، کلمہ کی بنیاد پر ایک امت ہیں، اور ان کے درمیان کسی تفریق و امتیاز کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی جانبدارانہ سلوک کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

۲- البتہ عہد جدید میں مغرب کے اثرات سے موجودہ نظام شہریت نے جو حد بندیاں قائم کی ہیں اور جغرافیائی بنیادوں پر انسانوں میں تقسیمات کی گئی ہیں نیز ہر ملک کے شہری کو ایک الگ قوم تصور کیا جاتا ہے، افسوس کہ اس کے اثرات امت مسلمہ پر بھی پڑے ہیں، مختلف ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کو قومِ واحد کی بجائے مختلف قوموں میں

تقسیم کر دیا گیا ہے اور ان کی آزادانہ نقل وحرکت اور قیام وسکونت میں مشکلات پیدا ہوگئی ہیں، گو یہ نظام، اسلام کے آفاقی نظریۂ وحدت سے ہم آہنگ نہیں ہے، لیکن موجودہ بین الاقوامی احوال اور علاقائی مصالح واسباب کے تحت ملکوں میں شہریت کا جونظام رائج ہے، موجودہ حالات میں اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

۳- مسلم یا غیر مسلم ملک کا مسلمان کسی مسلم ملک میں شہریت کا خواہش مند ہو اور اس کے اپنے ملک میں دین وایمان، جان ومال اور عزت وآبرو کو سخت خطرہ درپیش ہو تو اس مسلم ملک پر اس کی درخواست کو قبول کرنا لازم ہوگا۔

۴- کسی ملک کے مسلمان مجبور ہو کر دوسرے مسلم ملک میں پناہ گزیں ہو جائیں تو ایسے ملک کا فریضہ ہے کہ وہ ان پناہ گزینوں کو تمام شہری حقوق عطا کرے۔

۵- کسی مسلمان کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(الف) ایسا غیر مسلم ملک جہاں دین وایمان جان ومال اور نسل کے تحفظ کو خطرہ ہو وہاں کی شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے؛

البتہ اس قسم کے خطرات نہ ہوں تو جائز ہے۔

(ب) کسی ملک کی غیر اسلامی تہذیب وتمدن سے متأثر ہو کر وہاں کی شہریت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) محض معیارِ زندگی بلند کرنے کے لیے مسلم ملک کے کسی شہری کا غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے۔

(د) معاشی مجبوریوں طبی ضرورتوں، اور تعلیمی مقاصد کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت کا حصول جائز ہے۔

(ہ) دعوتی اغراض کے لیے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا مستحب ہے۔

رِحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے، اس پر قائم رہنے میں نہ صرف آخرت کی نجات ہے؛ بلکہ دنیا کی بھی فلاح ہے، شریعتِ اسلامی چونکہ اس ذات کی نازل کی ہوئی ہے، جس نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے اور اس کی فطرت بنائی ہے؛ اس لئے یہ شریعت پوری طرح فطرتِ انسانی سے ہم آہنگ ہے **"فطرة اللّٰہ التی فطر الناس علیہا"** شیطان چونکہ انسانوں کا دشمن ہے، اس لئے اس کی خاص مہم یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان کو فطرت سے بغاوت پر اکسایا جائے اور اس کو اُن فطری قوانین سے برگشتہ کر دیا جائے، جن میں اس کی بھلائی مضمر ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے عزائم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

"ولأضلّنهم ولأمنّيهم ولاٰمرنّهم فليبتّكن آذان الأنعام ولاٰمرنّهم فليغيرنّ خلق الله ومن يتخذ الشيطان ولياً من دون الله فقد خسر خسرانا مبيناً" (نساء:۱۱۹)۔

افسوس کہ موجودہ مغربی تہذیب اس تصور پر مبنی ہے کہ انسانی زندگی میں مذہب واخلاق کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے؛ اس لئے وہ فطرت سے بغاوت کی راہ پر چل رہی ہے، نکاح کے بجائے غیر قانونی رشتہ کی اجازت، ہم جنسی کی اجازت، بے پردگی وعریانیت کو بنیادی حق کی حیثیت دینا، نسلِ انسانی کی افزائش کو روکنا اور اس طرح کے کتنے ہی مسائل ہیں، جو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت سے متصادم ہیں، اور ان کا ارتکاب نہ صرف اخلاقی نقطۂ نظر سے بلکہ طبی پہلو سے بھی سخت ضرر رساں ہے، اور لاعلاج بیماریوں کو پیدا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں میں افزائشِ نسل کے لیے جنسی جذبات رکھے ہیں، اور

ان میں انسان بھی شامل ہے، لیکن اس باب میں انسان کو ایک خصوصی شرف عطا کیا گیا ہے کہ وہ عفت وعصمت کا جوہر رکھتا ہے، صنفی اعتبار سے شوہر اور بیوی کی وفاداری ایک دوسرے تک محدود ہوتی ہے، شوہر و بیوی کے ذریعہ توالد و تناسل کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے، یہ انسانی فطرت ہے، اور پہلے انسان ابوالبشر حضرتِ آدمؑ کے وقت سے یہ سلسلہ جاری و ساری ہے:

"یا أیها الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة وخلق منها زوجها وبثّ منهما رجالا کثیرا ونساء" (النساء:۱)۔

اسی سے خاندان وجود میں آتے ہیں، والدین اور اولاد کی شناخت قائم ہوتی ہے، اور ایک دوسرے سے متعلق حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین ہوتا ہے، دوسرے جانداروں کا کوئی خاندان نہیں ہوتا، نہ ان کی کوئی نسلی شناخت ہوتی ہے، اور نہ ہی ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کا اس طرح کا نظام ہوتا ہے جو نظام انسانی سماج میں پایا جاتا ہے، یہ پہچان سماجی اعتبار سے انسان کا بہت بڑا شرف ہے؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے احسانات میں شمار کیا ہے:

"یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا" (الحجرات:۱۳)۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے:

"وهو الذی خلق من الماء بشراً فجعله نسباً وصهراً" (الفرقان:۵۴)۔

عصرِ حاضر میں خدا نا آشنا اور اخلاق بیزار تمدن اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ انسان صنفی مسائل میں پوری طرح قانونِ فطرت سے آزاد ہو جائے اور اپنی شناخت کو کھو دینے میں اسے کوئی تأمل نہ ہو، ایسی ہی صورتوں میں ایک وہ ہے جس کو رحم کو کرایہ پر یا عاریت پر دینے سے

تعبیر کیا جاتا ہے، آج کل اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں:

الف: مادۂ منویہ شوہر کا ہو، بیضہ اجنبی عورت کا ہو، اور اس کی پرورش خود اس شخص کی بیوی کے رحم میں ہو۔

ب: مادہ شوہر کا ہو، بیضہ خود اس کی بیوی کا ہو، لیکن جنین کی پرورش اجنبی عورت کے رحم میں ہو۔

ج: مادہ اجنبی مرد کا ہو، بیضہ اس عورت کا ہو جو اپنے شوہر کی اجازت سے اولاد کی خواہاں ہو، اور کسی اور عورت کے رحم میں اس کی پرورش ہو۔

د: مادہ اجنبی مرد کا ہو، جو عورت اولاد کی خواہاں ہے، اسی کا بیضہ ہو، اور خود اسی کے رحم میں جنین کی پرورش ہو۔

ان چاروں صورتوں میں یہ بات مشترک ہے کہ یا تو جو عورت ماں بننا چاہتی ہے، اس کی اولاد کے لئے اجنبی مرد کا مادہ استعمال کیا جائے یا اجنبی عورت کا بیضہ، یا اجنبی عورت کا رحم، ان تمام ہی صورتوں میں متعدد اخلاقی اور نفسیاتی مفاسد شامل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

☆ ایک عورت اپنے رحم میں ایک اجنبی مرد کے نطفہ کی پرورش کرتی ہے، اس طرح وہ انجام اور مآل کے اعتبار سے اسی فعل کی مرتکب ہوتی ہے جس کا ارتکاب کوئی زانیہ عورت کرتی ہے۔

☆ یہ بات انسانی شرافت کے مغائر ہے کہ اس کے اعضاء اور خاص کر صنفی اعضاء کا استعمال متاعِ تجارت کی طرح ہونے لگے۔

☆ اس سے مادریت کا تقدس مجروح ہوتا ہے، اور اس طرح بے حد مقدس ومحترم اور

پاکیزہ رشتہ ایک تجارتی عمل کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔

☆ اس سے نفسیاتی اثرات پڑ سکتے ہیں، جس عورت نے نو دس ماہ حمل کی تکلیف اٹھائی ہو، بچہ پیدا ہوتے ہی اسی بچے سے اس کی گود محروم ہوجائے، یہ بات اس کو سخت صدمے سے دوچار کرسکتی ہے، یہاں تک کہ اس کے دماغ پر بھی اثر انداز ہوسکتی ہے۔

☆ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ماں چونکہ اپنے پیٹ میں بچہ کی پرورش کے وقت اور پھر ولادت کے مرحلہ میں غیر معمولی تکلیف سے گزرتی ہے، چنانچہ خود قرآنِ کریم نے ''**حملته أمه كرها ووضعته كرها**'' (الاحقاف:۱۵) کے الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچا ہے، جو عورت ان مشقتوں سے گزری نہیں ہو، کیا اس کے دل میں وہی دردمندانہ جذبات پیدا ہوسکتے ہیں، جو ان مرحلوں سے گزرنے والی ماں کے اندر ہوتے ہیں؟

☆ جس شوہر نے اپنی بیوی کے لئے کسی اجنبی مرد کے نطفہ کو قبول کیا ہو، کیا اس کے بارے میں توقع کی جاسکتی ہے کہ اس کے نتیجے میں اگر لڑکی پیدا ہوئی تو وہ اس کے ساتھ ایک باپ جیسا رویہ اختیار کرے گا، اور عصمت وآبرو کے پہلو سے وہ اس فطری حجاب کو برقرار رکھے گا جو ایک باپ اور بیٹی کے درمیان ہوتا ہے۔

☆ اس کی وجہ سے بیضہ دینے والی، حمل کی تکلیف اٹھانے والی خواتین کے درمیان مولود کے حق پرورش کے بارے میں نزاع پیدا ہوسکتا ہے، بلکہ اس طرح کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔

☆ سب سے اہم بات یہ ہے کہ نسلی شناخت اور تشخص انسان کے لئے سرمایۂ افتخار

ہے، اور ہر شخص چاہتا ہے کہ اس کی یہ شناخت کھونے نہ پائے، شناخت کا کھو جانا اس کے لئے انتہائی ذلت کی بات ہوتی ہے، اور وہ ہر طریقے پر اس کا تحفظ چاہتا ہے، اسی لئے شریعت نے زنا کو اتنی شدت کے ساتھ منع کیا اور اس کے لئے سخت ترین حد مقرر کی ہے، خود جس شخص کو باپ یا ماں کے بارے میں شک ہو کہ معلوم نہیں کہ میری ماں یہ ہے یا وہ ہے؟ تو یہ بات بھی اس کے لئے بے حد تکلیف دہ ہوتی ہے، نسب کی شناخت جیسے باپ سے متعلق ہوتی ہے، ویسے ہی ماں کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہوتا ہے، بلکہ بعض خاندان تو اولاد نرینہ نہ ہونے کی صورت میں ماں کی طرف سے ہی چلتے ہیں۔

ان مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اجلاس متفقہ طور پر فیصلہ کرتا ہے کہ:

۱- بطور اجارہ یا عاریت کسی عورت کا اپنے رحم میں اجنبی مرد کے نطفہ یا دوسرے کے بیضہ کی پرورش کرنا قطعاً حرام ہے، یہ انسان کو اس کی شناخت سے محروم رکھنے کی ایک سازش ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کے بنائے ہوئے فطری نظام سے بغاوت ہے۔

۲- کسی مرد کے لئے یہ بات قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنا مادہ کسی اجنبی عورت کے رحم میں بار آور کرنے کے لئے یا اس کے بیضہ سے اختلاط کے لئے دے۔

۳- ڈاکٹروں کے لئے بھی یہ بات جائز نہیں کہ وہ ایسے غیر اخلاقی عمل میں تعاون کریں۔

۴- حکومتِ ہند کو ایسا قانون بنانا چاہئے جو انسانی اہانت، شرافتِ انسانی کی پامالی اور نسب کے اختلاط پر مبنی اس عمل کو سختی سے روکے۔

۵- برادرانِ وطن سے بھی اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حکومت سے اس اہانت آمیز عمل کو روکنے

کے سلسلہ میں مطالبہ کریں، کیونکہ اس طرح کے غیر اخلاقی حیاء سوز قانون فطرت کے مغائر فعل کی کسی بھی مذہب میں اجازت نہیں۔

٦- اس قانون کے علاوہ بھی علماءِ ہند کا یہ نمائندہ اجتماع حکومت سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے کسی بھی عمل کی اجازت دینے سے باز رہے جو مذاہب کے مسلمہ اخلاقی اقدار اور ہندوستان کی ثقافتی روایات کے مغایر ہو۔

✧✧✧

چوبیسواں فقہی سمینار

- ☆ قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت
- ☆ برصغیر میں مطبوعہ قرآن مجید کے نسخے
- ☆ اسلام میں بچوں کے حقوق
- ☆ غذائی مصنوعات میں حلال وحرام
- ☆ حلال سرٹیفکٹ
- ☆ اعضاء واجزاء انسانی کے عطیہ
- ☆ اعلامیہ: تعلیم اور تعلیمی اداروں کی فرقہ واریت سے حفاظت

چوبیسواں فقہی سمینار

۹ تا۱۱؍ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱ تا ۳؍ مارچ ۲۰۱۵ء، دار العلوم الاسلامیہ اوچیرہ، کولم (کیرلا)

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا چوبیسواں فقہی سمینار مورخہ ۹-۱۱؍ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱-۳؍ مارچ ۲۰۱۵ء کو دار العلوم الاسلامیہ اوچیرہ، کولم (کیرلا) میں منعقد ہوا، افتتاحی اور اختتامی اجلاس کی صدارت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمائی، اجلاس میں کشمیر سے لیکر آسام اور کیرالا تک ہر علاقہ کے علماء اور ارباب افتاء، اہم دینی جامعات اور مراکز افتاء کی نمائندے شریک ہوئے، ہندوستان کے علاوہ سعودی عرب، برطانیہ، جنوبی افریقہ، ماریشس اور بعض دیگر ملکوں کے علماء اور ماہرین شریک تھے، سمینار میں قرآن مجید کے متن وترجمہ کی اشاعت، بریل کوڈ میں قرآن کی تعلیم، بچوں کے حقوق، غذائی مصنوعات میں حلال وحرام کے اصول اور حلال سرٹیفکٹ کے اجراء کے لیے شرائط ومعیارات، اور اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ جیسے موضوعات پر غور کیا گیا اور فیصلے کیے گئے، غذائی مصنوعات میں حلال وحرام کے طریقۂ تحقیق کے سلسلہ میں جنوبی افریقہ اور برطانیہ کے حلال سرٹیفکٹ جاری کرنے والے اہم اداروں کے نمائندوں نے وضاحت پیش کی، اور ہمدرد یونیورسٹی کے فوڈ پروڈکٹس سے متعلق ریسرچ کے ذمہ دار نے ہندوستان کے پس منظر میں اس موضوع کی تفصیلات پیش کیں۔ جگر کی پیوندکاری کے سلسلہ میں اس فن سے متعلق سرجنوں نے تفصیلات رکھیں اور نابیناؤں کی ایک منفرد دینی درسگاہ جو جنوبی افریقہ میں واقع ہے، کے ذمہ دار نے بریل کوڈ کی فنی تفصیلات پیش کیں اور نابینا بچوں کے طریقۂ تعلیم وتربیت پر روشنی ڈالی، مقالات ومباحث کو سامنے رکھتے ہوئے اور بحث ومناقشہ کے

بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں، ان کے علاوہ ہندوستان میں مطبوعہ قرآن مجید اور ممالک عربیہ میں طبع ہونے والے قرآنی نسخوں کے درمیان بعض رموز وعلامات کے سلسلہ میں جو فرق پائے جاتے ہیں، اور جس کی وجہ سے بعض لوگ غلط فہمی پیدا کرر ہے ہیں اس سے متعلق وضاحت بھی کی گئی، نیز ہندوستان میں تعلیم کو جو فرقہ وارانہ رنگ دیا جارہا ہے اس پس منظر میں ایک اعلامیہ بھی منظور کیا گیا:

قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت:

آج مورخہ ۳؍ مارچ بروز شنبہ ۲۰۱۵ء ''قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت'' سے متعلق تجویز کمیٹی کے زیر بحث طے پایا:

۱- قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت ہے، جو قیامت تک انس وجن کی رہنمائی کرتی رہے گی، دنیا میں چونکہ مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لہٰذا قرآنی تعلیمات کو عام انسانوں تک پہونچانے کے لئے مختلف زبانوں میں معتبر تراجم کو فروغ دیا جائے۔

۲- متن قرآن کے بغیر کسی بھی زبان میں تنہا ترجمہ قرآن کی اشاعت ناجائز ہے، لہٰذا اسے خریدنا، تقسیم کرنا، ہدیہ کرنا درست نہیں ہے۔

۳- عثمانی رسم الخط کے علاوہ کسی دوسرے رسم الخط میں قرآن مجید کی کتابت واشاعت ناجائز ہے۔

۴- قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنا اور اپنے اندر ناظرہ قرآن پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنا ہر مسلمان مرد وعورت کا شرعی فریضہ ہے، اس لیے ہر شخص کو خود بھی یہ صلاحیت حاصل کرنی چاہئے اور اپنے بچوں اور زیر تربیت افراد کو اس کی تعلیم دلانے کا اہتمام کرنا

چاہئے ورنہ وہ عنداللہ جواب دہ ہوں گے۔

۵- اصل تو یہ ہے کہ صرف عربی رسم الخط میں قرآن کریم کی اشاعت کی جائے لیکن ضرورتاً عربی متن کے ساتھ غیر عربی رسم الخط میں درج ذیل شرائط کے ساتھ اشاعت کی گنجائش ہے:

الف: قرآن کریم کی ترتیب نہ بدلے۔

ب: مخارج کا حتی الامکان لحاظ کیا جائے۔

ج: عثمانی وعربی رسم الخط کی تمام خصوصیات کے لئے جامع و مانع اصطلاحات وضع کر کے اس زبان کے رسم الخط کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔

۶- نابینا اور معذور افراد سماج کی خصوصی توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں، ان کی تعلیم کے لئے بریل کوڈ کی ایجاد نہایت اہم پیش رفت ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس رمزی زبان کے ذریعہ نابینا حضرات کو زیادہ سے زیادہ علوم اسلامیہ سے استفادہ کی سہولت فراہم کی جائے۔

۷- بریل کوڈ کے مسلمان ماہرین سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اس کوڈ کو زیادہ سے زیادہ عربی خط اور رسم عثمانی سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں؛ تاکہ یہ رموز قرآن مجید کے اصل رسم سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ ہوجائے۔

۸- چونکہ بریل کوڈ علامتی زبان ہے، رسم الخط نہیں اس لئے نابینا افراد کی حاجت وسہولت کے پیش نظر بریل کوڈ میں قرآن حکیم کی کتابت واشاعت جائز ہے، اور چونکہ یہ قرآن کریم کا رمز ہے اس لئے اس کا پورا احترام ملحوظ رکھا جائے، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ نابینا حضرات قرآن مجید کے صحیح تلفظ سے واقف شخص کی مدد سے قرآن پاک کی تعلیم حاصل کریں۔

۹- موبائل کی اسکرین پر نظر آنے والی آیات کو بے وضو نہ چھوا جائے۔

۱۰- موبائل اور اس قسم کے دیگر آلات کا ڈھانچہ اسکرین سے علیحدہ ہے، لہٰذا جب اسکرین پر قرآن مجید ہو تو موبائل یا دیگر آلہ کو ہاتھ میں لینے کے لئے باوضو ہونا ضروری نہیں۔

نوٹ: شرکاء سمینار میں سے مفتی جنید بن محمد پالن پوری (ممبئی)، مفتی محمد شاہد قاسمی (بھروچ) کی رائے میں قرآن مجید کے اصل متن کے ساتھ بھی غیر عربی رسم الخط میں اس کی کتابت جائز نہیں، نیز مولانا محمد ثوبان اعظم قاسمی (بہار) کی رائے میں یہ صورت بھی جائز نہیں ہے اور قرآن مجید کو بریل کوڈ میں منتقل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

برصغیر میں مطبوعہ قرآن مجید کے نسخے:

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی آخری کتاب ہے اور قیامت تک انسانیت کی ہدایت اسی کتاب سے متعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور نہ صرف قراء وحفاظ کے ذریعہ اس کی حفاظت فرمائی گئی ہے، بلکہ متن قرآن کو جس طرح آپ نے املاء کرایا اور لکھوایا وہ طریقہ کتابت بھی رسم عثمانی کی صورت میں محفوظ ہے، عربی اور عجمی نیز مشرقی اور مغربی ممالک میں اسی طرح قرآن مجید کی کتابت ہوتی آئی ہے، البتہ اصل الفاظ سے ہٹ کر تسہیل تلاوت کے لئے جو رموز وعلامات اعراب استعمال کئے گئے ہیں ان میں کسی قدر فرق پایا جاتا ہے جس کا قرآن مجید کے الفاظ اور نفس متن کی کتابت سے تعلق نہیں، ہندو پاک میں قرآن مجید کی جس انداز پر کتابت ہوتی ہے وہ اس فن کی مرکزی شخصیت شیخ ابوعمرو الدانی (متوفی ۴۴۴ھ) کی تصریحات کے مطابق ہے، اور ہندوستان کے نہایت معتبر علماء، ارباب افتاء اور ماہرین فن کی توثیق کے ساتھ اس کی نشر وطباعت ہوتی آئی ہے، اس لئے اس میں تبدیلی اور بلاد عرب میں مروجہ رموز وعلامات کے مطابق اس کی کتابت نہ صرف غیر ضروری عمل ہے بلکہ یہ

امت میں افتراق وانتشار کا سبب بن سکتا ہے، اس لئے امت میں جو طریقہ مروج رہا ہے کہ مختلف علاقوں کے لوگ اپنی سہولت کے اعتبار سے اس علاقہ میں مروج رموز کے مطابق قرآن مجید کی نشر واشاعت کی خدمت انجام دیا کرتے ہیں، اس کو اسی طرح باقی رکھا جائے اور کسی بھی ایسے عمل سے بچا جائے جو فتنہ وانتشار کا سبب بن سکتا ہو۔

اسلام میں بچوں کے حقوق:

ا- بچوں کے حق پرورش کے سلسلے میں بنیادی ہدایات یہ ہیں:

الف: حضانت شرعاً واجب ہے اور یہ فریضہ اصلاً ماں کا ہے، اس کو یہ کام انجام دینا چاہئے، اگر ماں نہ ہو اور حضانت کی حقدار اگر ایک ہی عورت موجود ہو تو بچہ کی پرورش اس پر واجب عینی، اور متعدد ہوں تو واجب کفائی ہے۔

ب: پرورش میں بچہ اور پرورش کنندہ، دونوں کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔

ج: عام حالات میں ماں کو پرورش کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، البتہ بعض مخصوص حالات میں جبکہ کوئی دوسرا موجود نہ ہو اور بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو مجبور کیا جائے گا۔

د: پرورش کے لئے بچہ ماں کے پاس اس وقت تک رہے گا جب تک کہ اپنی بنیادی ضروریات مثلاً کھانا، پینا اور استنجا کے لائق نہ ہو جائے، بچہ میں سات سال کی عمر ہے اور لڑکی بالغہ یا قریب البلوغ تک ماں کے پاس رہے گی۔

ھ: پرورش کرنے والے کا عاقل، بالغ، امانت دار اور پرورش پر قدرت رکھنے والا ہونا ضروری ہے، اور عورت ہو تو یہ بات بھی ضروری ہے کہ وہ جس شخص کے نکاح میں ہو وہ زیر پرورش بچہ کا غیر محرم نہ ہو۔

و: جن صورتوں میں بچہ کو تعلیمی، تربیتی، جسمانی یا نفسیاتی پہلو سے مضرت کا اندیشہ ہو تو ان صورتوں میں حق پرورش ساقط ہو جائے گا۔

۲-الف: والدین اور سرپرستوں پر بچوں اور بچیوں کو اتنی تعلیم دینا ضروری ہے جس سے وہ اپنی دینی ذمہ داریاں ادا کرنے کے اہل ہو جائیں، اسی طرح حسب ضرورت عصری تعلیم بھی دی جائے اور اس سلسلہ میں شرعی حدود کی رعایت رکھی جائے۔

ب: اگر حکومت کسی سطح تک کی تعلیم بچوں اور بچیوں کے لئے لازم قرار دے اور وہ تعلیم شرعی اصول سے متصادم نہ ہو، اور کوئی بات ایمان واخلاقیات کے منافی نہ ہو اور نہ ہی بے راہ روی وانحراف کا باعث ہو تو اس کی پابندی مسلمانوں کو کرنی چاہئے۔

ج: آج کل بچوں کے لئے جس جنسی تعلیم کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اس کی گنجائش اسلام میں بالکل نہیں ہے کیونکہ اس کے مفاسد بہت ہیں اور اس سے بے راہ روی پیدا ہوتی ہے، ایسی عمر میں بچوں کو اخلاقیات کی تعلیم دی جانی چاہئے۔

۳- نکاح کے بارے میں اسلامی تعلیم اور شرعی ہدایت یہ ہے کہ بلوغ کے بعد بچہ اور بچی کی شادی میں زیادہ تاخیر نہ کی جائے، کیونکہ اس سے جسمانی، روحانی اور سماجی نقصانات پیدا ہوتے ہیں، بعض مصالح کی وجہ سے کمسنی میں نکاح کا جواز ہے لیکن بہتر اور پسندیدہ بلوغ کے بعد کا نکاح ہی ہے۔

۴- بچہ مزدوری کے بارے میں اسلام کا موقف ہے کہ بچہ قابل رحم اور لائق شفقت ہے، لہٰذا حسب استطاعت اس کی بہتر تعلیم وتربیت کا انتظام کیا جائے اور ذہنی وجسمانی نشوونما کے لئے بہتر مواقع فراہم کئے جائیں۔

۵- والدین یا اولیاء بچوں سے بقدر استطاعت ایسے گھریلو کام لے سکتے ہیں جن کا تعلق تربیت اور آداب زندگی سکھانے سے ہو، اسی طرح انہیں ایسا پیشہ ورانہ کام بھی سکھا

سکتے ہیں جوان کے حق میں مفید ہو۔

٦- جو والدین معاشی تنگی کا شکار ہوں، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کا تکفل کرے اور ان کے لئے وظائف جاری کرے۔

٧- اگر اسلام کے اصول تعلیم وتربیت کی رعایت رکھی جائے تو بچوں سے جرائم کا صدور نہیں ہوگا۔ جرائم کی شرعی سزا جاری کرنے کے لئے بلوغ شرط ہے، لہٰذا نابالغ چوری، قتل اور زنا جیسے جرائم کا ارتکاب کرے تو اس پر حدود وقصاص کا اجراء نہیں کیا جائے گا، البتہ تادیب کی جائے گی۔

٨- والدین، اولیاء اور اساتذہ کو بچوں کی تادیب کا حق حاصل ہے، لیکن ضروری ہے کہ یہ تکلیف دہ اور مضرت رساں نہ ہو، اور شرعی حدود کے اندر ہو۔

٩- تادیب کے طور پر انہیں بچہ جیل میں رکھا جاسکتا ہے، لیکن ان کو سخت سزائیں دینا ناجائز ہے، سزائیں ان کی قوت برداشت کے مطابق دی جائیں، اور پُر مشقت کام نہ لیا جائے اور ان کی اصلاح کے لئے جیلوں میں تعلیم وتربیت کا نظم کیا جائے۔

١٠- بے سہارا بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری اور خبر گیری اولاً ان کے رشتہ داروں پر، پھر حکومت پر، پھر سماج یا بالفاظ دیگر عامۃ المسلمین پر ہے، اس سلسلہ میں ہر شعبہ کو اپنی ذمہ داری کا احساس رکھنا چاہئے۔

١١- حد درجہ افلاس کی وجہ سے اپنا بچہ دوسرے کے حوالہ کرکے اس سے مکمل طور پر لاتعلق ہوجانا درست نہیں ہے، اس سلسلہ میں حکومت اور سماج کو سامنے آنا اور اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

١٢- والدین اور اولیاء پر ذہنی یا جسمانی طور پر معذور بچوں کی دیکھ ریکھ لازم ہے، خواہ گھر میں رکھ کر ہو یا ناگزیر ضرورت پر ہسپتال میں رکھ کر ہو، اور ایسے بچوں کا علاج حتی

المقدور صبر واستقامت کے ساتھ کیا جائے، اور اللہ سے اس پر اجر کی امید رکھی جائے۔

غذائی مصنوعات میں حلال وحرام:

۱- غذائی اشیاء سے صحت اور زندگی کا تحفظ متعلق ہے اور یہ بات نہایت قابل افسوس ہے کہ بعض اوقات غذائی اشیاء کی تیاری اور فراہمی سے متعلق افراد اور کمپنیاں ان معیارات کو ملحوظ نہیں رکھتی ہیں جو حفظان صحت کے لئے ضروری ہیں، اسی طرح غذائی اشیاء اور دوسری استعمالی چیزوں میں ملاوٹ بھی پیدا کی جاتی ہے جو جھوٹ اور دھوکہ ہے، اس لئے اس طرح کی خدمت فراہم کرنے والے اشخاص وعہدے داروں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ حفظان صحت کے اصولوں کا پورا خیال رکھیں، اس مقصد کے لئے حکومت کی جانب سے مقرر کردہ قوانین کا پورا احترام کریں اور حکومت کو بھی چاہئے کہ وہ عوام کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے مؤثر قانون بنائے اور اس کو نافذ کرے۔

۲- پیداوار میں اضافہ کے لئے تدابیر اختیار کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ پسندیدہ ہے، لیکن افزائش کی لالچ میں ایسی کھاد اور دواؤں کا استعمال جو انسانی صحت کے لئے سخت مضرت رساں ہو، درست نہیں۔

۳- پھلوں کو قبل از وقت پکانے اور خوشنما بنانے، نیز غیر فطری طریقہ پر حجم بڑھانے کے لئے ایسے کیمکل کا استعمال جو انسانی صحت کے لئے حد درجہ نقصان دہ ہو شرعاً درست نہیں۔

۴- جانوروں کے دودھ کی مقدار میں اضافہ کرنے کے لئے کسی مصنوعی تدبیر کا اختیار کرنا فی نفسہ جائز ہے، لیکن اس کے لئے کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے جانور کو سخت تکلیف ہو یا حاصل ہونے والا دودھ انسانی صحت کے لئے مضر ہو درست نہیں۔

۵- بلاضرورت ماکول اللحم جانوروں کو بالقصد ناپاک غذا دینا جائز نہیں ہے، لیکن اگر ایسی

کوئی غذا دی گئی تو ان جانوروں کے گوشت میں کوئی کراہت نہیں ہوگی، بشرطیکہ اس کے بدن سے نجاست کے اثرات ظاہر نہ ہوں۔

۶- اگر غذائی مصنوعات میں صحت کے لئے شدید مضر اشیاء کا استعمال کیا جائے تو یہ عمل ناجائز ہوگا۔

حلال سرٹیفکٹ:

۱- شریعت میں حلال وحرام سے متعلق واضح احکام موجود ہیں، ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اور اس سے تساہل نہ صرف شدید گناہ ہے بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کی دوسری نیکیاں بھی ضائع ہوجاتی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو اس سلسلہ میں پوری احتیاط برتنی چاہئے اور جو مسلمان ادارے حلال سرٹیفکٹ جاری کرتے ہیں وہ پوری تحقیق اور تیقظ کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو انجام دیں۔

۲- لحمی غذائی مصنوعات کا استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ جانور کا حلال ہونا اور شرعی طریقہ پر ذبح کیا جانا متحقق ہوجائے۔

۳- جن مصنوعات میں حرام اجزاء کا استعمال بھی کیا جاتا ہے ان کے لئے حلال سرٹیفکٹ جاری کرنے کا اختیار صرف احکام شریعت کے واقف کار اور فنی مہارت رکھنے والے دیندار، معتبر افراد ہی کو ہوگا، کسی غیر مسلم یا غیر واقف کار کی تصدیق وخبر کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۴- غذائی مصنوعات کے اجزاء کی تحقیق کے لئے مسلمانوں کو خود اپنی لیبارٹری کا انتظام کرنا چاہئے، تاہم اپنی لیبارٹری نہ ہونے کی صورت میں غیر مسلموں کے زیر نگرانی کام کرنے والی معتبر لیبارٹری کی رپورٹ پر بھی اعتبار کرکے سرٹیفکٹ جاری کرنے کی

گنجائش ہے۔ تاہم حتی المقدور اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ تحقیق وتجزیہ کا یہ عمل کسی معتبر مسلمان شخص کی نگرانی میں ہو۔

۵- حلال سرٹیفکٹ جاری کرنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے، یہ کام وہی ادارہ انجام دے سکتا ہے جس میں خدا ترس، احکام شریعت پر گہری نظر رکھنے والے علماء واصحاب افتاء اور معتبر مسلمان ماہرین پر مشتمل ہوں اور اس ادارہ کے نمائندے ذبح وغیرہ کے مراحل میں موجود رہ کر پوری تحقیق کے بعد سرٹیفکٹ جاری کریں اور مسلسل نگرانی رکھیں۔

اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ:

انسانی اعضاء واجزاء کے عطیہ سے متعلق تمام مقالات کے جائزے اور مباحث کے بعد سمینار یہ محسوس کرتا ہے کہ اس موضوع کا تعلق جہاں شرعی احکام سے ہے وہیں طبی جدید سہولیات اور تحقیقات سے بھی ہے، اس سمت میں آئے دن نئی تحقیقات سامنے آرہی ہیں اس لئے بتدریج شرعی احکام بھی آتے رہیں گے۔ اس وقت تک کی جو جدید طبی تحقیقات سامنے آئی ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل تجاویز سمینار نے طے کئے ہیں:

۱- خون انسانی جسم کا ایک اہم اور بنیادی جزء ہے جس سے حیات انسانی کا بقا مربوط ہے، اگر کسی انسان کو خون کی ضرورت پڑ جائے اور ماہر ڈاکٹر کی تجویز ہو کہ اس کے لئے خون ناگزیر ہے تو انسانی جان بچانے کے لئے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان یا غیر مسلم کو عطیہ کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی مسلمان کے لئے اس سے لینا بھی جائز ہے۔

۲- ایسے بلڈ بینک جہاں لوگ رضا کارانہ طور پر خون کا عطیہ دیتے ہیں اور وہ بینک ضرورتمندوں کو مفت خون فراہم کرتے ہیں وہاں مسلمان کے لئے خون کا عطیہ کرنا جائز ہے۔

۳- رضا کارانہ بلڈ کیمپ لگانا اور بلڈ بینک قائم کرنا بھی انسانی ضرورت کے پیش نظر جائز ہے اور یہ انسانی خدمت میں شامل ہے۔

۴- ایسے نازک موقع پر جہاں خون کا عطیہ نہ کرنے کی صورت میں جان کا خطرہ ہے وہاں مطلوبہ گروپ کے حامل موجود شخص کے لئے اپنا خون عطیہ کرنا ایک اہم انسانی فریضہ اور شرعاً پسندیدہ عمل ہے۔

۵- موجودہ طبی تحقیق کے مطابق زندہ شخص کے جگر کے بعض حصہ کو دوسرے ضرورتمند انسان کو منتقل کرنا ممکن ہوگیا ہے اور عطیہ کرنے والے کے جگر کے بقیہ بچے ہوئے حصے کا چند مہینوں میں مکمل ہوجانا تجربہ میں آچکا ہے، اس لئے جگر کی منتقلی اور پیوند کاری اپنے کسی عزیز یا دوست کے لئے رضا کارانہ طور پر جائز ہے، البتہ خرید وفروخت قطعاً جائز نہیں ہے۔

۶- انسانی دودھ کا بینک قائم کرنا جائز نہیں، اگر بینک قائم ہو تو اس میں دودھ جمع کرنا اور اس میں کسی طرح کا تعاون کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۷- مرد یا عورت کے مادہ تولید کا بینک قائم کرنا یا کسی مرد یا خاتون کا کسی بینک کو یا کسی ضرورتمند کو مادۂ تولید فروخت کرنا یا بلا قیمت فراہم کرنا یا لینا حرام ہے۔

۸- زندہ شخص کی آنکھ کا قرنیہ دوسرے ضرورتمندوں کے لئے منتقل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ مردہ کا قرنیہ کسی ضرورتمند کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں فیصلہ کو موخر کیا جاتا ہے۔

اعلامیہ: تعلیم اور تعلیمی اداروں کی فرقہ واریت سے حفاظت:

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے ۲۴ ویں فقہی سمینار دارالعلوم

اسلامیہ، اوچیرہ، کیرالا میں ۹-۱۱/ جمادی الاولی ۱۴۳۶ھ مطابق
۱-۳/ مارچ ۲۰۱۵ء کو منعقد ہوا جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے
علماء، فقہاء اور اہل افتاء نے درج ذیل اعلامیہ جاری کیا:

ہندوستان ایک جمہوری ملک اور مختلف مذاہب اور ثقافتوں کا گلدستہ ہے، یہی رنگا رنگی اس ملک کی اصل خوبصورتی ہے، اور اسی نسبت سے پوری دنیا میں اس کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، ملک کا دستور بنانے والے نے بھی اس حقیقت کو پیش نظر رکھا ہے، مگر افسوس کے فرقہ پرست طاقتیں اس ملک کی شبیہ کو بگاڑ دینا چاہتی ہیں، اور وہ اقلیتوں کے مذہبی حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے کوشاں ہیں، اسی سلسلہ کی ایک سازش تعلیمی اداروں کو زعفرانی رنگ میں رنگ دینے کی نازیبا کوشش ہے، حکومت کی ہدایت پر بعض ریاستوں میں سوریہ نمسکار کو لازم قرار دیا گیا ہے یا اس کی ترغیب دی جارہی ہے، بچوں سے مورتی پوجا کرائی جاتی ہے، نیز گیتا اور اکثریت کے مذہبی تصورات کو نصاب کا جزء بنانے کی کوشش ہو رہی ہے، اس پس منظر میں ملک بھر کے علماء اور فقہاء اور اہل دانش کا یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ایسی نامناسب کوششوں سے باز آجائے، اقلیتوں کی مذہبی آزادی، ملک کے دستور اور اس کی تکثیری روایت کو پیش نظر رکھے، اور تمام مذاہب کے یکساں احترام کو زندگی کے تمام شعبوں اور خاص کر تعلیم میں ملحوظ رکھے، نیز یہ اجتماع علماء اور ملت کے خواص سے اپیل کرتا ہے کہ وہ عصری تعلیم کے ایسے اسکول قائم کریں جو معیاری عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ بنیادی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت سے طلبہ وطالبات کو آراستہ کریں، اور ان کا بنیادی مقصد تجارت نہ ہو بلکہ ملت کے نونہالوں کو بہتر تعلیم وتربیت اور اخلاق سے آراستہ کرنا ہو۔

✧ ✧ ✧

پچیسواں فقہی سمینار

- ☆ اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام
- ☆ اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق
- ☆ وحدت امت-اصول وآداب
- ☆ بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب
- ☆ طلاق غضبان

پچیسواں فقہی سمینار

۲۵ تا ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ، مطابق ۵ تا ۷ فروری ۲۰۱۶ء، بدر پور، آسام

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا پچیسواں فقہی سمینار ہندوستان کی مشرقی ریاست آسام کی قدیم دینی درسگاہ جامعہ عربیہ اسلامیہ بدر پور میں مورخہ ۵-۷ فروری ۲۰۱۶ء کو منعقد ہوا، جس میں پورے ملک سے تقریباً ڈھائی سو علماء وارباب افتاء، اسلامی علوم کے ماہرین ودانشوران نے شرکت فرمائی، اسی طرح سعودی عرب، ایران، جنوبی افریقہ، بنگلہ دیش اور نیپال کے علماء کی بھی اس میں شرکت رہی، اس سمینار میں پانچ اہم موضوعات زیر بحث لائے گئے اور باتفاق رائے درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام:

۱- اہل کتاب قرآن وحدیث کی ایک اصطلاح ہے اور عہد نبوت سے ہی اہل کتاب کا لقب یہود ونصاری دونوں گروہوں کے ساتھ خاص ہے، جمہور فقہاء بشمول متاخرین احناف نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

۲- صابئین کی تحقیق میں آراء انتہائی مختلف رہی ہیں، اس لئے ان کا معاملہ ہنوز مشتبہ ہے، اس لئے کسی ایک رائے کو اختیار کرنا مشکل ہے۔

۳- یہود ونصاری جب تک تورات وانجیل اور اپنے پیغمبر کے ماننے کے مدعی ہیں وہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہل کتاب کہلائیں گے، جو عیسائی یا یہودی منکر خدا اور مذہب بیزار اور وحی وپیغمبر کے سرے سے منکر ہیں وہ اہل کتاب کے ہرگز مصداق

نہیں، نکاح وذبیحہ کے باب میں ان کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا۔

۴،۵- بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی خواہ نسلی ہو یا بذات خود ان مذاہب کو اختیار کیا ہو وہ اہل کتاب میں داخل وشامل نہیں۔

۶:الف،ب- کتابیہ سے نکاح فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود موجودہ دور میں کسی بھی ملک میں کتابیہ سے نکاح عموماً مفاسد ومضرات سے خالی نہیں، لہذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔

۷- کسی کتاب کا آسمانی اور کسی انسان کا نبی ورسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادات سے متعلق ہیں اور اعتقادات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضروری ہے اور دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں اور ان کے مقتداؤں کے نبی ورسول ہونے پر کوئی یقینی دلیل نہیں، لہذا دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں کا قرآن مجید کی بہت سی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں محض موافقت کی وجہ سے ان کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا ،اسی طرح ایسی شخصیتوں کے پیغمبر ہونے کا بھی یقین نہیں کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہیں۔

۸:الف- ہمدردان قوم وملت علماء وعوام پر لازم ہے کہ ایسے عصری معیاری تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دیں جن میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا بھی نظم ہو، جب تک ایسے اداروں کا نظم نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ان اداروں میں جہاں اخلاقی ودینی عقائد کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو احتیاطی تدابیر کے نظم کے ساتھ تعلیم دلانے کی گنجائش ہے۔

ب- نان ونفقہ، حقوق زوجیت اور حسن معاشرت کے تعلق سے جو حقوق مسلمان بیویوں کے ہیں وہی حقوق کتابیہ بیویوں کے بھی ہیں، محض کتابیہ ہونے کی بنا پر ان کے حقوق سے

راہ فرار اختیار کرنا اور چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں، ہاں اگر کتابیہ بیویوں کی رفاقت سے دین متاثر ہو رہا ہو تو پھر اس سے علاحدگی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

ج- اگر زوجہ کتابیہ اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسوم انجام دینا چاہے تو شوہر اس حد تک اس سے چشم پوشی سے کام لے گا کہ جس کا ضرر خود پر یا اپنے بچوں پر نہ پڑے۔

د- غیر مسلم رفاہی اداروں میں خدمت کرنے اور ان سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کو احتیاط برتنا چاہئے، اگر ان اداروں میں کسی ملازم کے ذمہ کوئی ایسا کام سپرد کیا جائے یا قرض وغیرہ سے استفادہ کے نتیجہ میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس میں عیسائیت کے مشن کی اعانت یا ترویج ہو یا باطل عقائد ونظریات سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی خدمت سے انکار واجب ہے اور استفادہ جائز نہیں۔ ملی وسماجی مسلم تنظیموں کی یہ ذمہ داری ہے کہ متبادل نظام پر توجہ دیں۔

اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق:

اسلام ایک دن فطرت ہے جو اخلاق وآداب اور معاملات کی ایسی تعلیم دیتا ہے جو انسان کو انسانیت کی تکمیل تک پہنچا دیتی ہے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی مکارم اخلاق کی تعلیم ہے، اسلام کے عطا کیے ہوئے مکارم اخلاق کا ایک اہم عنصر معذورین اور سن رسیدہ لوگوں کی قدر ومنزلت اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ معذوروں اور عمر رسیدہ لوگوں کی عزت اور ان کی ہر طرح کی ضرورتوں کا مکمل خیال رکھا جائے۔

اس تناظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا یہ تاریخی سمینار اسلامی اور اخلاقی نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے درج ذیل تجاویز منظور کرتا ہے:

۱- اگر انسان کے پاس مال ہو تو اصولی طور پر اس کا نفقہ خود اس کے اپنے مال میں واجب

ہے، البتہ بیوی کا نفقہ ہر حال میں شوہر پر واجب ہے۔

۲- اگر والدین تنگ دست ہوں تو اولاد کے ذمہ ان کا نفقہ واجب ہے، اولاد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے والدین کو کسب معاش پر مجبور کریں، اگر چہ والدین کسب پر قادر ہوں۔

۳- دوسرے قریبی رشتہ داروں کا نفقہ وعلاج اس وقت واجب ہوگا جبکہ تنگ دست ہونے کے ساتھ کسب سے بھی عاجز ہوں۔

۴- والدین اگر خود کفیل ہوں تو اولاد پر ان کا نفقہ واجب نہیں، لیکن اولاد کو چاہئے کہ اخلاقی طور پر والدین کی ہر جائز خواہش کو پورا کریں۔

۵- والدین کی خدمت اولاد کا فریضہ بھی ہے اور ان کے لئے دنیا وآخرت کی سعادت کا باعث بھی، ضرورت سے زائد معاش اور بلند معیار زندگی حاصل کرنے کے لئے خدمت کے محتاج والدین کو چھوڑ کر دوسرے شہر، دوسری ریاست یا دوسرے مما لک میں جانا اس وقت جائز ہوگا جبکہ والدین کے خدمت گار موجود ہوں اور والدین اس پر راضی بھی ہوں۔

۶- ساس اور سسر کی خدمت بہو پر شرعاً واجب نہیں ہے، لیکن شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے خدمت کرنا اس کی اخلاقی ذمہ داری ہے۔

۷- ماں باپ کی خدمت بیٹا اور بیٹی دونوں پر واجب ہے۔

۸- اگر والدین بالکل مجبور ہوں یا ایسی بیماریوں میں مبتلا ہوں کہ بیٹی کی خدمت کے محتاج ہوں اور بیٹی کے علاوہ کوئی خدمت گار نہ ہو تو ایسی صورت میں بیٹی کو والدین کی خدمت کرنی چاہئے، شوہر کو چاہئے کہ اس کی اجازت دے۔

۹- اولاد کا اپنے والد کو نکاح ثانی سے روکنا جائز نہیں ہے اور اگر باپ اپنی اس بیوی کے

اخراجات کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتو اس کی زوجہ ثانیہ (سوتیلی ماں) کا نفقہ بھی اس کی غنی اولاد پر واجب ہے۔

۱۰- والدین کی زندگی میں تقسیم جائیداد کا مطالبہ کرنا اولاد کا حق نہیں، والدین خود اپنی مرضی سے تقسیم کر کے مالکانہ تصرف دیدیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۱:الف- اپنے بزرگ رشتہ داروں کو اپنے ساتھ رکھ کر خدمت کرنا یا بہ وقت ضرورت دوسرے خدمت گار کے ذریعہ ان کی خدمت کرانا شرعی فریضہ ہے،اس لئے اولڈ ایج ہوم اسلام کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں، البتہ بے سہارا لوگوں کے لئے ایسا اولڈ ایج ہوسٹل جن میں شرعی تقاضے پورے ہوتے ہوں بنانے کی اور وہاں رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے۔

ب- جو لوگ خود یا خدمت گار کے ذریعہ اپنے والدین کی خدمت کر سکتے ہیں، ان کے لئے بوڑھے والدین کو ان کی اجازت ومرضی کے بغیر ایسے ہاسٹل میں رکھنا جائز نہیں، البتہ اگر ضرورت کے تحت اور والدین کی اجازت ومرضی سے ان کو ہاسٹل میں رکھا جائے تب بھی اولاد پر واجب ہے کہ وہ مسلسل ان کی خبر گیری کرے، اور ان سے ملاقات کرتا رہے۔

۱۲- حکومت عمر رسیدہ لوگوں کو رعایتیں فراہم کرنے کے لئے جو عمر مقرر کرتی ہے اس عمر کو پہنچنے سے پہلے ان مراعات سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔

وحدت امت-اصول وآداب:

۱- وحدت امت وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور دین حق کا اہم ترین مطلوب ہے اس وحدت کو نقصان پہنچانے والے اختلافات اس وقت کا بڑا مفسدہ ہے جس سے

امت مسلمہ بدحال ہے، اختلاف کی وہ تمام صورتیں جو فطری اور محمود ہیں وہ ہرگز نقصان رساں نہیں، لیکن وہ بھی اگر شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ نہ ہوں تو وہ بھی امت کے لئے زہر ہیں۔

جو اختلافات مذموم ہیں وہ کتنے ہی اچھے جذبہ سے ہوں وہ بہر حال غیر شرعی ہیں۔

فقہی مسائل کے اختلافات میں جہاں اختلاف صرف افضل وغیر افضل اور راجح ومرجوح کا ہے ان میں اپنی رائے کو سراسر حق اور دوسری رائے کو سراسر باطل قرار دینا ہرگز درست نہیں ہے۔

جن مسائل میں اختلافات کی نوعیت حلال وحرام وجائز وناجائز کی ہے وہ بھی چونکہ مجتہد فیہ مسائل ہیں، اس لئے ان میں بھی دوسرے کے مسلک کی تغلیط اور اس کو مکمل باطل قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اس لئے اس طرح کے تمام مسائل کو عوامی نہ بنایا جائے، انفرادی طور پر اپنا مسلک اور اس کے دلائل بیان کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بعض مواقع وضرورت پر بہتر ہیں، لیکن دوسرے مسلک والوں میں ایسے مسائل پر گفتگو ہو تو انصاف ودیانت کے ساتھ ہر موقف کے دلائل بیان کئے جائیں۔ شخصیات کا احترام اور انداز کلام میں شرافت ومتانت ملحوظ رکھی جائے۔

۲- جن مسائل میں اختلاف کی نوعیت عقیدہ کی ہے ان میں اپنے عقیدہ کا اثبات، دلائل کی توضیح درست ہے، لیکن دوسرے کو اشتعال دلانے والی طرز گفتگو سے اجتناب ضروری ہے، تبادلہ خیال میں اپنے مسلک کے متدلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے۔ اور تفصیلاً بیان کیا جائے۔ مگر دوسرے کی توہین تنقیص اور تشنیع سے پرہیز کیا جائے، دوسرے کی طرف سے اگر نامناسب طرز کلام پایا جائے تو بھی اپنی طرف سے سنجیدگی وحدود کی رعایت برقرار رکھی جائے۔

۳- جس فکر یا عقیدہ کو کوئی شخص گمراہی سمجھتا ہو، لیکن ان کی بنیاد پر تکفیر کا قائل نہ ہو، ایسے فکر یا عقیدہ پر تنقید، اور جس فکر یا عقیدہ کو موجب کفر سمجھتا ہو اور اس کی بنیاد پر اس کے حاملین کو کافر قرار دیتا ہو اس پر تنقید، دونوں میں شرعی لحاظ سے فرق ہے۔

ایک موجب کفر ہے اور دوسرا موجب فسق وضلالت، لہذا دونوں پر تنقید کے شرعی آداب وحدود میں بھی فرق ہوگا۔

موجب کفر فکر وعقیدہ پر تنقید کے جو آداب ہیں وہ درج ذیل ہیں:

الف- حتی الامکان ان کو کافر کہنے سے گریز کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے۔

ب- دینی سماجی اور سیاسی مصالح وضروریات کی بنا پر ان کے ساتھ تعاون جائز ہوگا۔

ج- مقصد صرف احقاق حق اور ابطالِ باطل ہو نفسانی اغراض اُس میں شامل نہ ہوں۔

د- فریق مخالف کی حمیت وتعصب کو بھڑ کانے کی کوشش نہ کی جائے۔

غیر موجب کفر فکر وعقیدہ کے حدود وآداب مندرجہ ذیل ہیں:

الف- اعتدال ورواداری کا اظہار ہو۔

ب- لہجہ میں خیر خواہی، نرمی ہو اور انداز ناصحانہ ہو، گفتگو تلخ وترش نہ ہو۔

ج- کسی کی نیت پر حملہ نہ ہو۔

۴- اس وقت شیعہ سنی اختلافات تنازعات بھیانک شکل اختیار کر چکے ہیں اور ان کی بنیاد پر امت مسلمہ بدترین جنگ اور خونریزی میں مبتلا ہے اور دشمنان اسلام نے منصوبہ بندی کر کے ہمارے ان اختلافات کو بھڑکا کر عالم اسلام میں تباہی مچا رکھی ہے۔ ایک فرقہ کے لوگ بے تحاشا دوسرے فرقے کے لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، اور اس کو کارِ ثواب سمجھنے لگے ہیں۔ اسلام اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اور اس کو فساد فی الارض سے تعبیر کرتا ہے۔

اس لئے اس وقت عالم اسلام کے مختلف ملکوں میں شیعہ سنی آویزش جوشکل اختیار کرچکی ہےاس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں اوراس خونریزی کوروکنے کے لئے مصالحتی کوششیں اور مذاکرات ہی واحد حل ہیں۔

۵- دنیا کے جس کسی حصہ میں سنی اور شیعہ مشترک آبادیاں ہیں وہ پُرامن بقائے باہم کے ساتھ مشترکہ اقدار کی بنیاد پر زندگی گذاریں، ایک دوسرے کی مقدس مذہبی شخصیت پر سب وشتم سے گریز کریں۔

باہمی منافرت اور جنگ وجدال کو روکنے کے لئے دونوں فرقوں کے علماء ومذہبی پیشواؤں کا اور اہل صلاح کا کلیدی کردار ہے، ممکنہ اسباب کے ذریعہ مصالحتی کوششیں اور مذاکرات بروئے کار لانے کی ان حضرات کی شرعی واخلاقی ذمہ داری ہے۔

بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب:

آج مورخہ ۷/۲/۲۰۱۶ء کو تجویز کمیٹی کی میٹنگ میں بین مذہبی مذاکرات اصول وآداب کے موضوع پر غور وخوض کے بعد مندرجہ ذیل تجاویز بہ اتفاق مرتب ہوئیں:

۱- مذہبی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر بین مذہبی مذاکرات کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ ان مذاکرات سے مسلمانوں کے مذہبی تصورات وعقائد متاثر نہ ہوں، اوران کو رواداری، پُرامن بقاء باہم، دعوت دین، غلط فہمیوں کے ازالہ اور سماجی وسیاسی مشکلات کے حل کے لئے استعمال کیا جائے۔

۲- مختلف مذاہب کے درمیان بعض قدریں مشترک ہیں، اس لئے مفید مقاصد کے لئے دیگر مذاہب کی کتابوں سے استفادہ اور حوالہ کی گنجائش ہے۔

۳- دیگر اہل مذاہب کے مذہبی رسوم واعمال میں شرکت جائز نہیں ہے۔

۴- ہم آہنگی برقرار رکھنے اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے عام حالات میں ایسے مباح اعمال سے دست بردار ہونا درست نہیں جو مسلمانوں کی متوارث تہذیب کا حصہ ہیں۔

۵- عقیدۂ توحید ورسالت اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا اور جملہ کفر وشرک کے رسوم واعمال سے براءت کا اظہار کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے، البتہ اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ اظہار براءت کے ایسے طریقے اور اسالیب اختیار نہ کیے جائیں جن سے دیگر اہل مذاہب کی دل آزاری ہو۔

۶- صحت مند انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے مشترکہ سماجی مسائل جیسے غربت، کرپشن (بدعنوانی)، بے حیائی، عورتوں، مزدوروں اور سن رسیدہ افراد کے ساتھ زیادتی وغیرہ پر مختلف اہل مذاہب کے ساتھ مذاکرات وقت کی اہم ضرورت ہیں اور مسلمانوں کو اس میں حصہ لینا چاہئے۔

۷- مسلمانوں کے دینی، قومی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لیے مختلف سیاسی جماعتوں، مذہبی تنظیموں اور شخصیات کے ساتھ بہ وقت ضرورت شرعی اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے مذاکرات کرنا نہ صرف جائز، بلکہ مستحسن ہے۔

۸- بین مذہبی مذاکرات کو ثمر آور بنانے کے سلسلہ میں درج ذیل اقدامات مفید ثابت ہوسکتے ہیں:

الف- مذاکرات کی صلاحیت کے حامل مسلم اسکالرس کا ایک وفاق بنایا جائے۔

ب- ہر صوبہ کے ممتاز دینی مدارس اور جامعات میں تقابلی مطالعۂ ادیان ومذاہب پر خصوصی توجہ دی جائے، اور اس کے لیے ایک خاص شعبہ قائم کیا جائے۔

ج- ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں قائم مذاہب وادیان کے شعبوں سے مسلسل رابطہ رکھا جائے اور ان سے استفادہ کی بھرپور کوشش کی جائے۔

د- مختلف ادیان ومذاہب کے رہنماؤں کا ایک متحدہ پلیٹ فارم تشکیل دیا جائے، جس کے اجتماعات وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف اہم علاقوں میں منعقد کیے جائیں۔

ھ- ملک کی مختلف مذہبی تنظیموں اور اداروں سے براہ راست مذاکرات کا سلسلہ شروع کرنے کے عملی اقدامات کیے جائیں۔

و- مسلمانوں میں خدمت خلق کے رجحانات کو فروغ دینے کی کوشش کی جائے، اوراس مقصد کی تکمیل کے لئے رفاہی تنظیمیں (N.G.O) قائم کی جائیں اوراس غرض کے لیے قائم اداروں کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

طلاق غضبان (غصہ کی طلاق):

پچیسواں فقہی سمینار منعقدہ ۵ تا ۷ فروری ۱۶ء بمقام بدر پور آسام کے موضوعات میں ایک اہم موضوع طلاق غضبان کا ہے، یعنی حالت غضب میں دی گئی طلاق کا حکم کیا ہے؟ کافی بحث ومباحثہ اورغور وخوض کے بعد شرکاء سمینار جس نتیجہ پر پہنچے وہ درج ذیل ہے:

۱- نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جس میں شرعاً دوام واستحکام مطلوب ہے، اور جن باتوں کی گنجائش رکھی گئی ہے، ان میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ عمل ہے، جس کا بہ وقت ضرورت ہی استعمال کرنا چاہئے، لہذا شوہر کو چاہئے کہ غصہ کی حالت میں اپنے دل ودماغ پر قابو رکھے اور طلاق کے الفاظ زبان پر لانے سے احتراز کرے۔

۲- غصہ کی حالت میں دی گئی طلاق شرعاً واقع ہوگی، البتہ اگر غصہ جنون کی حد تک پہنچ گیا ہو اور شوہر غصہ کی حالت میں دماغی توازن کھو چکا ہو، اسے یہ معلوم نہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے تو ایسی حالت میں اس کا حکم مجنون کا ہوگا اور اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

چھبیسواں فقہی سمینار

☆ سرکاری اسکیموں سے استفادہ
☆ زمین کی خرید وفروخت سے متعلق مسائل
☆ سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل
☆ فضائی آلودگی
☆ صوتی آلودگی

چھبیسواں فقہی سمینار

۵-۷/رجمادی الثانی ۱۴۳۸ھ، مطابق ۴-۶/مارچ ۲۰۱۷ء، اجین، مدھیہ پردیش

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کا چھبیسواں فقہی سمینار ''مجلس اتحاد امت'' کے تعاون و اشتراک سے مورخہ ۴-۶/ مارچ ۲۰۱۷ء کو تاریخی شہر اجین میں منعقد ہوا، جس میں امریکہ، ایران، ماریشش، ساؤتھ افریقہ اور نیپال کے علاوہ اندرون ملک کے مختلف صوبوں سے تین سو سے زائد اصحاب علم و دانش اور ارباب افتاء و قضا شریک ہوئے، اس سمینار میں چار اہم موضوعات زیر بحث آئے:

۱- سرکاری اسکیموں سے استفادہ کا حکم

۲- زمینوں کی خرید وفروخت سے متعلق مسائل

۳- سونا چاندی کی خرید وفروخت سے متعلق بعض مسائل

۴- فضائی وصوتی آلودگی کا مسئلہ

ان چاروں موضوعات پر بحث ومناقشہ اور غور وخوض کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے کیے گئے:

سرکاری اسکیموں سے استفادہ کا حکم:

۱- وہ سرکاری قرضے جن کا کچھ حصہ معاف کردیا جاتا ہے، اور لی ہوئی رقم سے کم واپس کرنا پڑتا ہے ایسے قرضوں کا لینا جائز ہے۔

۲- وہ قرضے جن میں ایک مقررہ مدت کے اندر واپس کرنے پر معافی ہوتی ہے ورنہ پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، ایسے قرضوں کا لینا بھی درست ہے۔

۳- وہ قرضے جن میں مقررہ مدت کے بعد قرض واپس کرنے پر کل رقم کی واپسی کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرنی پڑے ایسے قرضے بلا ضرورت شدیدہ لینا جائز نہیں ہے۔

۴- وہ قرضے جن کی واپسی پر اصل سے زائد رقم ادا کرنی پڑتی ہو وہ ناجائز ہے البتہ اگر وہ دیندار ماہرین کی رائے کے مطابق اس جیسے عمل کے لئے واقعی سروس چارج کہلانے کے لائق ہو اور کسی طرح بھی سود لینے کا حیلہ نہ ہو تو لینے کی گنجائش ہے۔

نوٹ: قرض پر زائد رقم کا حصول اگرچہ قلیل ومعمولی ہو درست نہیں، سروس چارج کا معاملہ الگ ہونا چاہئے: خورشید احمد اعظمی۔

۵- قرض پر لی جانے والی زائد رقم کا اوسط معمولی نہ ہو کہ جس کو انتظامی خرچ پر محمول کیا جاسکے وہ رقم سود ہے اور عام حالات میں ایسا قرض لینا جائز نہیں ہے۔

۶- مکان یا بیت الخلاء کی تعمیر یا تعلیمی ضروریات وغیرہ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے امداد کے طور پر جو رقم ملتی ہے اس کو حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔

۷- گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والی رقوم حاصل کرنے میں اگر کسی کو واسطہ بنایا جائے جو ان کے حصول کے لئے تگ و دو اور جدوجہد کرتا ہے تو اس کو بہ طور محنتانہ مقررہ اجرت کا لین دین درست ہے۔

۸- امدادی رقوم یا قرض حاصل کرنے کے لئے جو شرائط ومعیارات حکومت کی طرف سے متعین ہوں اس سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لینا اور غلط طریقہ پر امداد یا قرض حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

۹- تعلیم یا کسی اور مقصد کے لئے حکومت عوام کو بینک سے قرض دلائے اور اس پر عائد

ہونے والی زائد رقم خود مقروض کو ادا نہ کرنا پڑے بلکہ خود حکومت ادا کرے تو اس طرح کا قرض لینا درست ہے۔

۱۰- جن اسکیموں میں حکومت نے محفوظ فنڈ قائم کر کے اس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا اور اس کے انٹرسٹ سے حاصل شدہ رقم کا مالک ہوکر تعلیمی و رفاہی اداروں اور افراد و اشخاص کا تعاون کرتی ہے، ایسی اسکیموں سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے۔

۱۱- دوسری قومی اکائیوں کی طرح مسلمانوں کا بھی سرکاری خزانہ میں حق ہے، اس لئے سرکاری اسکیموں سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہئے، بہ شرطیکہ کوئی شرعاً محظور نہ ہو۔

۱۲- شرکاء سمینار مسلم دانش وروں، تنظیموں اور اداروں کے نمائندوں اور ذمہ داروں کو توجہ دلاتے ہیں کہ سرکاری جائز اسکیموں کا لوگوں میں زیادہ سے زیادہ تعارف کرائیں اور بلا معاوضہ ممکنہ تعاون کی صورت پیدا کریں۔

زمین کی خرید وفروخت سے متعلق مسائل:

۱- شہر کی ضرورتوں سے وابستہ اراضی یا وہ اراضی جن کو حکومت نے کسی ضرورت کے لیے متعین کر رکھا ہے ایسی اراضی پر قبضہ غصب ہے اور غاصبین سے ایسی اراضی کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے، لیکن وہ اراضی جو شہروں کی ضرورتوں سے فاضل ہیں یا حکومت نے اس کو کسی ضرورت کے لیے خاص نہیں کیا ہے ایسی اراضی کی خرید و فروخت کے لیے بھی قانونی تقاضوں کی تکمیل ضروری ہے۔

۲- غیر مجاز طور پر اوقاف کی زمین کو فروخت کرنا ناجائز اور سخت گناہ ہے اور ایسے غاصبین سے اس کا خرید کرنا بھی درست نہیں ہے۔

۳- مورث کے انتقال کے بعد ورثہ کے مابین ترکہ کی تقسیم فوراً ہونی چاہئے۔ لیکن اگر ترکہ

کی تقسیم نہیں ہوسکی اور کسی وارث نے مشترک اراضی کو فروخت کر دیا تو یہ فروختگی صرف اس فروخت شدہ جائیداد میں اس کے حصہ کے بقدر محدود رہے گی اور اس کے حصہ سے زائد میں ورثہ کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہوگی۔

۴- حرام مال سے جو زمین و جائیداد خریدی گئی ہے (حقیقت حال سے واقف حضرات کے لئے) اس کا خریدنا جائز نہیں، ہاں! لاعلمی کی صورت میں خریدنے سے خریدار کی ملکیت ثابت ہوجائے گی۔

۵- کالونی بسانے کے خاطر جو لے آوٹ منظور کرایا جاتا ہے اس کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے وہ زمین کالونی بسانے والے کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتی ہے اس لئے منظور شدہ نقشہ کے برخلاف اپنے نقشہ کے مطابق بیچنے کی گنجائش ہے۔

ب: نقشہ کے مطابق قطعات کی فروخت ہوجانے کے بعد مفاد عامہ کے لئے متعین قطعات کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

۶- مسجد مسلمانوں کی اہم ترین دینی ضرورت ہے اس لئے کالونی بننے سے پہلے اگر کالونی بنانے والا پلے گراؤنڈ وغیرہ جیسے مفاد عامہ کو برائے مسجد تبدیل کر دیتا ہے نیز مسجد کے لئے مطلوبہ شرائط بھی پائی جاتی ہیں تو اس پر مسجد بنانا درست ہوگا اور وہ مسجد شرعی تصور کی جائے گی۔

کالونی بن جانے کے بعد مفاد عامہ کے قطعات سے تمام باشندگان کا حق متعلق ہوتا ہے اس لئے باہمی رضامندی سے ہی مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

۷- کالونی بسانے میں مسلمانوں کو چاہئے کہ قانونی طریقہ اختیار کریں لیکن دشواریوں کے پیش نظر کالونیاں بسالی جائیں تو اس کی گنجائش ہے، البتہ قانونی منظوری حاصل

کرنے کی کوشش جاری رکھیں۔

۸- حتی الامکان سودی قرض سے بچنا لازم ہے البتہ ضرورت کے وقت بینک سے قرض لیکر مکان خریدنے اور زمین خرید کر کالونیاں بسانے کی گنجائش ہے۔

۹- کالونی بسانے کے لئے نقشہ میں دکھائے گئے پلاٹ نمبر کی تعیین سے مبیع متعین ہوجاتی ہے اور خرید وفروخت کا یہ عمل درست ہے اور کالونی بسانے والے کیلئے اس میں کسی طرح کا تغیر وتبدل جائز نہیں ہے۔اور اگر زمین کے بیچے گئے حصہ پر بیچنے والا خریدار و مالک کی اجازت سے کاشت بھی کرتا رہتا ہے تب بھی خریدار اس کا مالک رہے گا۔

۱۰- زمین وجائیداد کی بیع میں قبضہ ضروری نہیں ہے صرف ملکیت میں آجانا کافی ہے اس لئے زمین اگر کالونی بنانے والے کی ملکیت میں آگئی ہو تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اور خریدنے والا اس کو خرید سکتا ہے۔

ب: اگر وہ ملکیت میں نہیں آئی بایں طور کہ ابھی وعدۂ بیع ہوا ہے، بیعانہ کی رقم بھی اسی وعدہ کو مستحکم کرنے کے لیے دی گئی ہے تو آگے فروخت نہیں کرسکتا۔

ج: کالونی بسانے والا مالک زمین سے اپنی مرضی کے مطابق زمین کو فروخت کرنے اور مدت متعینہ میں قیمت ادا کرنے کا معاملہ کرلیتا ہے اور اس کے لیے بیعانہ کے نام پر کچھ رقم بھی ادا کردیتا ہے تو یہ معاملہ کرنا اور اس کی خرید وفروخت کرنا شرعاً جائز ہے۔ اگر فروخت کرنے کے بعد آئندہ قبضہ دلانے میں کوئی قانونی رکاوٹ پیش آتی ہے تو اس کی پوری قیمت واپس کرنا لازم ہوگی۔

۱۱- دلال کے ذریعہ خرید وفروخت کا یہ طریقہ جس میں زمین اور مالک زمین کا کچھ پتہ نہ ہو تو شرعاً یہ ناجائز ہے۔

۱۲- پلاٹس کے مالک کا معاملے کو اس طرح مشروط کرنا کہ جب خریدار بیچنا چاہے تو بیچنے

والے سے ہی فروخت کرسکتا ہے یہ جائز نہیں البتہ بغیر کسی پیشگی شرط کے معاملہ کیا جائے پھر معاملہ کے دونوں فریق اپنی رضا ورغبت سے اپنی سہولت کے لیے اس طرح کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۱۳- قسطوں پر زمین کی خریداری کی یہ شکل کہ اگر متعینہ مدت تک قیمت ادا نہیں کی گئی تو معاملہ کینسل ہوجائے گا اگر اس کی وضاحت معاملہ کے وقت ہی کردی جائے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے اور تمام قسطیں وقت مقررہ پر ادا نہ کرنے کی صورت میں صرف اپنی جمع کردہ قسطوں کی واپسی کا حق ہوگا۔

۱۴- دلال کی اجرت جائز ہے، مگر اجرت کا معلوم ہونا اور معاملہ کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے، لہٰذا زمین کی خرید وفروخت کے دلال کا ایک فریق سے قیمت کو چھپا کر زیادہ لینا یا جھوٹ بول کر زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

۱۵- دلال کا قبضہ نہ دلانا بیع کے مقتضاء کے خلاف اور ظلم ہے نیز شرط لگانا کہ جب بھی بیچنا ہو ہم سے بیچ دینا شرط فاسد ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

سونے چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل:

آج مورخہ ۶/مارچ ۲۰۱۷ء کو سونا چاندی کی تجارت سے متعلق چند مسائل کے سلسلہ میں تجویز ساز کمیٹی نے درج ذیل تجاویز پر اتفاق کیا:

۱- کرنسی سے سونا چاندی خریدا جائے تو یہ بیع صرف نہیں ہے، اس لئے بدلین میں سے کسی ایک کا ادھار ہونا درست ہے۔

۲- سونے چاندی کی مقررہ نرخ سے زیادہ یا کم قیمت پر خرید وفروخت درست ہے۔

۳- سونے چاندی کی زیور سازی میں نکلنے والے ذرات کو اجرت بنانا درست ہے، جب

کہ مقدار میں ایسی جہالت نہ ہو جو نزاع کا سبب بنے، البتہ بہتر یہ ہے کہ الگ سے اجرت متعین کی جائے۔

۴- سونے چاندی کے پرانے زیورات کا نئے زیورات سے کمی بیشی کے ساتھ تبادلہ جائز نہیں ہے، اگر تبادلہ کرنا ہی ہے تو پرانے کو قیمتاً بیچ دے اور پھر اس قیمت سے نیا زیور خرید لے۔

۵- کمیوڈٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت درست نہیں کہ خریدار کا قبضہ ہی متحقق نہ ہو۔

۶- کمیوڈٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت کہ صرف کمپیوٹر یا ریکارڈ رجسٹر میں اندراج ہو درست نہیں ہے، البتہ اگر خریدار کے لئے اس کی خرید کردہ مقدار الگ کردی جائے اور اس پر عملی قبضہ ہو جائے تو درست ہے۔

۷- کمیوڈٹیز ایکسچینج میں سونے چاندی کی اس طرح خرید وفروخت درست نہیں ہے کہ مبیع اور ثمن پر قبضہ ہی نہ ہو اور صرف خریداری اور ادائیگی کے وقت نرخ میں جو کمی بیشی آتی ہے اس کا لین دین کرلیا جائے۔

۸- گراں فروشی کی نیت سے سونے کی ذخیرہ اندوزی احتکار کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، البتہ اس کو روک کر رکھنے کی صورت میں دوسری ضروری اشیاء کی قیمتیں متاثر ہوتی ہوں تو اس سے بچنا چاہئے۔

۹- اسمگلنگ غیر قانونی عمل ہے، لہٰذا اس راستہ سے سونے کی خرید وفروخت سے بچنا چاہئے، لیکن اس راہ سے کسی نے سونا خرید لیا ہے تو وہ اس کا مالک ہے۔

۱۰- پلاٹینیم سونا نہیں ہے، لہٰذا عقود نیز زکاۃ وغیرہ میں اس پر سونے کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

فضائی آلودگی:

صحت مند زندگی کے لئے ایک پاکیزہ ماحول کی ضرورت ہے لیکن جدید ٹکنالوجی کی وجہ سے جہاں بہت سے فوائد حاصل ہوئے وہیں بہت سی ایسی چیزیں وجود میں آرہی ہیں جن سے زندگی کو خطرات لاحق ہیں، اس لئے قدرتی اور فطری ماحول کی حفاظت کے لئے درج ذیل تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

۱- تمام ضرورتوں میں حتی الامکان کم آلودگی پھیلانے والے ایندھن کا استعمال کیا جائے اور قدرت واستطاعت کے باوجود زیادہ آلودگی پھیلانے والے ایندھن کے استعمال سے گریز کیا جائے۔

۲- گاڑیوں میں ایسے ایندھن کے استعمال کو ترجیح دی جائے جس سے کم سے کم آلودگی پیدا ہوتی ہو اور اگر اس سلسلہ میں حکومت کی جانب سے ہدایات موجود ہوں تو ان کی پابندی کی جائے۔

۳- روشنی اور دیگر مقاصد کے لئے جن ذرائع کا استعمال کیا جاتا ہے (مثلاً جنریٹر وغیرہ) ان میں بھی کم سے کم آلودگی پیدا کرنے والے ایندھن کا استعمال کیا جائے اور اگر حکومتی ہدایات اس سلسلہ میں موجود ہوں تو ان کو ملحوظ رکھا جائے۔

۴- جن علاقوں میں شمسی توانائی کا حصول آسان اور مفید ہو وہاں اس کا استعمال مستحسن ہوگا۔

۵- کارخانوں اور فیکٹریوں کی آلودگی پر قابو پانے کے لئے حکومت نے جو قوانین بنائے ہیں ان کی پابندی ضروری ہے البتہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لئے مناسب سہولیات فراہم کرے۔

۶- جانور کے ناقابل استعمال اجزاء کے سلسلہ میں ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن سے

تعفن اور ماحول میں آلودگی پیدا نہ ہو۔

۷- بلاضرورت پلاسٹک کی تھیلیوں کے استعمال سے احتراز کیا جائے اور اس کے متبادل وسائل کے استعمال کو ترجیح دی جائے۔

۸- تمباکو اور اس سے بنی اشیاء کے استعمال سے احتراز کیا جائے خاص طور پر عوامی مقامات پر اس کا استعمال نہ کیا جائے۔

۹- عوامی جگہوں پر قضائے حاجت جائز نہیں ہے۔اسی طرح حتی الامکان کھلی نالیوں میں فضلات کے بہانے سے احتراز کیا جائے۔

۱۰- عوامی مقامات پر تھوکنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور اگر حکومت کی جانب سے اس سلسلہ میں ہدایات ہوں تو ان پر عمل کرنا چاہیے۔

۱۱- شعاع خارج کرنے والے الکٹرانک آلات (فریج، واشنگ مشین، موبائل، اے سی وغیرہ) کے ضرورت سے زیادہ استعمال سے اجتناب کیا جائے۔

۱۲- اسلام میں شجرکاری کی بڑی اہمیت ہے اس لئے بلا ضرورت جنگلات اور ہرے درختوں کو کاٹنے سے احتراز کیا جائے۔

صوتی آلودگی:

صوتی آلودگی اس دور کا انتہائی اہم مسئلہ ہے اور اس سلسلہ میں ہونے والی بے اعتدالیاں اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں اس لئے:

۱- پُرشور مشینوں کے سلسلہ میں جو سرکاری ہدایات جاری کی جاتی ہیں ان کی پابندی کی جائے۔

۲- غیرضروری ہارن بجانا یا بہت تیز آواز کا ہارن لگانا درست نہیں اور اس سلسلہ میں حکومتی

ہدایات کی پاسداری لازم ہے۔

۳- DJ وغیرہ پر گانا بجانا شرعاً ناجائز ہے اس کے علاوہ اس کی آواز انسانی صحت اور ماحول کے لئے بھی سخت نقصاندہ ہے، لہٰذا اس پہلو سے بھی اس کا استعمال درست نہیں۔

۴- جلسوں اور مشاعروں میں ضرورت سے زیادہ لاوڈ اسپیکر کا استعمال درست نہیں ہے اور اس سلسلہ کے قوانین کی پابندی کرنی چاہیے۔

✧ ✧ ✧

ستائیسواں فقہی سمینار

☆ طلاق اوراس سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل

☆ عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل

☆ مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل

☆ حیوانات کے حقوق اوران کے احکام

ستائیسواں فقہی سمینار

۶ تا ۸ ربیع الاول ۱۴۳۹ھ، مطابق ۲۵ تا ۲۷ نومبر ۲۰۱۷ء، حج ہاؤس ممبئی

طلاق اور اس سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل:

۱- عاقل، بالغ لڑکے اور لڑکیاں اپنے رشتۂ نکاح کے سلسلہ میں شرعی اعتبار سے خود مختار ہوتے ہیں اور ان کی رضامندی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے۔ اگر وہ والدین کی رائے کے برخلاف اپنے لئے رشتہ منتخب کرتے ہیں اور نکاح کر لیتے ہیں تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔ البتہ پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ شریعت کی ہدایت کے مطابق رشتۂ نکاح بالغ اولاد اور ان کے والدین دونوں کی مرضی اور پسند کی رعایت کے ساتھ انجام پائے۔ نہ تو اولاد اپنے والدین کے تجربہ اور مشورہ کو نظر انداز کریں اور نہ والدین اولاد کی پسند کو سرے سے ٹھکرائیں، البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک بالغ لڑکی کا نکاح بھی ولی کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے۔

۲- طلاق کو شریعت نے ابغض المباحات قرار دیا ہے لہذا حتی الامکان اس سے گریز کرنا چاہئے اور صرف اسی وقت طلاق کا راستہ اختیار کرنا چاہئے جب زوجین کے درمیان باہم نباہ کی کوئی صورت باقی نہ رہ جائے، لہذا یہ درست نہیں ہے کہ والدین اپنی ذاتی ناپسندیدگی کی وجہ سے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور بیٹے پر والدین کی ایسی بات ماننا ضروری نہیں ہے۔

۳- عدت کے بعد مطلقہ کا نفقہ چونکہ سابق شوہر پر شرعاً لازم نہیں ہوتا ہے اس لئے اس

مقصد کے لئے عدالت سے رجوع کرنا جائز نہیں اور عدالت سے دلوائی جانے والی ایسی رقم کا استعمال اس کے لئے حلال نہیں۔

۴- اسلام نے مطلقہ کے نکاح کی ترغیب دی ہے، اس لئے مطلقہ خاتون اگر خود کفیل ہے تو اس کے نکاح کے اخراجات خود اس کے ذمہ ہوں گے، ورنہ اس کے نکاح کے اخراجات کی ذمہ داری اس کے اولیاء پر ہوگی، اور اولیاء کو اس کے نکاح کی فکر کرنی چاہئے۔

۵- مطلقہ اگر خود کفیل ہے تو اس کا نفقہ عدت گزرنے کے بعد خود اس کے ذمہ ہے، اگر وہ خود کفیل نہیں ہے تو اس کا نفقہ اس کے اولیاء پر لازم ہے۔ اگر اولیاء استطاعت کے باوجود ادا نہیں کرتے ہیں تو وہ گنہگار ہوں گے اور اگر اولیاء استطاعت نہ رکھتے ہوں تو مطلقہ کے نفقہ کی ذمہ داری خاندان کے لوگوں پر اور سماج پر ہوگی اور جب ایسا کوئی نظم نہ ہو تو علاقائی وقف بورڈ پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی۔

۶- جب باہم نباہ کی صورت باقی نہ رہے اور طلاق کی ضرورت پیش آجائے تو اس وقت صرف ایک طلاق دے کر رشتہ ختم کرنا چاہئے، البتہ اگر کسی شخص نے لفظ طلاق یا جملہ طلاق کو تین بار دہراتے ہوئے طلاق دی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میرا مقصد ایک طلاق دینا ہے دوسری اور تیسری بار میں نے تاکیداً کہا ہے تو ایسی صورت میں مفتی اس سے حلفیہ بیان لے کر ایک طلاق رجعی کا فتوی دے گا؛ البتہ مفتی محمد عثمان بستوی صاحب کی رائے میں یہ بھی شرط ہے کہ بیوی کو شوہر کے حلف پر اطمینان ہو۔

نوٹ: مفتی نعمت اللہ قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی عبد الرزاق قاسمی (امروہہ)، مفتی یوسف علی صاحب (آسام) مفتی جنید فلاحی (اندور)، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، اور چند دیگر حضرات کے نزدیک اس صورت میں تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی؛ جبکہ مفتی جنید بن محمد پالنپوری کی رائے ہے کہ دیانۃً ایک طلاق واقع ہوگی؛ البتہ عورت کو اپنے آپ پر قابو دینا جائز نہیں ہوگا، اس کو حتی المقدور خلع کی کوشش کرکے علاحدہ

ہونا ضروری ہے۔

عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل:

۱- اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام مسلمانوں کی ناگزیر ضرورت ہے جن پر ایک بہت بڑے طبقہ کے ایمان واسلام کا بقا بھی موقوف ہے، اس لئے جن علاقوں میں ایسے ادارے موجود نہ ہوں اُن علاقوں میں بقدر ضرورت اسلامی ماحول کے عصری تعلیمی اداروں کا قیام مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہے۔

۲- (الف): عصری ادارے جو مسلمانوں کے زیر انتظام ہوں اُن کا نصابِ تعلیم علوم عصریہ کی ایسی مفید کتابوں پر مشتمل ہو جن سے مطلوبہ مقاصد بحسن وخوبی حاصل ہوں اور وہ دین واخلاق کے فساد کا سبب بھی نہ بنیں، نیز ہر درجہ میں طلباء کے معیار کے مطابق دینی علوم پر مشتمل ایسی کتابوں کو شاملِ نصاب کرنا لازم ہے، جس سے دین وایمان کے بنیادی تقاضے مثلاً: توحید ورسالت وآخرت، شرک وکفر، حلال وحرام، طہارت ونجاست، عبادت ومعاشرت کے ضروری احکام ومسائل سے، نیز سیرت نبویہ سے بھی واقفیت ہو سکے۔

ب: مخرب اخلاق جنسی تعلیم، دیومالائی کہانیاں، میوزک، ڈانس وغیرہ پر مشتمل مضامین کو اپنے اختیار سے تعلیمی اداروں میں داخل کرنے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں۔

ج: اگر کسی قانونی مجبوری کی بنا پر خلاف شرع مضامین پر مشتمل نصاب کو داخل کرنا پڑ جائے تو حتی الامکان تربیت یافتہ اساتذہ ومعلمین اور دینی واخلاقی مضامین کے ذریعہ اُن کے نقصانات کے ازالہ کی کوشش بھی لازم ہوگی۔

۳- مالی وسائل کی کمی یا مسلم انتظامیہ کے تحت چلنے والے اسکول وکالجز کی عدم موجودگی یا کسی اور مجبوری کی بنا پر اگر بچوں کو ایسے اسکولوں میں داخل کرنا پڑے جن کا نصابِ

تعلیم غیر شرعی اور غیر اخلاقی مضامین پر مشتمل ہوتو بدرجہ مجبوری بچوں کو تعلیم کے لئے بھیجنے کی گنجائش تو ہوگی، لیکن اُن کے دین وایمان کے تحفظ کے لئے درج ذیل امور کا اہتمام کرنا بھی لازم اور ضروری ہے:

الف: توحید ورسالت کی اہمیت، (ب) کفر وشرک اور بت پرستی کی قباحت ذہن نشیں کرنے کا مسلسل نظام بنایا جائے، (ج) بچوں کو خالی اوقات میں دینی مراکز ومکاتب سے بھی مربوط کیا جائے، (د) خود والدین، اقرباء اور پورے گھر کا ماحول اسلامی بنانے کی فکر وسعی کی جائے، (ہ) ساتھ ہی اسلامی ماحول کے عصری اداروں، نیز بچوں کے ذہن وسمجھ کے مطابق دین اسلام سے متعلق مفید وموثر رسائل ومیگزین پڑھنے کے لئے فراہم کی جائیں۔

۴- (الف): اسلام بے حیائی وفحاشی کے تمام دروازوں کو بند کرنا چاہتا ہے، اس لئے اجنبی مرد وعورت کے درمیان آزادانہ میل جول کو ناجائز قرار دیتا ہے، خواہ یہ عبادت گاہوں میں ہو یا تعلیم گاہوں میں، یا کھیل کود اور تفریح کے میدانوں میں، اس لئے قریب البلوغ بچے اور بچیوں کے لئے علاحدہ تعلیمی نظام قائم کرنا لازم ہے، کسی مسلم انتظام کار کے لئے ازخود اپنے کالج اور اداروں میں مخلوط تعلیمی نظام کو فروغ دینا شرعاً جائز نہیں۔

ب: علاحدہ نظام تعلیم کی سب سے محفوظ اور بہتر شکل یہ ہے کہ دونوں کی بلڈنگیں دونوں کے کلاس روم میں داخل ہونے اور نکلنے کے راستے اور قضائے حاجت کے مقامات بھی بالکل علاحدہ علاحدہ ہوں، اور اگر اس میں مشکلات ودشواریاں ہوں تو ایک ہی بلڈنگ اور کلاس روم میں طلبہ وطالبات کی نشست گاہوں کے درمیان مستقل آڑ قائم کرکے تعلیمی نظام کی گنجائش ہے۔

ج: مالی وسائل کی قلت یا قانونی مجبوری کی صورت میں اگر مذکورہ بالا صورتوں اور شکلوں کو اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو طلبہ وطالبات کی نشست گاہوں کو الگ الگ قائم کرنے کی

بدرجہ مجبوری گنجائش ہے۔ بشرطیکہ درج ذیل امور کا اہتمام کیا جائے:

۱- اُن کی نشست گاہوں کے درمیان دوری اس قدر ہو کہ بآسانی اختلاط نہ ہو سکے۔

۲- لڑکیاں پورے ساتر لباس کے ساتھ ہوں اور حجاب میں ہوں۔

۵- شریعت اسلامیہ نے دروغ گوئی اور کذب بیانی کو حرام قرار دیا ہے، خواہ یہ دروغ گوئی خلاف حقیقت حلف نامہ یا جعلی سرٹیفکٹ کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں ہو، اس کی تمام صورتیں شرعاً منع ہیں، اس لئے عمر سے متعلق جھوٹا حلف نامہ تیار کرنا درست نہیں ہے۔

۶-(الف): اسکول کی ڈریس (یونیفارم) میں درج ذیل باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

۱- ستر پوش ہو، (۲) باریک وچست نہ ہو، (۳) طلبہ وطالبات کا لباس ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہو، (۴) دوسری قوموں کا مذہبی شعار نہ ہو۔

ب: اگر اسکول کی انتظامیہ نے غیر شرعی یونیفارم کو لازم قرار دے رکھا ہو اور اس کے بغیر کالجوں واسکولوں میں داخلہ ممکن نہ ہو اور اس نظام کو بدلنے کی بھی کوئی صورت نہ ہو نیز کوئی متبادل اسکول بھی موجود نہ ہو تو بدرجہ مجبوری ایسے اسکولوں میں داخلہ لینے کی گنجائش ہے؛ البتہ غیر ساتر یونیفارم اور مخلوط نظام تعلیم کی صورت میں لڑکیوں کو ایسی تعلیم گاہوں میں داخل کرنا جائز نہ ہوگا۔

۷- تعلیم ایک اہم ترین خدمت ہے، لہذا اس کی فیس بقدر ضرورت ہی ہونی چاہئے، اس کو تجارت اور نفع خوری کا ذریعہ بنانا انتہائی قبیح وناپسندیدہ عمل ہے۔

۸- تعلیمی اداروں میں جب تک داخلہ باقی ہے اُس وقت تک اسکول انتظامیہ کا غیر حاضری کے ایام کی فیس وصول کرنا جائز ہے۔

۹- عصری اداروں میں تعلیم پانے والے بچے اگر شرعی اعتبار سے مستحقِ زکوۃ ہوں تو ان کو شرعی اصولوں کے مطابق اس حد تک زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے جس سے دوسرے مستحقین

محروم نہ رہ جائیں۔

۱۰- اسلام توحید ورسالت کے باب میں انتہائی حساس ہے، کفر وشرک کے ادنی شائبہ والے کسی قول وعمل کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے مشرکانہ ترانے (وندے ماترم، گیتا کے اشلوک وغیرہ) کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں، نہ کسی مشرکانہ فعل کی کوئی اجازت ہے۔ اگر قانونی مجبوری ہوتو جلد از جلد اُس کا متبادل قائم کرنا اور قانونی چارہ جوئی کرنا بھی لازم ہے۔ انتظامیہ کی طرف سے مشرکانہ قول وفعل پر جبر کی صورت میں مسلمانوں کا ایسے اسکولوں میں اپنے بچوں کو داخل کرانا جائز نہیں۔

۱۱- جنسیات کی مروجہ تعلیم فحاشی اور اخلاقی بگاڑ کا سبب ہونے کی بناپر شرعاً جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر حکومت کی طرف سے اس کی تعلیم کو لازم قرار دیا جائے تو بچوں کے معیار کے مطابق اسلامی احکام واقدار پر مشتمل کتابوں کو ترتیب دے کر اپنے نصاب کا حصہ بنانا چاہئے۔

۱۲- تفریحی وطبی سرگرمیوں کے نام پر طلبہ وطالبات کے درمیان اختلاط بھی شرعاً ناجائز ہے خواہ اختلاط کی جو بھی شکلیں ہوں؛ البتہ اختلاط کے بغیر ہر صنف کے مناسب طبی وتفریحی سرگرمیوں کا علاحدہ علاحدہ نظام کیا جائے تو یہ جائز ہوگا، اسی طرح سے سنجیدہ مفید مکالمہ کا ہر صنف کے لئے الگ الگ پروگرام کرانا جائز ہوگا۔

۱۳- مجسمے اور تصاویر سے حتی الامکان پرہیز کرنا چاہئے، اگر کسی مفید تعلیمی مقصد سے ان کے استعمال کی ضرورت محسوس ہوتو اس کی گنجائش ہے۔

۱۴- اسکول کے نصاب میں لڑکے لڑکیوں میں سے ہر صنف کے لئے مستقبل میں پیش آنے والی ضروریات کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔

۱۵- جنسی شعور بیدار ہونے کے بعد جہاں تک ہو سکے ہر صنف کے لئے اُسی جنس کا معلم وٹیچر مقرر کرنا ضروری ہے۔ اگر ضرورت ومجبوری ہوتو شرعی حدود کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے جنس مخالف کا معلم واستاذ مقرر کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۶- رشوت دینا شرعاً واخلاقاً بہت بڑا جرم ہے، نیز معاشرے کی بہت سی خرابیوں کا یقینی سبب ہے، اس لئے عام حالات میں شرعاً اس کی اجازت نہیں۔ اگر کسی خاص حالت میں اس کی مجبوری پیش آئے تو کسی قریبی مستند ماہر عالم سے شرعی حکم معلوم کر کے عمل کیا جائے۔

مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل:

آج مورخہ ۲۷/۱۱/۲۰۱۷ء کو تجویز ساز کمیٹی کی نشست میں شرکاء نے درج ذیل تجاویز پر اتفاق کیا:

۱- جھونپڑی مکین کا بلڈر یا دوسرے سے مکان کی فائل کا عوض لینا جائز ہے، بشرطیکہ قانون کے خلاف نہ ہو۔

۲- جھونپڑی مکین کیلئے مکان بننے کے بعد مکان نمبر کی تعیین ہونے سے پہلے اس کو فروخت کرنا درست ہے، جبکہ باعث نزاع نہ ہو۔

۳- مکان مکمل تیار ہوجائے اور مستحق کے قبضہ میں آجائے تو اس کے بعد بھی سرکاری قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس کی خرید وفروخت درست نہیں ہے؛ البتہ خرید وفروخت کا معاملہ کرلیا گیا تو بیع نافذ رہے گی۔

۴- بلڈر کے لئے فرضی جھونپڑیوں کی فائل فروخت کرنا، ناجائز ہے، اور جانتے بوجھتے ان سے خریدنا بھی ناجائز ہے۔

۵- حکومت کی طرف سے بطور تعاون کم قیمت میں فروخت کئے ہوئے مکان کے مالک کو حکومت کے قانون کی پاسداری کرنی چاہئے، لیکن اگر بیچ ہی دے تو بیع نافذ رہے گی۔

۶- شرائط پر پورے نہ اترنے کی صورت میں فرضی کاغذات اور سرکاری افسران کو رشوت دے کر مکان خریدنے کا عمل درست نہیں ہے۔

۷- غیر معذور کا معذورین کے کاغذات کی بنیاد پر مکان خریدنا جائز نہیں ہے، اور نہ ہی

معذور کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہوکر کوئی عوض لینا درست ہے۔

۸- شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ کاغذی کارروائی وغیرہ کرانے والے دلال کی طے شدہ اجرت جائز ہے۔

۹- بلڈنگ میں بھی استصناع درست ہے؛ لہذا بلڈر کا کاغذی نقشہ کی بنیاد پر فلیٹ فروخت کرنا اور لوگوں کے لئے خریدنا جائز ہے۔

۱۰- مکان کے خریدار کے لئے مکان پر قبضہ حاصل ہونے سے پہلے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۱- یہ بات درست ہے کہ عقد کے وقت ہی شرط لگادی جائے کہ اگر بلڈر مقررہ وقت میں مکان تیار نہیں کرے گا، تو خریدار کو خسارہ سے بچانے کیلئے حقیقی نقصان کے بقدر قیمت میں کمی کردے گا۔

۱۲- کسی معقول عذر کے بغیر بلڈر کی تاخیر سے ہونے والے نقصان سے سرمایہ کاروں کو بچانے کی شکل یہ ہے کہ روزانہ کے حساب سے قیمت میں سے متعینہ رقم کے وضع کرنے پر عقد کے وقت ہی اتفاق کرلیا جائے۔

۱۳- مطلوبہ اوصاف کے ساتھ مکان تیار نہ ہونے کی حالت میں بلڈر کا کرایہ پر لینا درست نہیں ہے؛ البتہ حقیقی خسارہ کے بقدر مالی معاوضہ کی شرط عقد کے وقت ہی لگانا درست ہے۔
اور اگر عقد کے وقت شرط نہ لگائی گئی ہوتو بعد میں باہمی رضامندی سے جو معاوضہ طے ہوجائے اس کے لینے کی گنجائش ہے۔

۱۴- کوئی ایجنٹ یا عام آدمی بلڈر یا کسی اور سے تیار شدہ فلیٹ خرید کر دوسرے گاہک کو فروخت کردے، اور کسی وجہ سے اسی کے نام براہ راست رجسٹری کرادے تو یہ درست ہے۔

نوٹ بابت اختلاف رائے:

تجویز نمبر (۱): جھونپڑا اپنی جگہ موجود ہو تو فائل کو بیچنا اور خریدنا درست ہوگا، اور اگر بلڈر اسے منہدم کر چکا ہو تو اب فائل خریدنا درست نہیں ہوگا۔ (مفتی جنید محمد پالنپوری)

تجویز نمبر (۱۰): قبضہ حاصل کئے بغیر دوسرے سے بیچنا درست ہے۔ (مولانا محمد رجیب، کیرالا)

حیوانات کے حقوق اور ان کے احکام:

اسلام دین رحمت ہے، اس نے جس طرح غریبوں، محتاجوں، بیکسوں، اور دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی کی تعلیم دی ہے ویسے ہی جانوروں کے ساتھ بھی مکمل حسن سلوک اور مشفقانہ برتاؤ کا حکم دیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالی نے انہیں انسانی خدمت اور منافع کے لئے پیدا کیا ہے مگر ان سے نفع اٹھانے کے بھی حدود متعین ہیں جن کی رعایت لازم ہے۔ ان کے ساتھ کوئی ایسا رویہ نہ برتا جائے جس سے سنگدلی کا احساس ہوتا ہو۔ اس پس منظر میں درج ذیل تجاویز منظور کی جاتی ہیں:

۱- ہر جانور کو اس کی فطرت کے مطابق غذا دی جانی چاہئے، تاہم جانوروں کو لحمی اجزاء پر مشتمل غذا دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ نجس اور مضر نہ ہو۔

۲- انسان اور جانور کی صحت کے لئے مضر نہ ہو تو دودھ اور گوشت میں اضافہ کے لئے جانوروں کو انجکشن لگانا درست ہے؛ البتہ دودھ نکالنے میں جانور کی صحت اور اس کے بچہ کی رعایت کی جائے۔

۳- اگر جانوروں میں غیر جنس سے اختلاط کے نتیجہ میں بچہ پیدا ہو تو وہ بچہ مادہ کے تابع ہوگا۔

نوٹ: امام شافعی کے نزدیک بچہ نر و مادہ میں سے جو خسیس ہو اس کے تابع ہوگا جیسے بکری اور کتے کے اختلاط سے پیدا ہوا تو کتے کے تابع ہوگا (مفتی عمر بن یوسف کوکنی، جامعہ عربیہ

شری وردھن)۔

۴- جانوروں کے مناسب کھانے پینے کے معقول انتظام کے ساتھ تکلیف سے بچاتے ہوئے ان کو بطور زینت پنجرے وغیرہ میں رکھنے کی گنجائش ہے۔

۵- محض شوق کی تکمیل کے لئے خونخوار اور موذی جانوروں کو پالنا درست نہیں ہے۔

۶- انسانی مفاد کے لئے جانوروں پر میڈیکل تجربات کئے جا سکتے ہیں۔

۷- دواؤں کے لئے جانور کو بے ہوش کر کے ان کے کسی عضو کو نکالنا یا ان کے جسم میں کوئی آلہ رکھ دینا درست ہے بشرطیکہ یہ عمل اس کی دائمی تکلیف کا باعث نہ ہو۔

۸- جانوروں کی نسل کی حفاظت، ماحولیات کے تحفظ یا کسی اور مقصد سے حکومت کی طرف سے کسی جانور کے شکار پر پابندی لگا دی جائے تو اس قانون کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

۹- اگر کسی حلال جانور کو ذبح کرنے سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی خطرہ میں پڑ سکتی ہو یا قانوناً اس کے ذبح پر پابندی ہو تو اس کی وجہ سے وہ حلال جانور حرام نہیں ہوگا؛ البتہ ایسے جانور کو ذبح کرنے سے مسلمانوں کو احتیاط برتنی چاہئے۔

۱۰- جنگلی جانور یا پرندے جن کا شکار کرنا حکومتی قانون کی رو سے ممنوع ہو تو ایسے قانون کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

۱۱- متعدی وبائی امراض کو روکنے کے لئے متاثر جانوروں کو مارا جا سکتا ہے؛ البتہ زندہ جلانا یا زندہ دفن کرنا شرعاً درست نہیں۔

۱۲- موذی جانوروں کے ضرر سے بچنے کے لئے اسے مارنا درست ہے بشرطیکہ ان کی ایذا رسانی کا اندیشہ ہو۔

✧ ✧ ✧

اٹھائیسواں فقہی سمینار

☆ احکام شرعیہ پر جہل (ناواقفیت) کا اثر
☆ انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط مسائل
☆ ہیرے جواہرات کی خرید وفروخت
☆ تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں

اٹھائیسواں فقہی سمینار

۸ تا ۱۰ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۷ تا ۱۹ نومبر ۲۰۱۸ء، جامعہ اسلامیہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا، بھرتپور، راجستھان

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا اٹھائیسواں فقہی سمینار ہندوستان کے خطہ میوات کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم محمدیہ میل کھیڑلا، بھرتپور، راجستھان میں مورخہ ۱۷ تا ۱۹ نومبر ۲۰۱۸ء مطابق ۸ تا ۱۰ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ منعقد ہوا جس میں ملک اور بیرون ملک سے تقریباً تین سو علماء، ارباب افتاء اور اہم علمی شخصیات نے شرکت کی، اس سہ روزہ سمینار میں جو چار اہم موضوعات زیر بحث آئے ان پر بحث وتحقیق اور مناقشہ کے بعد جو تجاویز اتفاق رائے سے منظور ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:

احکام شرعیہ پر جہل (ناواقفیت) کا اثر:

ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ احکام شرع سے پورے طور پر واقف ہونے کی کوشش کرے اور علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ عام مسلمانوں کو احکام شریعت سے واقف کرائیں؛ تاہم جن اعذار کی بنا پر انسان سے احکام شرعیہ ساقط ہوجاتے ہیں یا ان کی وجہ سے احکام میں کچھ تخفیف یا تبدیلی ہوجاتی ہے، ان میں سے ایک جہالت بھی ہے، جس کی اصولی طور پر درج ذیل صورتیں بنتی ہیں:

۱- فروعی احکام میں بعض شرطوں کے ساتھ جہالت کو عذر تسلیم کیا گیا ہے۔

۲- تکفیر کا مسئلہ نہایت نازک اور اہم ہے، کسی فرد یا گروہ پر کفر کا حکم لگانے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

۳- امور اعتقادیہ میں سے جن امور کا احکامِ اسلام میں ہونا عام طور پر معروف ومشہور نہیں ہے، اگر جہالت کی بنا پر کوئی ان میں مبتلا ہوجائے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی؛ بلکہ

اس کو واقف کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

۴- قطعیات دین سے مراد وہ امور ہیں جن کا ثبوت کتاب اللہ یا سنت متواترہ یا اجماع سے ہو۔

۵- قطعیات دین کے دائرہ میں آنے والے احکام دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو اس درجہ معروف ومشہور ہوں کہ عام طور پر مسلمان ان سے واقف ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت، تو یہ ضروریات دین ہیں اور ضروریات دین میں جہل عذر نہیں ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل کا اعتبار ہوگا۔

۶- دوسرا حصہ ان احکام کا ہے جو اس درجہ مشہور نہیں ہیں، ان میں عام آدمی کا جہل عذر ہے، ایسے امور میں حکم شرعی سے واقف کرانے اور غلط فہمی دور کرنے کے باوجود اگر وہ انکار پر قائم رہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

۷- جن علاقوں اور مقامات میں احکام شرعیہ سے واقفیت کے امکانات اور مواقع نہ ہوں، وہاں کے مسلمانوں کو احکام شرع سے ناواقفیت میں معذور سمجھا جائے گا۔

۸- جہل یا خطا کی وجہ سے ''مس بالشہوۃ'' ہوجائے تو حرمت مصاہرت کے عدم ثبوت کے سلسلہ میں دیگر ائمہ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے۔

انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط مسائل:

۱۔ اسمارٹ فون موجودہ دور کی ایک اہم ایجاد ہے، جس کے ساتھ منافع اور مفاسد دونوں وابستہ ہیں، اگر اسمارٹ فون کا استعمال دینی، علمی، اصلاحی اور جائز مقاصد کے لئے کیا جائے تو درست ہے، لیکن اگر غیر شرعی امور کے لئے کیا جائے تو درست نہیں ہے۔

۲۔ اسمارٹ فون میں قرآن شریف اور دیگر دینی کتب کا رکھنا اور ان سے استفادہ کرنا جائز ہے۔

۳۔ اگر موبائل میں قرآن مجید محفوظ ہو تو جب تک آیات قرآنی اسکرین پر ظاہر نہ ہوں،

موبائل سیٹ قرآن کے حکم میں نہیں ہوگا، البتہ اگر آیات قرآنی اسکرین پر نمودار ہوں تو اسکرین والے حصہ کو بلا وضو چھونا درست نہیں ہوگا، اگر موبائل پر اسکرین گارڈ اور گلاس لگے ہوئے ہوں تب بھی یہی حکم ہوگا۔

۴۔ دینی، معلوماتی اور مفید باتوں پر مبنی پیغامات خواہ تحریر کی شکل میں ہوں یا کسی اور شکل میں، انہیں صراحتاً یا دلالتہً اجازت کی صورت میں آگے بھیجنا درست ہے۔

۵۔ کسی ضرورت شرعی کے بغیر کسی مرد کا غیر محرم عورت کو یا کسی عورت کا غیر محرم مرد کو میسج کرنا جائز نہیں ہے۔

۶۔ مختلف عمومی مصالح اور حفاظتی مقاصد کے پیش نظر دینی مدارس، مساجد و دیگر ضرورت کی جگہوں میں سی، سی، ٹی، وی (CCTV) کیمرہ نصب کرنا درست ہے۔

۷۔ انٹرنیٹ پر کسی کی محفوظ معلومات کا قفل توڑنا جائز نہیں ہے، اور اس کو آگے بڑھانے کا بھی یہی حکم ہے۔

۸۔ شوہر و بیوی کا رشتہ باہمی اعتماد پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے عام حالات میں ایک دوسرے کی اطلاع کے بغیر ایک دوسرے کی معلومات حاصل کرنا درست نہیں ہے۔

۹۔ نجی زندگی کا تحفظ ہر انسان کا بنیادی حق ہے، لہٰذا کسی ضرورت کے بغیر دوسروں کی خفیہ معلومات حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۰۔ اگر کسی کو دوسرے شخص کی خفیہ معلومات حاصل ہو جائیں اور ان معلومات سے واضح ہو کہ وہ کسی اور کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا ہے تو اس شخص کے لئے اس دوسرے آدمی کو صورت حال سے واقف کرانا درست ہے۔

۱۱۔ سوشل میڈیا اکاؤنٹ رکھنے والے نے مخصوص معلومات کو خفیہ رکھا ہو تو اس کی اجازت کے بغیر ڈاٹا جمع کرنا اور کسی کمپنی کو ڈاٹا فراہم کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

۱۲۔ مجرم کے جرائم پر شہادت فراہم کرنے کے لئے خفیہ کیمرہ استعمال کرنا

درست ہے۔

۱۳۔ سافٹ ویئر بنانے میں کافی محنت، صلاحیت اور بڑا سرمایہ خرچ ہوتا ہے، وہ بنانے والے کی ملکیت ہے، اس لئے اس کا قفل توڑنا اور اس کی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۴۔ کسی کے کمپیوٹر کو ہیک کرنا یا اس پر وائرس چھوڑنا جائز نہیں ہے؛ البتہ مخرب اخلاق اور مضر مواد کو ضائع کرنے کے لئے اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۱۵۔ جس خبر کا مصدقہ ہونا معلوم ہو اور اس کو پھیلانے سے کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو تو اسے آگے بڑھانا درست ہے؛ البتہ جو چیز خلاف واقعہ یا قابل تحقیق یا مضر ہو، اسے آگے بڑھانا درست نہیں ہے۔

۱۶۔ کسی کے مراسلہ اور تحریر میں کمی بیشی کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۷۔ حکومت یا کسی اور کے لئے درست نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی نجی معلومات کو اس کی اجازت کے بغیر دوسروں تک پہنچائے یا لوگوں میں عام کرے۔

۱۸۔ جن اشیاء کا استعمال درست ہے، ان کی تشہیر بھی درست ہے، بشرطیکہ تشہیر کے طریقہ میں کوئی خلاف شرع بات نہ ہو۔

۱۹۔ تمسخر اور استہزاء کے طور پر کسی کا کارٹون بنانا جائز نہیں ہے۔

۲۰۔ موبائل کمپنیوں کا لوگوں کی آپسی گفتگو محفوظ کر کے حکومت کو یا کسی اور کو فراہم کرنا امانت میں خیانت ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں ہوگی۔

ہیرے جواہرات کی خرید وفروخت:

۱- بروکر امین ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ بائع یا مشتری کو دھوکہ دیتے ہوئے کوئی رقم اپنی مقررہ فیس کے علاوہ رکھ لے۔

۲- بروکر جس کے لیے کام کر رہا ہے، اسے بتلانے کے بعد خود اپنے لیے خرید سکتا ہے، البتہ

فروخت کرتے وقت خریدار کے سامنے اپنی حیثیت کو بھی واضح کردینا ضروری ہے۔

۳- بروکر کے لیے فرضی خریدار تیار کر کے بائع سے کم قیمت میں لے کر حقیقی خریدار کو زیادہ قیمت میں بیچنا جائز نہیں ہے۔

۴- جس مارکیٹ میں جائز و ناجائز دونوں طرح کے مال فروخت ہوتے ہوں، اس مارکیٹ سے مال خریدنا جائز ہے جب تک کہ یقینی طور پر یہ نہ معلوم ہو کہ وہ چوری کا ہے۔

۵- خریدار کو اگر فروخت کرنے والے کی بات پر اعتماد ہو کہ وہ چوری کا مال نہیں ہے تو اس سے مال خریدنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے۔

۶- ادھار خرید کر مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد نفع کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

۷- خرید و فروخت کا معاملہ مکمل کرنے سے پہلے دوسرے کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہے؛ البتہ وعدۂ بیع کر سکتا ہے۔

۸- بروکر یا کسی شخص کا واجب الاداء رقم کی پرچی کو کم قیمت میں خریدنا جائز نہیں ہے۔

۹- سامان کی قیمت ادا کرنے کے لیے عام حالات میں سودی قرض لینا یا دوسرے کے قرض کی ادائیگی کے لیے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔

۱۰- سامان خریدنے کے بعد بائع کی رضامندی سے قیمت کم کرانا خریدار کے لئے جائز ہے، لیکن جھوٹ بول کر اور فریب دے کر ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۱- جو سامان نقص و عیب سے خالی ہو، ایسے سامان کے اندر خریدتے وقت عیب و نقص نکال کر کم پیسے میں خریدنا اخلاقی و شرعی اعتبار سے درست نہیں ہے۔ اسی طرح کسی چیز میں جو خوبیاں نہیں ہیں، وہ خوبیاں بیان کر کے زیادہ قیمت میں فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

۱۲- مال تیار کرانے والا اگر سستے مال کا مطالبہ کرے اور اس کی تیاری میں ملاوٹ کی ضرورت پڑے تو تاجروں کے عرف میں جس قدر ملاوٹ معلوم و مشہور ہو اتنی مقدار ملاوٹ کی

گنجائش ہے، البتہ زائد ملاوٹ کی صورت میں اس سے آگاہ کرنا ضروری ہے۔

۱۳- شریعت اسلامی میں نفع کا کوئی تناسب متعین نہیں ہے، باہمی رضامندی سے جو بھی قیمت طے ہوجائے وہ درست ہے، البتہ مارکیٹ کی رائج قیمت سے زائد لینا تقاضۂ مروت اور اسلامی اخلاق کے خلاف ہے۔

۱۴- بیع وشراء کے وقت ہی ڈسکاؤنٹ متعین ہوجائے یا اس کا عرف ورواج ہو تو خریدار کو شرط اور عرف کے مطابق ڈسکاؤنٹ کے مطالبہ کا حق ہے۔ اگر اس کا عرف نہ ہو اور نہ ہی عقد کے وقت ایسی شرط لگائی گئی ہو تو خریدار ڈسکاؤنٹ کا مطالبہ نہیں کرسکتا، البتہ فروخت کرنے والا خود ڈسکاؤنٹ کردے تو حرج نہیں ہے۔

۱۵- جو سامان بنوایا گیا ہو، اگر اس کے طے شدہ معیار میں کمی رہ جاتی ہے اور سامان بنوانے والا وہ سامان حاصل کرلیتا ہے تو مقدارِ اجرت میں تاجروں کا عرف ملحوظ ہوگا۔

۱۶- کسی مصلحت کے تحت قیمت کم لکھنے میں حرج نہیں، بشرطیکہ عاقدین اس لکھی ہوئی قیمت کی مراد کو اچھی طرح سمجھتے ہوں۔

۱۷- زیور بناتے وقت جو کارآمد ذرات کاریگر کے پاس رہ جاتے ہیں، اصلاً وہ بنوانے والے کے ہیں، لیکن اگر کسی علاقہ میں اس کو کاریگر کی اجرت یا اجرت کا جز سمجھا جاتا ہو تو کاریگر کے لئے اس کو رکھنا جائز ہے۔

۱۸- قیمتی پتھروں کو پرونے والے دھاگے اگرچہ کم وزن کے ہوں لیکن باہمی رضامندی سے ان کو زیادہ وزن کے درجہ میں رکھ کر قیمت طے کرلی جائے تو یہ درست ہے۔

۱۹- دباؤ بنا کر حقیقی وزن سے کم لکھوانا شرعاً جائز نہیں ہے، البتہ اگر تاجروں کے عرف میں کچھ مقدار کی قیمت نہ لگائی جاتی ہو تو اس کے بقدر قیمت کم کرکے لکھنے کی گنجائش ہے۔

۲۰- تاجر کے لیے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے مقررہ قیمت سے کم ادا کرنا شرعاً ناجائز ہے، اور اس پر لازم ہے کہ پوری قیمت ادا کرے، خواہ پرچی پر کسی مصلحت سے کم

قیمت لکھی گئی ہو۔

۲۱- نقد وادھار کی بنیاد پر قیمت کی کمی وبیشی شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ عاقدین بوقت عقد ایک ثمن پر متفق ہوجائیں۔

۲۲- دین مؤجل اگر جلد ادا کر دیا جائے تو اس کا کچھ حصہ چھوڑ نا اس وقت جائز ہوگا، جبکہ یہ چھوڑ نا تعجیل کے عوض کے طور پر مشروط نہ ہو، بلکہ تبرعاً ہو۔

۲۳- گھٹیا ڈائمنڈ کو اعلیٰ ڈائمنڈ بتا کر بیچنا جائز نہیں ہے، اور اگر بیچ دیا گیا تو جب تک وہ ڈائمنڈ خریدار کی ملکیت میں بعینہ موجود ہو تو اس وقت تک قیمت کم کرانے کا اختیار نہیں، البتہ معاملہ کو ختم کر کے اپنا پیسہ واپس لینے یا از سر نو معاملہ کرنے کا اختیار ہوگا، نیز اگر اس ڈائمنڈ میں کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے کہ واپس کرنا ممکن نہ ہو تو بقدر نقصان قیمت کم کرانے کا اختیار ہوگا۔

۲۴- حقیقی ڈائمنڈ کی جگہ کیمیکل کے ذریعہ بنایا گیا ڈائمنڈ (C-VD) دے دے تو سامان کو واپس کر کے خریدار کو پورا ثمن واپس لینے کا اختیار ہے۔

۲۵- کوئی سامان خرید کر کسی دوسرے کو اس کا کچھ حصہ کسی بھی متعین قیمت پر فروخت کر کے اس کو شریک کر لینا جائز ہے۔

۲۶- خریدنے سے پہلے کسی سے شرکت کا معاملہ کرنا جائز نہیں ہے، البتہ شرکت کا وعدہ کر سکتا ہے۔

تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں:

آج بتاریخ ۱۸ر نومبر ۲۰۱۸ء ارکان کمیٹی نے تعزیر بالمال کے مسئلہ پر غور وفکر کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی ہے:

الف- اسلام میں انسداد جرائم کے لئے حدود وتعزیرات کا مضبوط نظام ہے، مخصوص جرائم پر جو

سزائیں مقرر ہیں، ان کو حدود کہا جاتا ہے اور جن جرائم کی سزائیں شریعت نے متعین نہیں کی ہیں، ان کو تعزیرات کہا جاتا ہے۔

ب- تعزیرات کی ایک اہم قسم تعزیر مالی ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مجرم پر الگ سے کوئی مالی جرمانہ عائد کیا جائے؛ تاکہ مالی دباؤ سے مجبور ہو کر مجرم اپنے جرم سے باز آجائے؛ موجودہ حالات میں جبکہ جرم سے روکنے کے لئے مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن یا مؤثر نہیں ہے تو مالی جرمانہ کی گنجائش ہے۔ البتہ اس میں عدل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج: تعلیم و تربیت کے نظام کو درست رکھنے کے لئے بلا اجازت غیر حاضری یا کسی اور کوتاہی پر مناسب جرمانہ کیا جاسکتا ہے؛ خواہ اس کی یہ شکل اختیار کی جائے کہ جن طلباء کو مفت قیام وطعام کی سہولت دی گئی تھی ان کی سہولت ختم کر کے ان سے فیس وصول کی جائے، یا جن سے فیس لی جاتی ہے، ان سے الگ سے جرمانہ کی رقم وصول کی جائے، یا کوئی اور مناسب و مؤثر شکل اختیار کی جائے؛ البتہ اس رقم کو رفاہی کاموں میں خرچ کیا جائے۔

د: تعلیمی اداروں کے علاوہ دیگر اداروں یا برادریوں اور پنچایتوں کے لیے نظم وضبط کو برقرار رکھنے اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے پیش نظر عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور معتبر علماء وارباب افتاء کے مشورہ سے مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش ہے۔

ھ: طلاق کے بارے میں پائی جانے والی افراط وتفریط اور خرابیوں کو قابو میں رکھنے کے لئے اگر بوقت عقد نکاح عاقدین باہمی رضامندی سے بے جا طلاق کی صورت میں مہر میں اضافہ کی شرط لگادیں تو اس کی گنجائش ہے۔

و: جو شخص بے جا طریقہ پر اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دیدے اور اس میں شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو عورت کے مطالبہ پر دار القضاء یا محکمہ شرعیہ اس پر مناسب مالی جرمانہ عائد کرسکتا ہے اور ضروری ہے کہ اس رقم سے متاثرہ عورت کی مدد کی جائے۔

✧✧✧

فقہی سمینار-ایک نظر میں

۱۹۸۹ تا ۲۰۱۹ء

سمینار	تاریخ	مقام	موضوعات
پہلا	۱-۳/اپریل ۱۹۸۹	جامعہ ہمدرد، نئی دہلی	اعضاء کی پیوندکاری، برتھ کنٹرول، پگڑی
دوسرا	۸-۱۱/دسمبر ۱۹۸۹	جامعہ ہمدرد، نئی دہلی	کرنسی نوٹ، بینک انٹرسٹ، تجارتی سود
تیسرا	۸-۱۱/جون ۱۹۹۰	دارالعلوم سبیل الرشاد، بنگلور، کرناٹک	اسلامی بنکاری، مرابحہ، حقوق کی بیع
چوتھا	۹-۱۲/اگست ۱۹۹۱	دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد	دو ملکوں کی کرنسیوں کا تبادلہ، انشورنس، اسلامی بینکنگ
پانچواں	۳۰/اکتوبر تا ۲/نومبر ۱۹۹۲	جامعۃ الرشاد، اعظم گڑھ، یوپی	زکوۃ سے متعلق جدید مسائل، ایک اہم مصرف: فی سبیل اللہ
چھٹا	۳۱/دسمبر ۱۹۹۳ تا ۳/جنوری ۱۹۹۴	جامعہ دارالسلام، عمرآباد	اسلام کا نظام عشر وخراج، اراضی ہند کی شرعی حیثیت
ساتواں	۳۰/دسمبر ۱۹۹۴ تا ۲/جنوری ۱۹۹۵	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات	مشینی ذبیحہ، رؤیت ہلال، احکام شرعیہ میں ضرورت وحاجت کی رعایت
آٹھواں	۲۲-۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵	علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یوپی	طبی اخلاقیات، نکاح میں شرط کا حکم، احکام شرعیہ اور عرف وعادت
نواں	۱۱-۱۴/اکتوبر ۱۹۹۶	جامعۃ الہدایہ، جے پور، راجستھان	مچھلیوں کی تجارت، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت، شیئرز، اوقات سحر راجستھان

دسواں	۲۴-۲۷/اکتوبر ۱۹۹۷	حج ہاؤس، ممبئی	اوقاف، حج و عمرہ، قسطوں پر خرید و فروخت، کلوننگ، اتحاد امت
گیارہواں	۱۷-۱۹/اپریل ۱۹۹۹	امارت شرعیہ، پٹنہ	کفاءت، نکاح میں ولی کے اختیارات، احادیث ضعیفہ کا حکم
بارہواں	۱۱-۱۴/فروری ۲۰۰۰	جامعہ اسلامیہ، بستی، یوپی	انٹرنیٹ، نشہ کی طلاق، اختلافات ائمہ کی شرعی حیثیت
تیرہواں	۱۲-۱۶/اپریل ۲۰۰۱	جامعہ سید احمد شہید، ملیح آباد، لکھنؤ، یوپی	انقلاب ماہیت، اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری، جبری شادی، جدید ذرائع ابلاغ
چودہواں	۲۰-۲۲/جون ۲۰۰۴	دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد	غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کے کچھ اہم مسائل، اسلام اور امن عالم، جلاٹین، الکحل، نئے وقف کا قیام
پندرہواں	۱۱-۱۳/مارچ ۲۰۰۶	جامعہ صدیقیہ، میسور، کرناٹک	جنیٹک سائنس، میڈیکل انشورنس، بینک سے جاری ہونے والے کارڈ، ڈی این اے ٹسٹ
سولہواں	۳۰/مارچ تا ۲/اپریل ۲۰۰۷	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ، یوپی	رمی جمار کا مسئلہ، مصنوعی آلہ تنفس، یوتھینز یا، نیٹ ورک مارکیٹنگ
سترہواں	۵ تا ۷/اپریل ۲۰۰۸ء	جامعہ شیخ علی متقی، برہان پور، ایم پی	ماحولیات کا تحفظ، تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم، روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال، مسافت سفر کا آغاز، جائے ملازمت کا حکم
اٹھارہواں	۲۸/فروری - ۲/مارچ ۲۰۰۹ء	جامعۃ الریحان عربک کالج، مدورائی، تاملناڈو	قیدیوں کے حقوق، تعلیمی قرض، خواتین کی ملازمت، پلاسٹک سرجری

انیسواں	۱۲-۱۵/فروری ۲۰۱۰ء	جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، گجرات	غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق، کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت، ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہوگا، سونے اور چاندی کا نصاب، تورق کا مسئلہ، موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت۔
بیسواں	۵-۷/مارچ ۲۰۱۱ء	جامعۃ العلوم الفرقانیہ، رامپور، یوپی	آبی وسائل اور ان سے متعلق شرعی احکام، مختلف النوع ملازمتیں اور ان کا شرعی حکم، مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام، تفریح- اس کے جائز وسائل اور شرعی ضوابط
اکیسواں	۳-۵/مارچ ۲۰۱۲ء	جامعہ اسلامیہ، بنجاری، اندور، ایم پی	نشہ آور اشیاء، شقاق بین الزوجین کی وجہ سے فسخ نکاح، شریعت کے دائرہ میں انشورنس (تکافل) کی صورت
بائیسواں	۹-۱۱/مارچ ۲۰۱۳ء	جامعہ اسلامیہ عربیہ، جامع مسجد، امروہہ، یوپی	الیکشن سے مربوط شرعی مسائل، بیع وفا، بیع صکوک
تئیسواں	۱-۳/مارچ ۲۰۱۴ء	جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات	عقد استصناع، میراث اور وصیت سے متعلق بعض پیش آمدہ مسائل، ہبہ سے متعلق ایک کثیر الوقوع مسئلہ، شہریت اور اس سے متعلق حقوق۔
چوبیسواں	۱-۳/مارچ ۲۰۱۵ء	دارالعلوم الاسلامیہ، اوچیرہ، کیرالا	قرآن مجید کے متن وترجمہ کی کتاب واشاعت سے متعلق بعض مسائل، اسلام میں بچوں کے حقوق، غذائی مصنوعات میں حلال وحرام کے اصول، حلال سرٹیفکٹ کے اجراء کے لئے شرائط ومعیارات، اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ

پچیسواں	۵-۷رفروری۲۰۱۶	جامعہ عربیہ اسلامیہ دارالحدیث، بدرپور، آسام	اہل کتاب اور ان سے متعلق احکام، معذوروں اور بوڑھوں کے حقوق، بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب، اختلاف رائے اور وحدت امت، طلاق غضبان۔
چھبیسواں	۴-۶رمارچ۲۰۱۷	مجلس اتحاد امت، اجین، مدھیہ پردیش	ماحولیات، سونے چاندی کی تجارت، سرکاری اسکیموں سے استفادہ، زمینوں کی خرید وفروخت اور موجودہ قانون۔
ستائیسواں	۲۵-۲۷رنومبر۲۰۱۷	صابوصدیق مسافرخانہ، ممبئی	حیوانات کے حقوق اور ان کے احکام، عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل، مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل، طلاق اور اس سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل
اٹھائیسواں	۱۷-۱۹رنومبر۲۰۱۸ء	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم محمدیہ، میل کھیڑلا، بھرتپور، راجستھان	تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں، احکام شرعیہ پر جہل (ناواقفیت) کا اثر، انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط مسائل، جواہرات کی خرید وفروخت
انتیسواں	۳۰رنومبر-۲ردسمبر۲۰۱۹	دارالعلوم وقف، دیوبند	باغات میں پھلوں کی خرید وفروخت، بغیر محرم کے خواتین کا سفر کرنا، رؤیت ہلال سے متعلق مسائل، سد ذریعہ ایک اہم اصول

✧ ✧ ✧

فہرست مضامین
(فقہی ترتیب کے اعتبار سے)

الف: اصولی مسائل:

	ضرورت وحاجت	۱۲۵
۱-	عرف وعادت	۱۴۴
۲-	ضعیف احادیث کے احکام	۱۸۶
۴-	اختلاف ائمہ کی شرعی حیثیت	۱۹۱
۵-	غذائی مصنوعات میں حلال وحرام	۳۱۸
۶-	حلال سرٹیفکٹ	۳۱۹
۷-	وحدت امت-اصول وآداب	۳۲۹
۸-	احکام شرعیہ پر جہل (ناواقفیت کا اثر)	۳۶۱
۹-	طلاق اوراس سے پیدا ہونے والے سماجی مسائل	۳۴۹
۱۰-	تعزیر بالمال شریعت اسلامی کی روشنی میں	۳۶۷

ب: عباداتی مسائل:

۱-	حاجت اصلیہ (زکوۃ میں بنیادی حاجت)	۱۰۱

۲-	دَین (قرض) کی زکاۃ	۱۰۲
۳-	تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ دوکان ومکان میں دی گئی ڈپوزٹ کی رقم پرزکوۃ	۱۰۳
۴-	ہیرے وجواہرات پرزکوۃ	۱۰۴
۵-	پراویڈنٹ فنڈ پرزکوۃ	۱۰۷
۶-	مدرسہ کے سفرا، محصلین اور مہتمم کی حیثیت	۱۰۷
۷-	اموال مدرسہ پرزکوۃ	۱۰۸
۸-	کمیشن پرزکوۃ کی وصولی	۱۰۸
۹-	مال حرام کی زکوۃ	۱۰۸
۱۰-	فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟	۱۰۹
۱۱-	عشری وخراجی اراضی	۱۱۳
۱۲-	ادائیگی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی	۱۱۵
۱۳-	زمینی پیداوار، درخت وسبزیوں پرعشر	۱۱۶
۱۴-	مزارعت (بٹائی) والی کاشت پرعشر	۱۱۸
۱۵-	اخراجات زراعت کی منہائی کا نصاب	۱۱۸
۱۶-	مکھانہ، مچھلی وریشم پرعشر	۱۲۰
۱۷-	مکان، چھت، گردوپیش کی افتادہ اراضی اور اراضی اوقاف پرعشر	۱۲۰
۱۸-	اوقاف سے متعلق مسائل	۱۶۱
۱۹-	حج وعمرہ کے مسائل	۱۶۷

۲۰- انقلاب ماہیت اور طہارت ونجاست وحلت وحرمت پر اس کا اثر ۲۰۱
۲۱- اموال زکوۃ کی سرمایہ کاری ۲۰۲
۲۲- مسجد کی شرعی حیثیت ۲۰۷
۲۳- رمی جمار کا مسئلہ ۲۲۵
۲۴- قیام منی کا حکم ۲۲۷
۲۵- روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال ۲۳۴
۲۶- مسافت سفر کا آغاز ۲۳۵
۲۷- جائے ملازمت کا حکم ۲۳۶
۲۸- ایام قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہے؟ ۲۵۶
۲۹- قرآن کے متن وترجمہ کی کتابت واشاعت سے متعلق تجاویز ۳۱۲
۳۰- برصغیر میں مطبوعہ قرآن مجید کے نسخے ۳۱۴

ج: سماجی مسائل :

۱- مہر کا شرعی حکم ۶۸
۲- عقد نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت ۱۴۷
۳- یوپی زمینداری ایکٹ میں ترمیم کی بابت تجویز (خواتین کی میراث) ۱۴۸
۴- نکاح میں لڑکی، لڑکے اور اولیاء کے اختیارات ۱۸۲
۵- نکاح میں کفاءت ۱۸۴
۶- طلاق سکران (حالت نشہ کی طلاق) ۱۹۳
۷- جبری نکاح ۲۰۴

۸-	جہیز کی حرمت	۲۰۶
۹-	مسلم وغیر مسلم تعلقات	۲۱۱
۱۰-	تعلیم گاہوں میں جنسی تعلیم	۲۳۳
۱۱-	قیدیوں کے حقوق	۲۳۹
۱۲-	غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق	۲۵۳
۱۳-	مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام	۲۶۱
۱۴-	آبی وسائل اوران کے شرعی احکام	۲۷۰
۱۵-	شقاق بین الزوجین	۲۷۵
۱۶-	نشہ آور اشیاء	۲۷۶
۱۷-	الیکشن سے مربوط شرعی مسائل	۲۸۶
۱۸-	میراث ووصیت سے متعلق مسائل	۲۹۸
۱۹-	اسلام میں بچوں کے حقوق	۳۱۵
۲۰-	اہل کتاب سے متعلق مسائل واحکام	۳۲۵
۲۱-	اسلام میں بوڑھوں اور کمزوروں کے حقوق	۳۲۷
۲۲-	طلاق غضبان (غصہ کی طلاق)	۳۳۴

د: معاشی مسائل :

۱-	پگڑی	۶۴
۲-	کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت	۶۷
۳-	سود سے متعلق مسائل	۶۸

۴-	بینک انٹرسٹ	۶۹
۵-	تجارتی سوداور اسلامی شریعت	۷۰
۶-	بین الاقوامی تجارت پر سود	۷۱
۷-	غیرسودی بنکاری کے لئے پروجیکٹ کی تیاری	۷۱
۸-	اسلامی بنکاری-ضرورت ورہنما خطوط	۷۵
۹-	مرابحہ	۷۹
۱۰-	غیرسودی امدادی سوسائٹیاں	۸۰
۱۱-	حقوق کی بیع	۸۲
۱۲-	انشورنس	۸۷
۱۳-	غیرسودی بینکنگ کا مسئلہ	۸۹
۱۴-	دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ	۹۲
۱۵-	ہندوستان کے پس منظر میں انشورنس کا حکم	۹۵
۱۶-	اسلامی مالیاتی ادارہ اور کمپنیز کے شیئرز	۱۲۱
۱۷-	شیئرز کی شرعی حیثیت	۱۵۱
۱۸-	پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید وفروخت	۱۵۴
۱۹-	قبضہ سے پہلے خرید وفروخت	۱۵۵
۲۰-	قسط پر خرید وفروخت	۱۷۲
۲۱-	جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود ومعاملات	۲۰۵
۲۲-	نئے وقف کا قیام	۲۱۶
۲۳-	بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ	۲۱۹

۲۴- نیٹ ورک مارکٹنگ ۲۲۸

۲۵- تعلیمی قرض ۲۴۴

۲۶- خواتین کی ملازمت ۲۴۷

۲۷- موجودہ کرنسی کی شرعی حیثیت ۲۵۴

۲۸- تورق کا مسئلہ ۲۵۵

۲۹- کاروبار میں والد کے ساتھ اولاد کی شرکت ۲۵۷

۳۰- مختلف النوع ملازمتیں ۲۶۳

۳۱- اسلامی تکافل ۲۸۰

۳۲- بیع الوفاء ۲۸۷

۳۳- صکوک ۲۸۸

۳۴- ہبہ سے متعلق مسائل ۲۹۷

۳۵- عقد استصناع (آرڈر پر سامان تیار کرانے کا معاملہ) ۳۰۰

۳۶- سرکاری اسکیموں سے استفادہ ۳۳۷

۳۷- زمین کی خرید وفروخت سے متعلق بعض مسائل ۳۳۹

۳۸- سونا چاندی کی تجارت سے متعلق مسائل ۳۴۲

۳۹- مکانات کی خرید وفروخت سے متعلق نئے مسائل ۳۵۵

۴۰- ہیرے جواہرات کی خرید وفروخت ۳۶۴

۵: طبی مسائل :

۱- ضبط ولادت ۵۹

۲- اعضاء کی پیوند کاری	٦۵
۳- طبی اخلاقیات اور اطباء کے فرائض	۱۳۹
۴- ایڈز	۱۴۳
۵- کلوننگ	۱۷۵
٦- جلاٹین	۲۱۴
۷- الکحل	۲۱۵
۸- میڈیکل انشورنس	۲۲۰
۹- جنیٹک ٹسٹ	۲۲۱
۱۰- ڈی این اے ٹسٹ	۲۲۱
۱۱- پلاسٹک سرجری	۲۴٦
۱۲- یوتھنیزیا کا حکم	۲۲۸
۱۳- موت کی حقیقت اور مصنوعی آلۂ تنفس	۲۲۷
۱۴- اعضاء واجزاء انسانی کا عطیہ	٦۵

و: جدید آلات و ذرائع:

۱- مشینی ذبیحہ	۱۵۷
۲- انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال	۱۹٦
۳- انفارمیشن ٹکنالوجی سے مربوط مسائل	۳٦۲

ز: متفرق مسائل:

۱-	دارالاسلام، دارالحرب اور مختلف ممالک کی حیثیت کا تعین	۷۲
۲-	دینی وعصری اداروں کے طلبہ	۸۳
۳-	وظیفہ طلبہ	۱۰۷
۴-	اعلامیہ برائے اتحاد امت	۱۷۶
۵-	اسلام اور امن عالم	۲۱۳
۶-	ماحولیات کا تحفظ	۲۳۱
۷-	تفریح وسیاحت-اس کے احکام وشرعی ضوابط	۲۶۶
۸-	تجویز بہ سلسلہ تحفظ خواتین	۲۸۹
۹-	شہریت سے متعلق مسائل	۳۰۱
۱۰-	رحم کو کرایہ یا عاریت پر دینا	۳۰۳
۱۱-	اعلامیہ برائے تعلیم اور تعلیمی اداروں کی فرقہ واریت سے حفاظت	۳۲۱
۱۲-	بین مذہبی مذاکرات-اصول وآداب	۳۳۲
۱۳-	فضائی آلودگی کا مسئلہ	۳۴۴
۱۴-	صوتی آلودگی کا مسئلہ	۳۴۵
۱۵-	عصری تعلیمی اداروں سے متعلق شرعی مسائل	۳۵۱
۱۶-	حیوانات کے حقوق اور ان کے احکام	۳۵۷

✧✧✧